حضور قلندر باباولیاء

حیات، حالات، تعلیمات اور کائنات

ترتیب وتدوین: یاسر ذیشان عظیمی

جمالِ ذات

باب اول

عظیم بندہ

اے اللہ! عظیم بندہ ملا دے۔ اے اللہ! عظیم بندہ ملا دے۔ اے اللہ! عظیم بندہ ملا دے۔ اور اللہ کا وہ فرستادہ عظیم بندہ مجھے مل گیا۔ میرے اندر کی آتما کو قرار آ گیا۔ تاریک زندگی روشن ہو گئی۔ مجھے اجالا مل گیا۔ ایسا لگا کہ یوم ازل میں اس عظیم بندہ پر میری روح قربان ہو گئی تھی۔ دھیرے دھیرے میرے اندر کا سورج جو شک اور بے یقینی سے گہنا گیا تھا، افق سے باہر آیا اور اس سورج نے نیئر تاباں بننے کے لئے سفر شروع کر دیا۔ حضرت محمد عظیم سے راہ و رسم بڑھی، جذبات و احساسات محبت بن گئے۔ پھر محبت نے عشق کا روپ دھار لیا اور عشق مجازی سراپا عقیدت کی تصویر بن گیا۔

۱۹۵۰ء جنوری کی ایک صبح ایک دوست کی تلاش میں اخبار ڈان کے دفتر میں گیا تو وہاں ایک صاحب سے دعا سلام ہوئی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا پر سکون چہرہ دیکھ کر دل اتھل پتھل ہو گیا۔ شگفتہ شاداب اور پر سکون چہرہ، آنکھوں میں کیف و مستی کا خمار، مردانہ وجاہت کی تصویر۔۔۔۔۔۔یقین نہیں آیا کہ اس زمانہ میں کسی بندے کو اتنا سکون میسر آ سکتا ہے۔ سریلی شیریں مگر مردانہ بھاری آواز میں بندہ نے کہا: ”تشریف رکھیں کیا کام ہے؟“

اور پھر گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ اس وقت بھرپور جوانی کے منہ زور گھوڑے کی رکابیں میں نے مضبوط ہاتھوں سے تھام رکھیں تھیں۔۔۔۔۔ عظیم بندہ نے میری عمر اور میرے جذبات کی مناسبت سے دو شعور سنائے۔ آنکھوں میں چمک اور خمار کے سرخ ڈورے میری آنکھوں میں دیکھ کر عظیم بندہ نے دل پر نشتر رکھ دیا۔

محبت کرتے ہو۔۔۔۔۔میں گم سم ہو گیا۔ ایک حجاب تھا جو میرے اوپر چھا گیا۔۔۔۔۔پلکیں حیا کے بوجھ سے جھک گئیں۔۔۔۔۔میرے اندر کا چور پکڑا گیا۔ محبت کرتے ہو، بے وفائی کے ساتھ۔ بے وفا بننا، محبت کے ساتھ اس دنیا کی ریت ہے۔ میں بوجھل قدموں سے اٹھا سلام کیا۔ کہا، پان تو کھاتے جایئے۔ میں جس دوست کی تلاش میں گیا تھا وہ نہیں ملا۔ مگر مجھے مستقبل کا دوست مل گیا۔ ایسا دوست جو پہلی ہی ملاقات میں میرے دل میں اتر گیا۔

نیا نیا پاکستان بنا تھا۔ ہندوستان سے آنے والے لوگ اپنے اپنے مسائل میں گھرے ہوئے تھے۔ شہزادیاں ٹاٹ کے پردوں میں بندر روڈ کے فٹ پاتھوں پر حیات و زیست کے معاملات میں الجھی ہوئی تھیں۔ کبر و نخوت کی بڑی بڑی تصویریں آرام باغ کی پتھریلی زمین پر شب بسری پر مجبور تھیں۔۔۔۔۔جن خواتین کا کسی نے آنچل نہیں دیکھا تھا وہ حوائج ضروریہ کے لئے قطار در قطار کھڑی نظر آتی تھیں۔ جن مردوں و خواتین نے کبھی ناک پر مکھی کو نہ بیٹھنے دیا تھا۔۔۔۔۔وہ بھیک کے بڑے بڑے پیالے لے کر ناشتہ اور دوپہر کی روٹی کے لئے انتظار کرتے تھے۔ زیادہ لوگ ایسے تھے جو خورد و نوش اور رہائش کے لئے فکر مند تھے۔ ہر طرف ہر آدمی پریشانی کا پیکر تھا۔

میں بھی انہی میں سے ایک فرد تھا۔ میں نے پاکستان کی تخلیق میں کیا کچھ نہیں دیکھا ہے؟

بڑے شہر میں ایک گھر سے جب کیمپ میں جانے کے لئے باہر نکلے تو سڑکوں پر مسلمانوں کی لاشیں دیکھیں، سڑک پار کرنے کے لئے مجھے سوچنا پڑا کہ میں اپنے بھائیوں اور اپنے بچوں کی زخمی سربریدہ لاشوں پر سے کیسے گزروں مگر جب کوئی چارہ کار نہیں رہا۔۔۔۔۔تو پنجوں کے بل گزر گیا۔

دیکھا کہ چوباروں سے خون ٹپک ٹپک کر جم گیا ہے۔ نالیوں میں پانی کے ساتھ خون بہہ رہا ہے۔ قرآن پاک کے مقدس اوراق سڑک پر بکھرے پڑے ہیں۔ میں اللہ کی کتاب کے نورانی اوراق اٹھاتے اٹھاتے اور لمبے کُرتے کے دامن میں جمع کرتے کرتے شیر اں والا دروازہ میں سے باہر نکل آیا۔ وہاں غیر مسلم فوجی کھڑے تھے۔ مجھے ایک فوجی نے وارننگ دی اور بندوق میری طرف تان لی۔ میں نے اس سے اس ہی کی زبان میں کہا۔

اگر گرنتھ صاحب کے اوراق اس طرح زمین پر ہوتے تو کیا تم انہیں نہ اٹھاتے ؟

فوجی بندوق پر ہاتھ مار کر اٹینشن ہو گیا اور دونوں ایڑیوں پر گھوم گیا۔

میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا اور میں سوچنے لگا مسلمان اتنا بے حس ہو گیا ہے کہ اسے یہ بھی نظر نہیں آتا کہ قرآن کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔

جو قافلے ریلوں میں سفر کر کے آئے ہیں انہیں آج بھی یاد ہے کہ ریلوں کی چھتوں پر یخ بستہ ہواؤں میں انہوں نے سفر کیا ہے۔ جو جہاں گر گیا وہ وہاں مر گیا، بے گور و کفن لاشیں ریلوے لائن کے دونوں اطراف نظر آ رہی تھیں۔ ہماری پاک فوج ریلوں میں آنے والے قافلوں کی محافظ نہ ہوتی تو شاید وہاں سے ایک فرد بھی پاکستان زندہ نہ آتا۔

ان حالات میں کیسے کسی کے چہرے پر سکون مل سکتا ہے۔ میں ایک ٹوٹا ہوا ریزہ ریزہ بکھرا ہوا انسان تھا۔ مستقبل کی روشنی اتنی مدہم تھی کہ بے یقینی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اطمینان قلب لگتا تھا تقدیر سے نکل گیا ہے۔

ایسے میں ایک بندہ ملا جو پر سکون تھا، خوش تھا۔ گو کہ لباس بہت معمولی تھا، گو کہ ایک جھونپڑا تھا، گو کہ بظاہر مالی وسائل محدود تھے، مگر یہ بندہ خوش تھا۔ فکر فردا سے آزاد تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ جدوجہد جاری رہی اور اتنا زیادہ منہمک ہو گیا۔ سکون نام کی کوئی شئے قریب نہیں رہی۔ دنیاوی رنگ و دو اور حرص وہوس میں عظیم بندے کا عظیم چہرہ بھی دھندلا گیا

دادی اماں کی بات "بیٹا انتظار کر" بھی ذہن سے نکل گئی۔

جب میں دنیا میں اچھی طرح لتھڑ گیا، کثافت میرے جسم کا میل بن گئی، وسوسوں نے زندگی کو بے کیف کر دیا۔ خوف نے لقمہ تر سمجھ کر مجھے نگل لیا۔ جھوٹی انا اور پر فریب وقار کے جال میں بے دست و پا ہو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ:

ایک بزرگ مجھے شفاف چشمے کے پانی سے نہلا رہے ہیں۔ جسم میں تعفن اٹھ رہا ہے۔ ایسا تعفن جس کو سونگھ کر بار بار قے ہو رہی ہے۔

بزرگ نے مجھے نہلا دھلا کر سفید چادر میں لپیٹا اور کہا: دادی کے پاس جانا ہے ؟

آنکھ کھلی تو دنیا بدل چکی تھی۔ کانوں میں دادی اماں کی آواز آنے لگی۔

بیٹا! تو اتنا بودا اور کمزور ہے کہ سب بھول گیا۔ تو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو بھی بھول گیا۔

ظہر کی نماز کے وقت سے مغرب کی نماز تک مسجد میں بیٹھنا میرا معمول بن گیا۔

ایک ہی بات ورد زبان تھی۔

"اے اللہ! اپنا فرستادہ عظیم بندہ ملا دے۔"

اللہ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگتا تھا۔ آہ وزاری کرتا تھا اللہ کو پکارتا تھا۔ "اے اللہ! عظیم بندہ کہاں ڈھونڈوں ؟"

تلاش میں پیر تھک گئے۔ دل ڈوب گیا، آنکھیں پتھر بن گئیں۔ نیند روٹھ گئی۔ بھوک و پیاس نے منہ موڑ لیا۔ یاد میں فراق میں اور فریاد میں دن رات گزرتے رہے۔ مادی جسم سوکھ کر کانٹا بن گیا۔ آنکھوں میں سیاہ حلقے نمایاں ہو گئے۔ دوستوں نے کہا وظیفوں کی رجعت ہو گئی۔ عاملوں کاملوں نے اشارہ کیا۔ آسیب لپٹ گیا ہے۔ کوئی جادو ٹونے کا چکر ہے۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ میں اپنی آگ میں جلتا رہا۔ قریب تھا کہ مادی وجود جل کر کوئلہ بن جائے۔ کہعصر کے بعد اور غروب آفتاب سے پہلے یہ خبر کانوں میں رس گھول گئی۔ بھائی عظیم نقاد کے دفتر میں کام کرتے ہیں۔

افتاں و خیزاں رھڑکتے دل کے ساتھ محبوب کے حضور حاضری ہوئی۔ پہلی مرتبہ وصال کی لذت سے آشنا ہوا۔ اسرار و رموز سے بھرے ہوئے سینے سے مجھے چمٹالیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا، آنکھوں کو چوما۔۔۔۔۔۔ عید ہو گئی۔

آندھی، برسات، گرمی، سردی روزانہ شام کے وقت دو سال تک محبوب کا دیدار ہوتا رہا اور پھر محبوب نے اپنے قدموں سے چل کر میرے گھر کو اپنے نور سے منور کر دیا۔ گھر میں رونق آگئی۔ طویل عرصہ تک شب و روز محبوب کے قدموں میں زندہ رہا۔ کوتاہ بینی سے کبھی محبوب کی نظر میں اپنائیت نہیں دیکھتا تھا تو میں موت کے گلے لگ جاتا۔

موت اور زندگی کی لڑائی میں محبوب نے کبھی موت کی فتح کو قبول نہیں کیا۔ دماغ آج تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ محبوب کون ہے، میں یا میری زندگی۔ عنایات خسروانہ اور لطف و کرم یہ بتاتا ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ عظیم بندہ کو اپنا محبوب کہوں۔ عظیم بندہ خود ہی محب ہے اور خود ہی محبوب۔

میں نے اس عظیم بندے کے چودہ سال کے شب و روز دیکھے ہیں۔ ذہنی، جسمانی اور روحانی معمولات میرے سامنے ہیں۔ میں نے اس عظیم بندہ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ میں نے اس عظیم بندہ کے من مندر میں اللہ کو دیکھا ہے۔ میں نے اس عظیم بندہ کے نقطۂ وحدانی میں کائنات اور کائنات کے اندر اربوں کھربوں سنکھوں مخلوق کو ڈوریوں میں باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کائنات کی حرکت اس عظیم بندہ کی ذہنی حرکت پر قائم ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ میں نے اس بندہ کی زبان سے اللہ کو بولتے سنا ہے۔

گفتہ اور گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

عظیم بندہ جسے آسمانی دنیا میں فرشتے قلندر بابا اولیاءؒ کے نام سے پکارتے ہیں، نے مجھے خود آگاہی دی ہے۔ ڈر اور خوف کی جگہ میرے دل میں اللہ کی محبت انڈیل دی ہے۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے میری تربیت اس بنیاد پر کی ہے کہ یہاں دو طرز فکر کام کر رہی ہیں۔ ایک شیطانی طرز فکر ہے جس میں شک، وسوسہ، حسد، لالچ، نفرت، تعصب اور تفرقہ ہے۔

دوسری طرز فکر انبیاء کی طرز فکر ہے۔ جس میں محبت، اخوت، خلوص، صدق مقال، ایثار، اللہ کی مخلوق سے محبت اور خود اپنی روح سے محبت کے تقاضے ہیں۔ جو بندہ اللہ کی محبت سے آشنا ہو جاتا ہے اسے اللہ اپنا دوست بنالیتا ہے اور جو بندہ تعصب، تفرقہ اور خود نمائی کے خول میں بند رہتا ہے اسے شیطان اپنا دوست بنالیتا ہے۔[1]

[1] خواجہ شمس الدین عظیمی: صدائے جرس، روحانی ڈائجسٹ فروری ۱۹۹۳، ص ۱۴ تا ۱۸

حسن اخریٰ

قلندر باباولیاءؒ یہ نام آج زبان زد خاص وعام ہے - جس مبارک و مسعود ہستی کا یہ خطاب ہے ہم اسے "اماں" کہہ کر پکارتے تھے - اس ہستی سے تعارف تو اول روز سے ہی ہے کہ ہم نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اور جس ماحول میں پرورش پائی اس میں قلندر باباولیاء کی ہستی گھنے درخت کے سایہ کی طرح ہر طرف محیط تھی تاہم یہ نام قلندر باباولیاء میں نے پہلی مرتبہ سنا نہیں تھا بلکہ پڑھا تھا- اس عالم فانی میں شاید میں اپنی عمر کی دوسری دہائی میں ہوں گا جب میں نے اماں کی ایک چھپی ہوئی تصویر دیکھی اس تصویر کے نیچے لکھا ہوا تھا قلندر بابا اولیاء - "اماں" کا یہ نام میرے لئے نیا تھا کیونکہ ہم خود انہیں اماں کہتے تھے ہمارے ماں باپ انہیں بھائی صاحب کہتے تھے - بدر صاحب، محسن صاحب، جمال صاحب اور دیگر کئی حضرات انہیں حضور بھائی صاحب کہتے تھے - ڈاکٹر صاحب باوا کہتے تھے - ان کے صاحبزادے شمشاد بھائی، رؤف بھائی اور صاحبزادیاں سلمیٰ باجی اور تسلیمہ باجی انہیں ابا کہتی تھیں - بابا صاحب کی اہلیہ محترمہ، ہماری سب کی اماں جی یا تو کوئی نام لئے بغیر ان کا ذکر کرتی تھیں یا تمہارے بھائی صاحب، تمہارے ابا اور ہم بچوں سے مذاق میں تمہاری اماں کہہ کر ذکر کیا کرتی تھیں - لیکن میرے سامنے کبھی کسی نے اماں کو قلندر باباولیاء کہہ کر نہیں پکارا تھا- تصویر ہمارے ابا نے مجھے دکھائی تھی میں ابا کے برابر میں بیٹھا ہوا تصویر دیکھ رہا تھا اس وقت اماں شاید ہمارے گھر میں نہیں تھے میں نے سر اٹھا کر ابا کی طرف دیکھا اور پوچھا یہ کیا لکھا ہوا ہے - وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے مجھے آج بھی یاد ہے کہ وہ کس پیار بھرے انداز میں مسکرائے تھے میں ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا اور وہ مجھے دیکھ دیکھ کر مسکراتے رہے - شاید میرا یہ سوال پوچھنا ان کے لئے بہت خوشی کا باعث تھا اور ان کی اندرونی پر مسرت کیفیات کا اظہار ان کی خوبصورت مسکراہٹ سے ہو رہا تھا لیکن میں یہ سمجھا کہ شاید میں نے کوئی غلط سوال کر لیا ہے لہٰذا اپنی جھینپ مٹانے کو ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میں بھی مسکرانے لگا اب وہ گویا ہوئے یہ اماں کا نام ہے - میں نے قدرے حیرت سے کہا یہ اماں کا نام ہے ؟ اماں کا نام تو عظیم ہے - انہوں نے کہا کہ یہ بھی اماں کا نام ہے - بات آئی گئی ہو گئی اس کے بعد بھی جو بھی اماں سے ملنے آتا کہتا بھائی صاحب سے ملنا ہے یا حضور بھائی صاحب سے ملنا ہے - کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ تصویر کتاب تذکرہ بابا تاج الدین ناگپوری میں چھپی اب میں نے پھر اماں کی تصویر کے نیچے قلندر باباولیاء لکھا ہوا دیکھا - مجھے اچھی طرح یاد ہے ابا اور کبھی کبھار کوئی اور صاحب ساتھ بیٹھ کر کتاب "تذکرہ بابا تاج الدین ناگپوری" کا ڈکٹیشن اماں سے لیتے - اماں ناظم آباد کے مکان میں باہر صحن میں تخت پر کبھی بیٹھے ہوئے اور کبھی تکیہ سے ٹیک لگائے نیم دراز آہستہ آہستہ بولتے جاتے اور ابا لکھتے جاتے - ہم آتے جاتے یہ کاروائی دیکھتے تھے کبھی کبھار میں بھی تخت پر اماں کے پاس جا کر بیٹھ جاتا اور اماں کو بولتے ہوئے اور ابا کو لکھتے ہوئے دیکھتا رہتا - کبھی کبھی اماں کسی لفظ یا جملے سے مطمئن نہیں ہوتے تھے اور ایک لفظ یا جملے کو بار بار کٹوا کر لکھواتے - ڈکٹیشن کے دوران کبھی وہ اپنے نانا تاج الدین کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کو یاد کرتے ہوئے گہری سوچ میں گم ہو جاتے - میں یہ سمجھتا کہ اماں شاید کوئی مناسب لفظ لکھوانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور یہ سوچتے ہوئے کبھی کبھی میں خود بیچ میں بول پڑتا - میرے بولنے سے ان کی محویت پر اثر پڑتا تھا لیکن اس طرح دخل در معقولات پر اماں نے کبھی مجھے ڈانٹا نہیں -

ایک مرتبہ تو کمال ہی ہو گیا اماں بار بار کوئی لفظ کٹوا کر دوبارہ لکھوا رہے تھے کہ میں بیچ میں اپنی دانست میں کوئی متبادل لفظ بول پڑا اور اماں کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک رہے گا- ابا نے لکھ لیا- اب مجھے یاد نہیں کہ وہ لفظ کیا تھا اور یہ کہ واقعی وہ لفظ کتاب میں شامل ہوا یا اس طرح محض ایک بچے کی دلجوئی مقصود تھی- لیکن میں تو اس وقت اماں کی اس بات سے بہت خوش ہوا، خوشی میں دوڑتا ہوا اپنی امی کے پاس گیا اور انہیں اپنے اس کارنامے کے بارے میں بتایا-

"تذکرہ بابا تاج الدین ناگپوریؒ" کے آخر میں ایک منقبت شائع ہوئی ہے- منقبت مکمل طور پر کس وقت لکھوائی گئی یہ تو یاد نہیں لیکن اس کا ایک مصرعہ میں نے اپنے سامنے باباصاحب کو لکھواتے ہوئے دیکھا وہ تھا

یہ آپ ہی کا تو نواسہ ہے دریا پی کر جو پیاسا ہے

شاید مزید اشعار بھی اسی نشست میں لکھوائے گئے ہوں لیکن مجھے صرف یہ ہی یاد ہے غالباً اس وجہ سے بھی یاد رہ گیا ہو کہ منقبت کے باقی اشعار کی نسبت اس وقت یہ مصرعہ میرے لئے زیادہ آسان تھا- اس وقت بھی میں بیچ میں بولا اور اماں سے کہنے لگا اماں دریا تو بہت بڑا ہوتا ہے کوئی اس کا سارا پانی پی سکتا ہے؟ اس وقت صحن میں اماں کے تخت کے گرد تین چار حضرات موجود تھے ایک ابا ایک جمال صاحب اور باقی یاد نہیں- اماں میری بات سن کر مسکرائے باقی حضرات بھی مسکرانے لگے لیکن کوئی کچھ بولا نہیں پھر اماں ہنستے ہوئے کہنے لگے..." بھئی ایک آدمی اپنی ساری عمر میں ایک دریا کے برابر پانی تو پی ہی لیتا ہو گا-"

بس اسی طرح ہنستے بولتے وقت گزرتا رہا- پھر ہم نے دیکھا کہ ہمارے ابا نے اخبار میں لکھنا شروع کیا- اس کی ابتداء بھی مجھے کچھ کچھ یاد ہے شروع میں ایسا ہوتا تھا کہ چند خطوط کے جواب تو ابا خود لکھ لیا کرتے تھے لیکن بعض خطوط الگ کر لیتے تھے اور بعد میں کسی وقت یہ خطوط اماں کو پڑھ کر سناتے اور اماں خود ان خطوط کے جواب ابا کو لکھواتے- اس وقت ابا کا کالم دو طرح کے خطوط پر مشتمل ہوتا تھا ایک تو مسائل، بیماریاں وغیرہ اور دوسرے خوابوں کی تعبیر- مسائل اور بیماریوں سے متعلق تو کسی خط کا جواب ابا خود لکھتے اور کوئی خط اماں کو دکھاتے لیکن کافی عرصہ تک یہ ہوتا رہا کہ خواب کی تعبیر کے لئے آنے والے ہر خط کا جواب اماں ہی لکھواتے تھے- اس کا طریقۂ کار یہ ہوتا کہ پہلے اماں خواب کی مجموعی تعبیر لکھواتے پھر تفصیلاً خواب میں دیکھی ہوئی باتوں کو بیان کرتے ہوئے ان کا تجزیہ لکھواتے رفتہ رفتہ اماں نے خواب کی تعبیر بھی ابا سے لکھوانی شروع کی اور انہیں ہدایت کی کہ جہاں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے وہ مجھ سے پوچھ لیا کریں پھر کچھ عرصے بعد فرمایا... خواجہ صاحب اب آپ خود ہی لکھ لیا کریں- اماں کی شخصیت ہمارے لئے گھنے درخت کے سایہ کی طرح تھی- اماں ہمارے لئے محبتوں کا خزانہ تھے- ہمیں ان کی بات سن کر اور ان کا کہا مان کر بہت خوشی ہوتی- اگر وہ اپنے کسی کام کے لئے کہتے تو ہم بڑی خوشی خوشی وہ کام کیا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی بات یہ بھی تھی کہ اس وقت ہماری نظروں میں اماں کوئی خاص شخصیت نہ تھے- اس بات کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ کوئی بھی فرد اپنے گھر میں اپنے بچوں کی نظر میں اپنے علمی مقام و مرتبہ یا اپنی سماجی حیثیت سے قطع نظر صرف ایک باپ ہوتا ہے یا کوئی بزرگ اپنے کم عمر پوتوں یا نواسوں کے لئے دادا یا نانا ہوتے ہیں- بچے ان کی بزرگی یا ان کے علمی مقام یا سماجی حیثیت سے مرعوب و متاثر نہیں ہوتے بلکہ بچے تو صرف اور صرف اس ہستی اور اپنے درمیان پائے جانے والے تعلق کے حوالے سے اس ہستی سے اپنا ذہنی یا قلبی ناطہ جوڑتے ہیں- بالکل اسی طرح ہم بھی بچپن میں اماں کو صرف اماں سمجھتے تھے ان کے بلند اور ارفع روحانی مقام کا کوئی ادراک تھا نہ شعور مگر اس کے

ساتھ ساتھ شاید یہ اماں کی خصوصی توجہ کا اثر تھا کہ ہم اماں کو کوئی عام شخصیت بھی نہ سمجھتے تھے - جب ہم کسی کے گھر ملنے جاتے اور وہاں بچوں کے نانا یا دادا کو دیکھتے اور ان سے ملتے تو دیکھنے میں تو وہ بھی اماں کی طرح بڑی عمر کے اور دھیمے دھیمے باتیں کرتے ہوئے اپنے پوتوں نواسوں سے پیار کرتے نظر آتے مگر اس وقت ایک بات ضرور ذہن میں آتی کہ اماں والی بات ان میں نہیں ہے۔

بچپن کی یہ بات کہ اماں کوئی عام شخصیت نہیں ہیں رفتہ رفتہ گہری ہونا شروع ہوئی اور دل میں محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت نے بھی گھر کرنا شروع کیا- حالانکہ بچپن میں نہ تو ہم نے کبھی ان کی کوئی خاص خدمت کی اور نہ کبھی اس طرح عقیدت و احترام کا مظاہرہ کیا جس طرح ہماری نظروں کے سامنے دوسرے لوگ کرتے تھے۔ بلکہ ہم تو اکثر ان کے کمرے میں شور شرابہ کرتے رہتے تھے کبھی وہ ہمیں شور مچانے دیتے کبھی منع کرتے اور جب وہ منع کرتے تب بھی یہ ضروری نہیں تھا کہ ہم ان کی بات فوراً مان لیں بلکہ اکثر ہم بہن بھائی اپنی شرارتیں جاری رکھتے اور وہ کچھ نہ کہتے اگر کوئی مہمان آجاتے تو ہم ان کے کمرے سے نکل کر باہر صحن میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے - اس دوران کبھی اماں مجھے آواز دیتے - بھائی جان! میں ان کے کمرے میں جاتا وہاں کچھ لوگ موجود ہوتے اور اماں مجھ سے کہتے..."بھائی جان! چائے لاؤ یا پانی لاؤ یا کھانا لاؤ-" مجھے اس طرح کے چھوٹے چھوٹے کام کرکے بہت خوشی ہوتی زیادہ خوشی اس بات سے ہوتی کہ کام کرنے پر اماں خود بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرتے تھے اور مختلف اوقات میں کچھ اس طرح کہا کرتے بھئی واہ- بہت عمدہ- واہ بھئی واہ- بہت اچھا بچہ ہے- شاباش-

میں اسکول میں پڑھا کرتا تھا کہ اماں کے اندر چھپے ہوئے ایک بڑے آدمی کا وجود رفتہ رفتہ مجھ پر آشکار ہونا شروع ہوا- اب میری شرارتیں کم ہوگئیں اور اماں کے سامنے میں نے خاموشی اور ادب سے بیٹھنا شروع کر دیا- مختلف لوگ اماں سے مختلف موضوعات پر بات کرتے تھے اور میں دیکھتا تھا کہ اماں سوال سن کر اکثر برجستہ جواب دینا شروع کر دیتے تھے- اب کبھی کبھی میں نے بھی اماں سے سوالات کرنا شروع کر دیئے- اماں میری عمر اور میرے ذہن کے مطابق انتہائی محبت سے مجھے جواب دیتے اور پھر سمجھاتے میں کبھی اپنا کوئی خواب بھی انہیں سناتا تھا- وہ بڑے غور سے سنتے اور پھر اس کا مطلب بتاتے - میں اب سوچتا ہوں کہ اس زمانے میں میری باتوں پر اماں نے یہ سوچ کر یہ تو بچہ ہے کبھی بے توجہی نہیں برتی بلکہ ایک کم عمر بچے کی بات بھی وہ اسی توجہ اور انہماک سے سنتے تھے جس طرح بڑوں کی باتیں سنتے تھے- اور مجھے بھی اتنا ہی مفصل جواب دیتے تھے جتنا کہ دوسروں کو حتیٰ کہ میں مطمئن ہو جاتا-

تذکرہ بابا تاج الدین ناگپوری چھپ چکی تھی لیکن "لوح و قلم" کا مسودہ کئی برسوں سے ایک دراز میں پڑا ہوا تھا- میں کبھی کبھار دراز کھول کر فائل سے وہ مسودہ نکالتا اور اس کے شروع کے ایک دو صفحوں پر نظر ڈالتا اور پھر واپس رکھ دیتا- اماں کے پاس بیٹھنا اور ان کی باتیں سننا بہت اچھا لگتا تھا- ذہن جیسے کہ کھل جاتا اور نئی نئی باتیں ذہن میں آنے لگتیں- اب ایک نئی بات یہ شروع ہوئی کہ جہاں کبھی کسی معاملے پر ذہن رکا، فوراً دھیان اماں کی طرف گیا- خیال آیا کہ اماں سے پوچھ لیں گے - اماں کا خیال ہی مطمئن کر دیتا تھا- اور بعد میں اماں سے وہ بات پوچھ لیا کرتا- اماں سے بات کرنے کے لئے کسی موضوع کی کوئی ضرورت نہیں تھی- انہیں شعر و ادب سے خصوصی لگاؤ ضرور تھا لیکن ان سے مذہب و روحانیت کے علاوہ کیمسٹری اور جغرافیہ پر بھی بات کی جاسکتی تھی اور طب و حکمت پر بھی - وہ علوم کے مختلف شعبوں کے بارے میں سوالوں کا جواب اتنی آسانی و برجستگی سے دیتے تھے کہ جیسے وہ اسی ایک شعبے کے ماہر ہوں-

جینیٹکس کا نام شاید آج بھی بہت سارے لوگوں کے لئے نیا ہو لیکن ہم نے اماں سے آج سے 20 سال پہلے اس علم کی مبادیات پر گفتگو سنی ہے - جب کبھی میں ان کی مجلسوں میں شریک ہوتا اور اس قسم کی باتیں سنتا تو دوران گفتگو وہ کبھی کبھی مجھ سے بھی پوچھا کرتے کیوں بھئی بات سمجھ میں آرہی ہے نا میں اثبات میں سر ہلا دیتا اور واقعی وہ بات میری سمجھ میں آچکی ہوتی - ان کے ساتھ گزارے ہوئے وقت میں جو باتیں ہوئیں وہ سب کی سب الفاظ و جملوں کی شکل میں من و عن تو اب ذہن میں نہیں ہیں البتہ ان باتوں کا مفہوم اور تاثر ذہن میں رچ بس کر میری شخصیت کا حصہ بن گیا ہے -

جیسے جیسے وقت گزرتا رہا اماں کی عظمت و توقیر میرے دل میں بڑھتی رہی اور اب ایک نیا احساس دل میں جاگزیں ہوا وہ یہ کہ جس طرح اماں کو ہمارے ابا جانتے ہیں یا ہم چند لوگ جانتے ہیں اسی طرح انہیں سارا عالم جانے - یہ خیال دل ہی دل میں پروان چڑھتا رہا لیکن اس خیال کو اماں کے سامنے براہ راست ظاہر کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوئی - ہاں بالواسطہ طریقے سے اکثر ضرور اظہار کر دیا کرتا تھا - کہتا اماں جس طرح نانا تاج الدین پر آپ نے کتاب لکھی ہے اسی طرح اور بھی کوئی کتاب لکھیں - وہ میری بات سن کر مسکراتے اور کہتے اچھا - اب بات کو آگے بڑھانے کی میری ہمت نہ پڑتی کہ جب آپ نے حامی بھر لی ہے تو لکھوانا شروع کر دیں بس یہیں تک بات ہو کر ختم ہو جاتی - اماں کے سامنے تو بات ختم ہو جاتی لیکن دل میں جو خواہش جڑ پکڑ چکی تھی اس کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا - جی چاہتا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اماں کی باتیں پہنچیں - لوگوں کو پتہ چلے کہ ان کے درمیان ایک ایسی ہستی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم سے مالا مال ہے اور اللہ کی محبت اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عشق میں سر تا پا ڈوبی ہوئی ہے - اماں کا پیغام پھیلنا چاہیئے کہ محبت کا پیغام ہے - وہ اللہ کی محبت و چاہت کی باتیں کچھ اس طرح بتاتے ہیں جیسے اللہ نے ابھی انہیں اپنی گود میں بٹھا کر پیار کیا ہو - وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے قریب ہو جاؤ اللہ سے محبت کرو اللہ تعالیٰ خالق ہیں ان کی ہر تخلیق محبت کی ساتھ تشکیل پائی ہے چنانچہ تم بھی ہر دوسرے فرد سے محبت کرو اسے اچھا جانو اس کا احترام کرو - اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں کسی دوسرے سے کوئی تکلیف نہ پہنچے تو پہلے اپنی ذات کو دوسروں کے لئے باعث راحت و سکون بناؤ - بہتر بات یہ ہے کہ تمہاری ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچے لیکن اگر یہ کوئی نہیں کر سکتا تو اتنا ضرور کرے کہ اس کی ذات سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے -

ہم سب بہن بھائیوں کے نام اماں نے رکھے ہیں - ہم سب کو انہوں نے اپنی گود میں پرورش کیا ہے اماں کی گود کی عظمت سے اماں کی طرز فکر ہمارے اندر منتقل ہوئی ہے - میں نے کائناتی نظام اور اس نظام پر مصروف عمل کارندوں کی بچپن میں باتیں سنیں ہیں - بچپن میں ہی میرے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی کہ اللہ کے بندے انسان بھی کائناتی نظام چلاتے ہیں - غوث - قطب - مدار - کوچک ابدال - ابدال کے عہدوں سے میں واقف ہو گیا تھا - لیکن میں اکثر یہ سوچتا تھا کہ یہ لوگ یہاں دنیا میں بیٹھے ہوئے آسمانی دنیاؤں میں کس طرح کام کرتے ہیں - مجھے حیرت اس وقت ہوتی تھی کہ جب کوئی شخص اماں کے پاس آکر فریاد کرتا تھا تو اماں کہتے تھے جاؤ خوش ہو جاؤ تمہارا کام ہو گیا ہے - اور یہ کام ہو جاتا تھا - میں نے کبھی اماں کو وسائل کا پابند نہیں دیکھا - بس جو کہہ دیا، جو سوچ لیا اس کے مطابق خود بخود وسائل مہیا ہو جاتے تھے بلکہ وسائل بن جاتے تھے - کبھی ایسا بھی ہوتا کہ گھر میں ہم سب بچے اماں کے ساتھ بیٹھ کر

چٹنی سے روٹی کھاتے تھے - اماں بہت خوش ہو کر کہتے..."بچو خوش ہو کر کھاؤ، آج اللہ کے یہاں ہماری خصوصیت ہے کہ ہم چٹنی سے روٹی کھا رہے ہیں اور دوسرے لوگ گوشت وغیرہ کھا رہے ہیں-

میری یہ خواہش کہ اماں کا نام عالم میں پھیل جائے اس طرح پوری ہوئی ابا نے روحانی ڈائجسٹ اماں کی اجازت سے جاری کر دیا- روحانی ڈائجسٹ کے سرورق پر جو تحریر مسلسل پندرہ سال سے چھپ رہی ہے- یہ اماں ہی کی لکھوائی ہوئی ہے- من و عن ان کے ہی الفاظ ہیں

-

"یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے"

آج ہزاروں لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ اماں کی اس تحریر نے لوگوں کے دلوں کو منور کر دیا ہے اور لوگ واقعی خدا تک پہنچ گئے ہیں- انہیں خدا کا قرب نصیب ہوا ہے-

اماں کی زندگی میں ابا نے دو پرچے نکالے- پہلا پرچہ تجربہ نہ ہونے کے باوجود اچھا تھا- مگر دوسرا شمارہ دیکھ کر اماں نے کہا مضامین کی ترتیب اچھی نہیں ہے- اور تیسرے پرچے میں اماں کے وصال کی خبر لگ گئی-

انّاللہ وانّا الیہ راجعون

ہم بچوں کی اماں کو کتنی فکر تھی - یہ بات مجھے جناب بھائی نثار علی بخاری جو اماں کے گہرے دوست تھے سے معلوم ہوئی - ایک روز انہوں نے فرمایا... بھائی صاحب فرما رہے تھے میں نے بنیادی کام کر دیئے ہیں- اب یہاں رہنا کوئی اتنا ضروری نہیں ہے - مجھے خواجہ صاحب کی فکر ہے کہ وہ عیال دار ہیں اللہ ان کی معاش کا بندوبست کر دے - بس پھر میں فارغ ہوں-

روحانی ڈائجسٹ نکلنے کے بعد ابا کی مصروفیت بے پناہ ہو گئی، ہم دوستوں نے اپنی عمر اور اپنی عقل کے مطابق ان کا ہاتھ بٹایا- ان دوستوں میں جاوید احمد، نسیم احمد، حافظ ضیاء، زبیر احمد، انیس احمد ہیں- جیسے جیسے میری عمر کے مطابق میری صلاحیت میں اضافہ ہوا میرے ذمہ روحانی ڈائجسٹ کی خدمات زیادہ ہوتی رہیں-

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ D1، 1/7 کے نیچے کے مکان کے صحن کی طرف برآمدہ میں اماں ہیں اور میں صحن میں ہوں- اماں نے کہا میں تم سے خوش ہوں تم نے خواجہ صاحب کی مصروفیت میں حصہ لیا-

اب میں سوچتا ہوں کہ یہ تو خود میری خواہش پوری ہوئی ہے کہ مجھے روحانی ڈائجسٹ کا کام مل گیا ہے- میں بچپن سے ہی چاہتا ہوں کہ اماں کا نام اور اماں کے علوم عالم میں پھیل جائیں-

کیا لکھوں کتنا لکھوں، میرے سراپا کا ایک ایک رواں اماں کی شفقت، عظمت، محبت، خلوص اور ایثار کا گواہ ہے- اماں کہتے تھے۔

ا۔ کسی کو کچھ بنانے کے لئے اپنا بہت کچھ کھونا پڑتا ہے-

فرماتے تھے۔

موم بتی اپنے وجود کو جلا کر پگھلا کر اور خود کو فنا کر کے دوسروں کو روشنی دیتی ہے-

اماں میری شناخت ہیں مجھے ان کی گود کا لمس نہ ملتا تو میں کچھ بھی ہو سکتا تھا مگر وقار یوسف عظیمی نہ ہوتا-[2]

[2] حکیم وقار یوسف عظیمی: حسن آخری، روحانی ڈائجسٹ فروری ۱۹۹۳، ص ۱۷۵ تا ۱۸

حیاتِ عظیم

مادی کائنات غائب اور مخفی بساط پر قائم ہے غیب میں نظر دیکھتی ہے کہ ناسوتی دنیااور لاکھوں دنیائیں ایک بھان متی ہیں ہے، یہاں کوئی باپ ہے اور کوئی ماں ہے، کوئی بچہ ہے، کوئی استاد ہے، کوئی شاگرد ہے، کوئی دوست ہے، کوئی دشمن ہے، کوئی گنہگار ہے کوئی پاکباز ہے، دراصل یہ سب اسٹیج پر کام کرنے والے کرداروں کے مختلف روپ ہیں، جب ایک کردار یا سب کردار اسٹیج سے اتر جاتے ہیں، سب ایک ہو جاتے ہیں اور ان کے اوپر سے دوری کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے یہ ایک راز ہے جس کی پردہ کشائی انبیاء کے وارث اولیاء اللہ کرتے ہیں انہیں میں سے ایک برگزیدہ ہستی حضور قلندر بابا اولیاء ہیں۔

حامل علم لدنی، ابدال حق، صدرالصدور مرد حق آگاہ، رہنمائے معرفت، فخر اولیاء، عارف حق، مرد قلندر، ،وارث علوم الانبیاء، روحانی ڈائجسٹ کے روح رواں، امام سلسلہ عالیہ عظیمیہ، حسن اخری سید محمد عظیم برخیاالمعروف حضور قلندر بابا اولیاءؒ، صرف ایک نام نہیں بلکہ ایک طرز فکر ہیں جو نور انسانی کے لیے راہنمائی کا روشن مینار ہیں، آپ نے نوع انسانی کو قرآن میں تفکر اور توحید باری تعالی پر اتحاد کی دعوت نہایت عالمانہ لیکن موجودہ دور کے لئے عام فہم اور سائنسی انداز میں دی ہے۔

آپ نے فیضان نبوت کی مشعل معرفت کو اس طرح سے تھاما، کہ اس کی ضیائے تابناک سے تمام عالم منور ہو گیا۔

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے اس عظیم بندے کے چودہ سال شب و روز دیکھے ہیں، ذہنی جسمانی اور روحانی معمولات میرے سامنے ہیں۔ میں نے اس عظیم بندے کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے میں نے عظیم بندے کے من مندر میں اللہ کو دیکھا ہے۔ میں نے اس عظیم بندے کے نقطہ وحدانی میں کائنات اور کائنات کے اندر موجود اربوں کھربوں سنکھوں مخلوق کو ڈوریوں میں بندھے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کائنات کی حرکت اس عظیم بندے کی ذہنی حالت پر قائم ہے اس لئے کہ یہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ میں نے اس کی اس بندے کی زبان سے اللہ کو بولتے سنا ہے۔"

قلندر بابا اولیاء جیسی ہستیاں صرف کسی ایک قوم کے لئے نہیں۔۔۔ پوری نوع انسانی کا سرمایہ ہوتی ہیں، ایسے لوگوں کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی لوگ ان کی تعلیمات سے فیض یاب ہو کر اللہ کا عرفان حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی بات کو مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے کتاب "تذکرہ قلندر بابا اولیاءؒ" کے پیش لفظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ!

"نورانی لوگوں کی باتیں بھی روشن اور منور ہوتی ہیں۔ زندگی میں ان کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب سو سالہ اطاعت بے ریا سے افضل ہے اور عالم قدس چلے جانے کے بعد ان کی یاد ہزار سالہ طاعت بے ریا سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ ایسے مقرب بارگاہ بندوں کے تذکرے سے آدمی کا انگ انگ اللہ تعالی کی قربت کے تصور سے رنگین ہو جاتا ہے۔"

آپ کی زندگی کے حالات و واقعات، کشف و کرامات اسرار و رموز کی خوشبو سے معطر ملفوظات و ارشادات پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن آپ کی ذات مبارکہ الفاظ کے محور میں نہ سما سکی، مرشد کریم فرماتے ہیں!

ہمارے لئے اس عظیم بندے کی شخصیت اور تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی در حقیقت ان کوششوں سے خود ہماری اپنی شخصیت ایک نئی جہت اور کائناتی علم کے حوالے سے تفہیم و آگہی کی نئی راہوں سے روشناس ہوتی ہے۔ قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور تعلیمات میں تفکر خود اپنی شخصیت کو جلا بخشتا ہے۔

"بڑے لوگوں کی عظمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ان کی ذات دوسروں کو نہ صرف راہ نمائی عطا کرتی ہے بلکہ ان کی تعلیمات دکھوں اور پریشانیوں کا مداوا ہوتی ہیں۔"

زیر نظر سوانح حیات حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ بھی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس بات سے متعلق کہ ایسے مقرب بارگاہ بندے کا تذکرہ کیا جائے جس سے آدمی جس آدمی کا انگ انگ اللہ تعالی کی قربت کے تصور رنگین ہو جائے اور اسی کی تعلیمات دکھوں اور پریشانیوں کا مداوا بن جائیں۔

یہ تمام تواریخ انتہائی احتیاط سے مرتب کی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ ان تواریخ سے متعلق باقاعدہ مکمل ریکارڈ بھی حاصل کیا جائے۔ لیکن کچھ اہم ریکارڈ کی عدم دست یابی کی بناء پر قریب ترین عرصہ کا اندراج کیا گیا ہے۔ لہذا یہ امر لازم ہے کہ کسی واقعہ سے متعلق تاریخ میں اختلاف ہو۔ تاہم اس صورت میں یہ اختلاف معمولی اور قابل نظر انداز ہی ہو گا۔

ولادت باسعادت

۲۹ جولائی ۱۸۹۸ (قومی شناختی کارڈ پر ۱۸۹۴ درج ہے)

بہ مقام پیرزادگان، قصبہ خورد ضلع بلند شہر صوبہ یوپی بھارت

ابتدائی تعلیم

۱۹۰۲ مولانا شیرانی سے درس قرآن لیا۔ قصبہ خواجہ کے مکتب میں داخلہ لیا۔

میٹرک

۱۹۱۲: ہائی اسکول بلند شہر سے کیا۔

انٹر میڈیٹ

۱۹۱۳: علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔

ابتدائی تربیت

۱۹۱۳۔۱۴: علی گڑھ قیام کے دوران دور اندیشی کی طرف میلان بڑھ گیا۔

زیادہ وقت قبرستان کے پاس مولانا کابلی کے حجرے میں گزارتے رات تشریف لے جاتے تو صبح سے واپس آتے۔

تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں:

۱۵-۱۹۱۴: مولانا کابلی رحمۃ اللہ علیہ سے فراغت کے بعد بابا تاج الدین ناگ پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس روحانی تربیت کے لیے حاضر ہوئے۔

۲۲-۱۹۱۴: بابا تاج الدین ناگ پوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ۹ سال تک دن رات قیام کیا۔ بابا تاج الدین ناگ پوری رحمتہ اللہ علیہ نے روحانی تربیت فرمائی۔

والدہ کی وفات:

قبل از ۱۹۲۲: زمانہ تربیت میں ہی حضور قلندر باباولیاء کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی سعیدہ چار بیٹیوں اور دو بیٹوں کو چھوڑ کر عالم بقا میں چلی گئیں، ایک ہم شیرہ کے علاوہ سارے بچے حضور قلندر باباولیاء سے چھوٹے تھے۔ کوئی بھی باشعور نہ تھا، آپ بہن بھائیوں کی تربیت کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

شادی اور دہلی میں قیام:

۲۴-۱۹۲۳: بابا تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق آپ کی شادی دہلی میں ان کے عقیدت مند کی صاحبزادی سے ہو گئی، شادی کے بعد دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔

صحافت شاعری:

۱۹۲۵: دہلی میں قیام کے دوران میں رسائل و جرائد کی صحافت اور شعراء کے دواوین کی اصلاح اور تربیت کا کام کرتے رہے۔ دن کو صوفی منش لوگ آتے، اور تصوف کی محفلیں ہوتیں، جب کہ رات کو شاعر ادیب اور اہل ذوق حضرات آپ سے فیض یاب ہوتے۔

تاج الاولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا وصال:

۱۷ اگست ۱۹۲۵: بابا تاج الدین ناگپوری وصال فرما گئے۔ وصال سے قبل بابا تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد یہاں قیام نہ کرنا چناں چہ ناناصاحب کے وصال کے بعد ناگپور آنا جانا ترک کر دیا۔ لہذا ۱۹۲۶ کو ناگ پور کو چھوڑ دیا۔

پہلی ملازمت:

۱۹۳۶: برطانوی ہندوستانی فوج میں ایک سال ملازمت کی۔

برماروانگی :

۱۹۳۷: فوجی ملازمت کے دوران برماروانگی اور زخمی ہونے پر اسپتال داخل ہوئے۔

اولاد نرینہ:

۱۹۳۷: بڑے صاحبزادے محترم آفتاب مرحوم کی ولادت ہوئی۔

شاعری:

۱۹۴۲: اگرچہ قیام دہلی سے شعراء کے دواوین کی اصلاح کیا کرتے تھے تاہم دست یاب ریکارڈ کے مطابق 5 دسمبر کی تحریر کردہ آپ کی یہ غزل سید نثار علی بخاری کے نام مکتوب کی زینت بنی۔

"عشق ہی میرا سفر ہے، عشق ہی کاشانہ ہے"

اعلان پاکستان:

۴ جولائی ۱۹۴۷: تقسیم سے قبل ہی ایک دوست کے نام بذریعہ خط اعلان پاکستان پر اظہار خوشی اور مبارک باد دی۔

پاکستان تشریف آوری:

۱۹۴۷: مہاجرین کے ساتھ پاکستان آئے۔ اوائل ۱۹۴۸ میں کراچی میں لی مارکیٹ کے محلہ عثمان آباد میں رہائش اختیار کی۔ کچھ عرصہ راولپنڈی بھی قیام کیا۔

روزگار کا آغاز:

وسط ۱۹۴۸: پاکستان آکر روزگار کے سلسلہ میں کراچی میں سیٹھ عثمان کے کارخانہ میں کام کیا پھر کراچی کے لارنس روڈ کی فٹ پاتھ پر بجلی کے فیوز لگانے کا کام کیا۔

ملازمت کا آغاز:

اختتام ۱۹۴۸: ڈان اخبار (اردو) میں دو سال تک ملازمت کی سب ایڈیٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

درون خانہ

۱۹۵۰: بڑی صاحبزادی کی شادی کی جمیل صاحب سے ہوئی۔

پیر اور مرشد کی پہلی ملاقات:

۱۹۵۰: خواجہ شمس الدین عظیمی اور حضور قلندر باباولیاء کی پہلی ملاقات اردو ڈان کے دفتر میں جنوری کے مہینے میں ہوئی حضور قلندر باباولیاء نے اس موقع پر آپ کو کھانے کے لیے "پان" دیا۔

دوسری ملاقات:

۵۴-۱۹۵۳: چار سال بعد خواجہ شمس الدین عظیمی اور حضور قلندر باباولیاء کی دوسری اور اہم ترین ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات خواجہ صاحب کے ایک دوست چغتائی صاحب کی وساطت سے ہوئی۔ اسی ملاقات کے بارے میں خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں!

"اور ہم دونوں ایک دوسرے کے ہو گئے"

نظام تکوین:

قبل از ۱۹۵۴ : نظام تکوین میں انتظامی ذمہ داری کا آغاز ہو چکا تھا۔

تکوینی ملاقات:

وسط ۱۹۵۴: حضرت علی شاہ قلندر اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی آمد اہم تکوینی ملاقات ہوئی، قانون پر تبادلہ خیال ہوا۔

دوسری ملازمت:

۱۹۵۴: علامہ نیاز فتح پوری کے رسالہ نقاد میں کام کیا۔ اسی دور میں رسالہ میں بیشتر کہانیاں آپ نے لکھیں جو فرضی ناموں سے شائع ہوئیں۔

باقاعدہ بیعت:

۱۹۵۶: حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی نے ت سخت سردیوں میں گرانڈ ہوٹل کراچی میں رات تین بجے بلایا حضور قلندر باباولیاء رات ٹھیک دو بجے ہوٹل کی سیڑھیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ تین بجے حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی نے دروازہ کھولا، اندر بلایا اور سامنے بٹھا کر حضور بابا صاحب کی پیشانی مبارک پر تین پھونکیں ماریں۔ پہلی پھونک میں عالم ارواح منکشف ہو گی۔ ادوسری پھونک میں عالم ملکوت و جبروت سامنے آ گیا۔ تیسری پھونک میں حضور بابا

صاحب نے عرش معلیٰ کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد حضرت ابوالفیض علی قلندر علی سہروردی نے قطب ارشاد کی تعلیمات تین ہفتوں میں پوری کر کے خلافت عطا فرمائی۔

ناظم آباد میں سکونت:

قبل از ۱۹۵۷: 1-D 1/7 ناظم آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

لوح و قلم:

۱۹۵۷: لوح و قلم کا مسودہ خواجہ شمس الدین سے لکھوانا شروع کیا۔

دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری:

۱۹۵۸: دربار رسالت مآب صلی اللہ وسلم میں حاضری کا آغاز ہو چکا تھا۔

"لوح و قلم" کی تکمیل

۱۹۵۹: شاہکار تصنیف لوح و قلم کا مسودہ مکمل ہو گیا۔

نام کی مقبولیت

وسط ۱۹۵۹: زبان خلق پر حضور بھائی صاحب کے نام سے مقبولیت حاصل کی۔

خانوادگی:

اوائل ۱۹۶۰: ۹ روحانی سلاسل کا خانوادہ بننا مکمل ہو چکا تھا۔

سلسلہ عالیہ عظیمیہ کا قیام:

جولائی ۱۹۶۰: دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ عظیمیہ کے قیام کی منظوری حاصل کی۔

تکوینی مصروفیات:

۱۹۶۴: تکوینی نظام میں بہت زیادہ مصروفیات بڑھ گئیں۔

بڑے صاحبزادے کی وفات:

۱۴ اپریل ۱۹۶۴: بڑے صاحبزادے آفتاب احمد ٹھٹھہ کے قریب گاڑی کے حادثے میں وفات ہو گئے گئے۔ اس سانحہ پر ایک آنکھ کی بینائی متاثر ہوئی۔ آفتاب احمد کی لوح مرقد پر "نور بصر" لکھوایا۔

بعد میں ایک موقع پر آپ نے اس کے بارے میں فرمایا اولاد کی ذمہ داری کے بارے میں خیال آیا تو اس لیے ایسا ہوا۔

خواجہ صاحب کے ہاں تشریف آوری:

قبل از ۱۹۵۶: خواجہ شمس الدین کے ہاں آپ کی باقاعدہ تشریف آوری کا آغاز ہو چکا تھا۔ زندگی کا طویل عرصہ ان کے ہاں گزارا۔

خانوادہ:

قبل از ۱۹۶۷: ۱۱ روحانی سلاسل کا خانوادہ بننا مکمل ہو گیا۔

عظیمیہ فاؤنڈیشن کا قیام:

بعد از ۱۹۷۰: عظیمیہ ٹرسٹ فاؤنڈیشن کا قیام آپ کی حیات میں ہی ہو چکا تھا۔ عظیمیہ ٹرسٹ فاؤنڈیشن میں ہی آپ کا مزار مبارک ہے۔

بیماری کا آغاز

اوائل ۱۹۷۷: آپ کی صحت خراب ہونا شروع ہو گئی۔

بیماری میں اضافہ

اوائل ۱۹۷۸: بیماری نے طول پکڑنا شروع کر لیا۔ اعلاج معالجہ سے بھی فرق نہ پڑا۔

صحت میں شدید کمزوری:

بعد از وسط ۱۹۷۸: بیماری کے باعث صحت بہت کمزور ہو گئی حتی کہ زیادہ وقت لیٹے ہی رہتے، خرابی صحت کے باعث ہلنے بھی تک ہلنے میں بھی تکلیف پیش آنے لگی۔ اپنے وصال کے بارے میں کچھ عرصہ قبل ہی بتا دیا تھا۔

روحانی ڈائجسٹ کا اجرا:

یکم دسمبر ۱۹۷۱ء: روحانی ڈائجسٹ کا پہلا شمارہ آپ کی زیر سرپرستی میں چھپا.

اللہ سے درخواست:

۱۹۷۸: جب بیماری سے بڑھ گئی اور کوئی علاج و معالجہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا تو آپ کے قریبی عقیدت مند سراج صاحب نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ اس بیماری کو روحانی قوتوں سے ختم فرمائیں۔

اس پر بابا صاحب نے فرمایا:

"میں نے اللہ تعالی سے درخواست کی تھی کہ اللہ تعالی نے مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ میں عوام کی طرح دنیا میں رہوں، اور عوام کی طرح علاج کراؤں اور عوام ہی کی طرح نقل مکانی کروں۔"

روحانی ڈائجسٹ:

یکم جنوری ۱۹۷۹: روحانی ڈائجسٹ کا دوسرا شمارہ آپ کی زیر سرپرستی چھپا اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا اور یوں آپ کی حیات میں ڈائجسٹ دو مرتبہ چھپ سکا۔ روحانی ڈائجسٹ کے سرورق کی پیشانی پر ایک تحریر آپ کی طرز فکر اور رسالہ کا مقصد بیان کرتی ہے جسے آپ نے خود اس طرح لکھوایا تھا:

"یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے

اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے"

وصال:

۲۷ جنوری ۱۹۷۹: رات ایک بج کر دس منٹ بروز ہفتہ آپ اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر خدمت ہو گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۲۷ جنوری ۱۹۷۹: روحانی ڈائجسٹ کا تیسرا شمارہ چھپ کر تیار ہو چکا تھا کہ حضور قلندر باباولیاء کے وصال کی خبر آ گئی۔ ڈائجسٹ کی چھپوائی ہنگامی طور پر روک دی گئی اور یہ خبر ان سائیڈ ٹائٹل پر شایع ہوئی۔

"آہ قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ"

واحسرتا کہ آج دنیااس وجود سرمدی سے خالی ہوگئی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے "میں اپنے بندوں کو دوست رکھتاہوں اور میں ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتاہوں- پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں، میرے ذریعے بولتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں-"

اخبارات:

سید محمد عظیم کے وصال کی خبر روزنامہ جنگ روزنامہ جسارت اور روزنامہ ملت گجراتی نے نمایاں طور پر شائع کی۔

سوانح حیات

باب دوم

خاندانی پس منظر

آپ نجیب الطرفین سید ہیں آپ کا خاندانی سلسلہ گیارہویں امام حضرت حسن عسکری سے جاملتا ہے ۔ دادھیال اور ننھیال دونوں جانب سے آپ کے جد امجد حضرت فیصل مہدی عبداللہ عرب حضرت امام حسن عسکری کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت فیصل مہدی مدینہ منورہ سے ہندوستان تشریف لے آئے تھے اور یہاں آکر مدراس میں مقیم ہوگئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت حسین مہدی رکن الدین مدراس سے کشمیر آگئے اور پھر یہاں سے ہری پور ہزارہ میں سکونت اختیار کرلی۔ آپ نے 149 سال اور آٹھ ماہ کی طویل عمر پائی جب کی آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت حسن مہدی جلال الدین مدراس میں ہی قیام پذیر رہے۔

حضور قلندر باباولیاء کی دادھیال حضرت حسن مہدی رکن الدین کی اولاد میں، اور ننھیال حضرت حسن مہدی جلال الدین کی اولاد میں سے ہے۔ حضرت حسن مہدی رکن الدین کی اولاد میں سے دو نام بہت قابل تذکرہ ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک مخدوم حسین مہدی جمال الدین ہیں جو کی اللہ دین کی عرفیت سے جانے جاتے ہیں جبکہ دوسرے حسین مہدی بدیع الدین شیر دل ہیں جن کی اولاد میں سے حضور قلندر باباولیاء کے والد محترم تھے۔

جبکہ آپ کی ننھیال حضرت حسن مہدی جلال الدین کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے ننھیال کے خاندان میں کئی صاحب ولایت بزرگ گزرے ہیں۔ مغل شہنشاہوں نے انہیں بہت سی جاگیریں نذر کی ہوئی تھیں۔ انہیں میں سے ایک سعد الدین مہدی تھے جو مغلیہ دور میں فوجی افسر ہوکر دہلی آئے۔ بادشاہ دہلی کی طرف سے انہیں "ابار" نام کا ایک موضع بطور جاگیر دیا گیا۔ مغل شہنشاہ فرخ سیر کے زمانے میں صوبے کے گورنر نواب مالا گرڑھ نے حقوق جاگیر داری ضبط کر لیے اور صرف کاشتکاری کی حیثیت باقی رہ گئی۔[3]

چوں کہ آپ کے ننھیال کا وطن کولار (مدراس) ہے۔ اس لئے آپ کے خاندانی بزرگوں کی رہائش کی نسبت سے یہ شہر "کولار شریف" کہلاتا ہے اور آپ کے ننھیال کے بزرگ **"پیرزادہ کولار شریف"** کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت سید قادر صاحب بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ بعض وجوہات کی بنا پر سید قادر صاحب اپنی آبائی جاگیر وغیرہ میں سے دستبردار ہوکر فوج میں ملازم ہوگئے اور ترقی کرتے کرتے صوبیدار میجر کے عہدے تک پہنچ گئے تھے۔ آپ کے ایک ہی صاحبزادے تھے جن کا نام حضرت سید علی صاحب تھا اور ایک ہی صاحبزادی حضرت سیدانی بی اماں تھیں، جو کہ اپنے وقت کی صاحب ولایت خاتون تھیں۔ ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق خاص و عام ہے۔

حضرت سید علی صاحب کے صاحبزادے حضرت سید حیدر صاحب فوج میں نائک تھے، آپ کا تبادلہ کامٹی ناگپور میں ہوگیا جہاں آپ نے مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کی اولاد میں سے بابا تاج الدین کے دادا جمال الدین تھے آپ کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں جن میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت سید حسن مہدی بدرالدین صاحب تھے۔ بدرالدین مہری ساگر ڈپو میں صوبہ دار تھے۔ ساگر ہندوستان کے صوبے یوپی میں واقع ہے۔

[3] یاسر ذی شان: تعارف حضور قلندر باباولیاء شرح رباعیات، ۲۰۰۵، ص ۲۲

حضرت سید بدرالدین کی شادی حضرت میراں شاہ کی صاحبزادی حضرت مریم بی بی صاحبہ سے ہوئی جن میں سے آپ کے اکلوتے صاحبزادے حضرت سید محمد تاج الدین ہیں، جنہیں دنیا **شہنشاہ ہفت اقلیم، تاج الاولیاء بابا تاج الدین ناگپوری سرکار** کے نام سے جانتی ہے۔ جب کی حضرت سید حیدر صاحب کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید حسن مہدی صدرالدین تھے۔ حضرت صدرالدین کے دو صاحبزادے تھے جن میں حضرت حسن مہدی ظہور دین تولاولد رہے جبکہ

سلسلہ نسب

آپ کا خاندانی سلسلہ

اس طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔

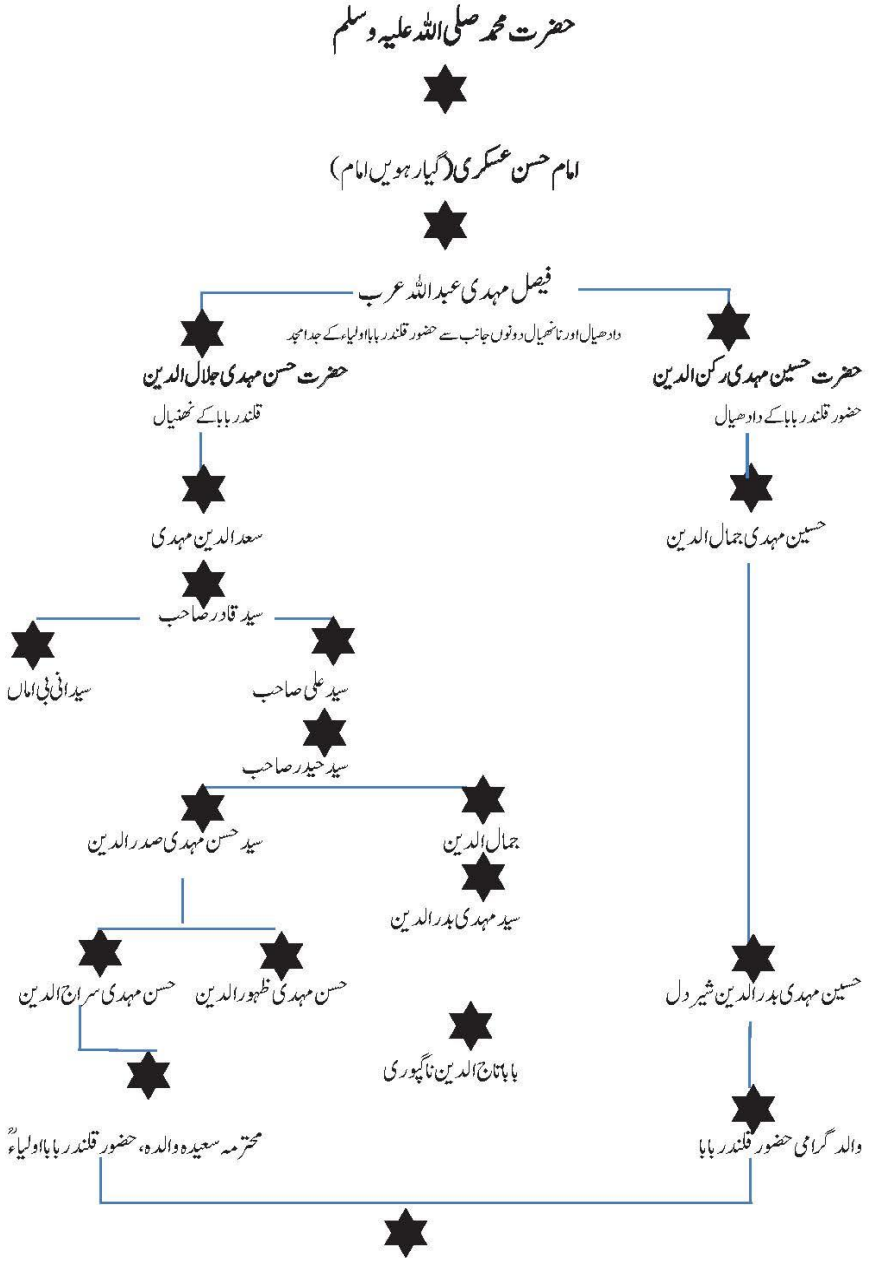

حضرت حسن مہدی سراج الدین کی اولاد میں سے محترمہ سعیدہ تھیں جو کہ حضور قلندر بابا اولیاء کی والدہ گرامی قدر ہیں۔ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری سرکار اگرچہ غیر شادی شدہ تھے لیکن رشتہ میں وہ حضور قلندر بابا اولیاء کے نانا لگتے تھے۔ حضور قلندر بابا اولیاء کے والد محترم حکومت برطانیہ کے تحت دہلی ٹول ٹیکس میں محرر تھے انہوں نے بعد میں تحصیل میں بھی ملازمت کی۔

سید نثار علی بخاری کے مطابق!

"آپ کے جد امجد اللہ دین صاحب شمس آباد ضلع کیمبل پور (اٹک) سے پولیس کی ملازمت کے سلسلہ میں ضلع بلند شہر میں آئے تھے اور ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے یہیں کی سکونت اختیار کرلی۔۔۔ قلندر بابا کے پدر محترم منشی شیر دل صاحب نے ضلع بلند شہر میں ہی تعلیم حاصل کی اور ضلع بلند شہر کی تحصیل خورجہ میں آنریری ااسٹنٹ کلیکٹر کے پیش کار ہوگئے۔[4]

[4] سید نثار علی بخاری، کلام عارف، (مرتبہ پروفیسر الف اے شیخ) کراچی بند ندارد، ص ۱۷۸

ولادت باسعادت

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ جولائی ۱۸۹۸ (قومی شناختی کارڈ کے مطابق ۱۸۹۴) کو قصبہ خورجہ کے محلہ پیرزادگان، ضلع بلند شہر صوبہ یوپی (بھارت) میں حسین مہدی بدیع الدین شیر دل (والد گرامی، پیدائش اٹک چمبل پور شمس آباد محلہ فیروز پور ۱۸۷۰ وفات ۱۹ جنوری ۱۹۶۱، مدفن جونا دھوبی گھاٹ قبرستان، کراچی) اور محترمہ سعیدہ (والدہ محترمہ) کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کی اولاد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نمبر دوسرا تھا۔ اولاد نرینہ میں صرف ایک چھوٹے بھائی جناب شیر احمد خان تھے۔

دادا شاعر تھے نام اللہ دین خان تھا، اٹک کے قریب شمس آباد کے رہنے والے تھے، اس نسبت سے اپنا نام اللہ دین خان شمس آبادی لکھتے تھے۔ اللہ دین خان شمس آبادی نے دو شادیاں کیں، ایک شمس آباد چمبیل پور میں اور دوسری کھودنہ گاؤں داری (دہلی سے ۷۷ کلو میٹر کے فاصلے پر) پہلے بیوی سے حضور قلندر بابا کے والد شیر دل تھے۔ جب کہ دوسری بیوی سے ایک بیٹے رحم دل تھے، قلندر بابا ان سے محبت کرتے تھے، اوران کا ذکر بہت محبت سے کرتے تھے۔ دادا ۱۸۲۲ کے بعد ہندوستان ہجرت کر گئے۔

اگر چہ کسی بھی طرح حضو قلندر باباولیار حمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو دائرہ الفاظ میں قید کرنا ناممکن ہے۔ تاہم رائج علوم میں سے ایک علم "علم نجوم" کی مدد سے آپ کی شخصیت کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے۔

تاریخ پیدائش کے مطابق آپ کا پیدائشی برج علم نجوم میں دائرۃ البروج کے ۱۲۰ سے ۱۵۰ درجات پر مشتمل حصہ، برج اسد (Leo) کہلاتا ہے۔ فطری ترتیب کے لحاظ سے پانچواں برج ہے۔ اسد عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ہیں شیر۔ اس برج کے حامل افراد پُرعزم، اچھے منصوبے بنانے والے، ذہین، ہر طرح کے حالات میں مقابلہ کرنے والے محنتی، سائنس سے دل چسپی لینے والے، حاضر دماغ، سوشل ورکر اور دوسروں کے کام آنے والے ہوتے ہیں۔ اسد افراد پیدائشی لیڈر ہوتے ہیں، دنیا کے بڑے بڑے رہ نما اسی برج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسد کی شخصیت میں بے انتہا اعتماد ہوتا ہے اور مشکل کیسی ہی کیوں نہ ہو یہ لوگ ثابت قدم رہتے ہیں اور مشکلات پر با آسانی قابو پالیتے ہیں۔ نہایت دیانت دار ہوتے ہیں اور جس چیز کو صحیح سمجھتے ہیں اس پر قائم رہتے ہیں کوئی ان کے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکتا۔

اس برج کے تحت ۲۹ جولائی کو پیدا ہونے والے افراد دل کے ہمدرد ہوتے ہیں اور جو ان کی حاکمیت کو تسلیم کرے ان کی حفاظت اپنے ذمے لے لیتے ہیں۔ بے انتہا صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور اپنی فیلڈ میں انتہائی عروج پر پہنچتے ہیں۔ قائدانہ صلاحیتوں سے کام لے کر دوسروں کی رہ نمائی کرتے ہیں۔ زندہ دل اور محفلوں کی جان ہوتے ہیں۔ یہ افراد انسانوں سے محبت کرنے والے، کام یابیوں کو بے حد تسکین بخشنے والے، دوسروں کو سحر زدہ کرنے والے، تخلیقی صلاحیتوں کے مالک بااعتماد، دوستوں پر بھروسہ کرنے والے، کام یابی کے مواقع ضائع نہ کرنے والے۔ خوب محنت، جدوجہد اور لگن سے کام کرنے والے، سچے جذبوں کو پرکھنے والے، مقناطیسی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔

یہ افراد اپنے دوستوں کی مدد کرنے کے لیے آخری حد تک چلے جاتے ہیں۔ برج اسد سے تعلق رکھنے والا بااعتماد اور مضبوط کردار کا مالک ہوتا ہے، وفاداری ان کا سب سے بہترین خاصہ ہے۔ یہ مضبوط قوت ارادی کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ توانائی اور ہمت کا پیکر ہوتے

ہیں اور ارد گرد سے بے نیاز ہو کر اپنے مقاصد کے حصول میں مگن رہتے ہیں۔ وہ پُر عزم، تخلیقی اور پُر امید ہوتے ہیں۔ محض گزارہ کرنا ان کی فطرت میں نہیں ہے۔ وہ ہر کام کو بھرپور انداز سے کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ ان میں قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ تنگ دستی کے عالم میں بھی وہ اپنے دوستوں کی مدد کرنے کے لیے اپنی آخری جمع پونجی بھی لٹا دیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ پُر یقین رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور دے گا، اور انہیں مزید مل بھی جاتا ہے۔ ان کے لیے وسائل کی کمی نہیں ہوتی۔

بچپن

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم محلہ کے مکتب میں حاصل کی۔ کہتے ہیں کہ ہونہار پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں۔ چنانچہ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے انتہائی ذہین، باادب، خلیق اور ملنسار تھے اور اچھے برے کی تمیز رکھتے تھے۔ پڑھتے وقت نہایت توجہ سے پڑھتے اور ساتھیوں کے ساتھ محبت اور سلوک سے پیش آتے تھے۔ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم خورجہ میں حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول تک بلند شہر میں پڑھا اور پھر انٹر (Inter) میں داخلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لیا۔[5]

بچپن کی دوستی کے بارے میں سید نثار علی بخاری کا یہ بیان اہم ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا رجحان بچپن سے ہی ترک دنیا کی طرف نہیں تھا۔

"قصبہ خورجہ میں راقم الحروف (سید نثار علی بخاری) کے ننھیال کے تین مکانات تھے-ان میں سے دو مکانوں میں قلندر بابا اولیاء والد ماجد سکونت پذیر تھے اور ایک مکان میں میرے ماموں زاد بھائی سید عباس علی سبزواری معہ متعلقین رہتے تھے۔۔۔ بچپن میں جب اپنے ماموں زاد بھائیوں کے یہاں خورجہ جایا کرتا تھا تو ان تینوں مکانوں کے چبوترہ پر میں اور قلندر بابا اولیا بابا ساتھ کھیلتے اور باتیں کیا کرتے تھے۔"[6]

- ایک مکان میں اہل خانہ رہتے تھے اور دوسرے کو وہ دفتر کے طور پر استعمال کرتے تھے- مکان کے سامنے مسجد میں بھائی صاحب موصوف قرآن شریف پڑھا کرتے تھے- جب میں خورجہ جاتا تو قیام کے دوران میں بھی ان کے ساتھ مسجد چلا جاتا تھا- ان تینوں مکانات کے آگے ایک چبوترہ تھا- اس پر ہم بیٹھتے بھی تھے اور کبھی کوئی کھیل بھی کھیل لیتے تھے- یہ تقریباً بچھتر برس پہلے کی بات ہے
–

بچپن کی عادات اور اخلاق انسان کی تمام زندگی پر نقش ہو جاتے ہیں۔ ان ہی سے انسان کی شخصیت بنتی ہے۔ اس بارے میں سید نثار علی بخاری بتاتے ہیں کہ:

" قلندر بابا اولیاؒ بچپن سے کوئی غیر مہذب کھیل عام لڑکوں کے ساتھ کھیلنے اور ان سے بے تکلف ہونے سے اجتناب کرتے تھے قلندر بابا فطرتاً ذہین، خوش اخلاق، مہذب اور ملنسار تھے اور اچھے برے کی تمیز رکھتے تھے... اپنے احباب کے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آتے اور حسب استطاعت خاطر مدارات کرنے میں کوئی فروگزاشت نہ کرتے تھے- پڑھنے کے وقت انہماک سے پڑھتے تھے اور کھیل کے وقت لڑکوں کا کھیل دیکھتے رہتے لیکن ان کے ساتھ کھیل میں شریک نہیں ہوتے... اوائل عمر ہی سے آپ کی طبیعت میں سادگی متانت اور ہمدردی تھی .. کسی کی پریشانی اور تکلیف کو محسوس کرتے اس کی دلجوئی کرتے اور حتی المقدور ان کے کام

[5] کتابچہ رحوانی تربیتی ورکشاپ، قلندر شعور فاونڈیشن کراچی، ۲۰۰۱ ص ٦
[6] سید نثار علی بخاری، کلام عارف، (مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی، بند نداد ص: ۱۸۷، ۱۸۸

آتے ... آپ اپنے ہم عمر ساتھیوں سے آپ جناب سے گفتگو کرتے -- یہ تمام اوصاف آپ کی ذات میں بچپن سے قدرت نے ودیعت کئے تھے جن کی وجہ سے آپ کے ہم سن آپ کا ادب واحترام کرتے تھے۔

یوں دیکھا جائے تو بچپن سے ہی قلندر بابا اولیا کی شخصیت ان اعلیٰ ترین خوبیوں کی مجموعہ نظر آتی ہے جس کے نقش آئندہ زندگی پر بھی موجود رہے۔

"خوش اخلاقی، ہمدردی، ملنساری، مدد، آداب گفت گو پر مہارت، تہذیب، ذہانت، سادگی، احترام انسانیت اور پر خلوص دوستی"[7]

---

[7] سید نثار علی بخاری، کلام عارف، (مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی، بند نداد ص:۱۸۸، ۱۸۹

ابتدائی تعلیم

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم محلہ کے مکتب سے حاصل کی۔

بچپن میں قصبہ خورجہ میں گھر کے قریب مسجد مولانا شیر ازی صاحب سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

"بچپن میں جب اپنے ماموں زاد بھائیوں کے یہاں خورجہ جایا کرتا تھا تو ان تینوں مکانوں کے چبوترہ پر میں اور قلندر بابا اولیا ساتھ کھیلتے اور باتیں کیا کرتے تھے۔ اسی چبوترہ کے بالمقابل مسجد ہے... اس کے مکتب میں قلندر بابا قرآن کا درس لیا کرتے تھے.. میں بھی اس زمانہ میں قرآن پاک ہی پڑھتا تھا چنانچہ میں بھی قلندر بابا کے ساتھ مکتب پڑھنے چلا جاتا تھا.. اس کے علاوہ مولانا شیر ازی صاحب سے بھی کچھ عرصہ ابتدائی تعلیم قلندر بابا اور میں نے حاصل کی۔"[8]

۱۹۰۶ میں قصبہ خورجہ کے مکتب میں داخلہ لیا اور میٹرک کے لیے بلند شہر چلے گئے۔[9]

اس دور میں آپ کی تعلیمی قابلیت کے بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

"وقت گزرتا رہا اور ہم دونوں بڑے ہو گئے... قلندر بابا کے والد صاحب تبادلہ پر بلند شہر آ گئے.. پھر تو روزانہ ملاقات ہوتی رہتی.. اس زمانہ میں عمر کے اعتبار سے قلندر بابا ادبی اور اصلاحی موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے اور کلاس میں نہایت ذہین اور ممتاز سمجھے جاتے تھے خاص طور پر علم ریاضی کے فارمولے اختراع کرتے اور امتحانات میں ممتاز پوزیشن حاصل کرتے تھے۔"[10]

۱۹۱۲ میٹرک ہائی اسکول بلند شہر سے کیا اور ۱۹۱۳ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بعد آپ کہیں تعلیم کے لئے نہ گئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آپ باقاعدہ تصوف کی طرف گامزن ہوئے۔[11]

اس ذہانت کے اثرات قلندر بابا اولیاء کی بعد کی زندگی پر نمایاں رہے۔ آپ کو علوم متداولہ (یعنی مروجہ یا زمانہ حاضر کے علوم) پر نمایاں دسترس حاصل تھی۔

اس بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

"قلندر بابا فطرتاً ذہین۔۔خوش خلق۔۔ عمیق النظر۔۔ سلیم الطبع۔۔انسان شناس۔۔ سخن سنج۔۔ادیب۔۔ فلسفی۔۔رفیع التخیل شاعر۔۔ہونے کے ساتھ اس فن لطیفہ کی جملہ اصناف کے ماہر بل کہ استاد کامل ۔۔عروض البیان ۔۔ہندسہ

---

[8] تابچہ روحانی تربیتی ورکشاپ، قلندر شعور فاونڈیشن کراچی، ۲۰۰۱ ص ۶

[9] سید نثار علی بخاری، کلام عارف، (مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی، بند نداد ص: ۱۸۷، ۱۸۸

[10] سید نثار علی بخاری، کلام عارف، (مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی، بند نداد ص: ۱۸۹

[11] یاسر ذی شان: مختصر سوانح حیات، روحانی ڈائجسٹ، جنوری ۲۰۰۰، ص ۲۶۱

۔۔رصد۔۔منطق۔۔صحافت۔۔معقولات۔۔تصوف۔۔واقف دین مبین۔۔رازدار عشق و محبت حامل علم لدنی۔۔اور نہ معلوم کون کوں سے علوم میں دسترس حاصل تھی۔[12]

[12] سید نثار علی بخاری، کلام عارف۔(مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی، سن ندارد، ص ۱۹۲

روحانی تعلیم وتربیت

۱۹۱۳۔۱۹۱۴: علی گڑھ قیام کے دوران دور اندیشی کی طرف میلان بڑھ گیا۔ داخلہ لینے کے بعد آپ یونیورسٹی میں حاضری دینے کی بجائے علی گڑھ کے ایک قبرستان کی مسجد کے حجرہ میں ایک خدا رسیدہ بزرگ المعروف مولانا کابلیؒ رہتے تھے ان کی خدمت میں صبح 9 --10 بجے سے رات کے 9--10 تک رہتے اس کے بعد ترکمان دروازہ منے مرزا صاحب کے مکان اپنی قیام گاہ پر آجاتے -اس بارے میں نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

" ایک مرتبہ میں قلندر بابا سے ملاقات کرنے کے لئے علی گڑھ آپ کی قیام گاہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ مولانا کابلیؒ کے پاس روزانہ چلے جاتے ہیں اس وقت بھی وہیں ملیں گے چنانچہ مرزا صاحب نے ایک لڑکے کو رہنمائی کے لئے میرے ساتھ کر دیا کہ مولانا کابلیؒ کے پاس لے جاؤ...

جب میں مولانا کابلیؒ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا تو قلندر بابا اندر تشریف فرما تھے میری آواز سن کر والہانہ حجرے سے باہر آئے اور بڑے تپاک سے معانقہ کر کے مولانا کابلی کی خدمت میں حجرہ کے اندر لے گئے .. میں مولانا صاحب کے حضور مودبانہ سلام عرض کر کے دوزانو بیٹھ گیا قلندر بابا نے میرا تعارف کرایا تھوڑی دیر کے بعد مولانا صاحب سے اجازت لے کر شہر میں آگئے میں نے مولانا صاحب کی خدمت میں رہنے اور تعلیم سے بے اعتنائی کا سبب قلندر بابا سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ..." بھائی ان اسکول کالجوں کی تعلیم میں کیا رکھا ہے میں تو مولانا صاحب سے کچھ اور ہی علم حاصل کر رہا ہوں آپ بھی دعا کریں کہ اللہ جل شانہ میرے ارادہ میں کامیابی عطا فرمائے" --[13]

قلندر بابا کے والد صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ قلندر بابا کا رجحان تعلیم حاصل کرنے کی بجائے درویشوں کی طرف ہے۔.. آپ کے والد صاحب نہایت نیک طبیعت اور خوش مزاج تھے۔

انہوں نے ایک مشفق باپ کی حیثیت سے فرمایا کہ:

بیٹے اب ماشااللہ خود سمجھدار ہو.. اپنے مستقبل کی بابت خوب سمجھ سکتے ہو جو تم مناسب خیال کرو وہ کرو...

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۶ میں مستقل طور پر بلند شہر واپس آگئے -اور ۱۹۱۶ میں ہی ۱۸ سال کی عمر میں بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جانا شروع کیا۔ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے نانا تاج الدین ناگ پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۹ سال تک دن رات مقیم رہے۔ نو سال کے عرصے کے دوران میں بابا تاج الدین ناگ پوری رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی تربیت فرمائی۔

[13] سید نثار علی بخاری، کلام عارف (مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی سن ندارد ص۔ ۱۹۱۔۱۹۰

بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ ۲۶ محرم ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۷ اگست ۱۹۲۵س دنیا سے پردہ فرمایا۔ وصال کے وقت قلندر بابا کی عمر ستائیس سال تھی۔ وصال سے پہلے انہوں نے سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد یہاں قیام نہ کرنا چناں چہ نانا صاحب کے وصال کے بعد ناگپور آنا جانا ترک کر دیا۔[14]

[14] کتابچہ روحانی تربیتی ورکشاپ، قلندر شعور فاونڈیشن کراچی، ۲۰۰۱، ص ۶

روحانی اساتذہ

سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ۴ جنوری ۱۸۹۵ء بہ مقام موضع کوٹلی لوہاراں شرقی ضلع سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب گیلانی سادات میں سے ہے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا رسول بخش سے حاصل کی۔ جب کہ حضرت ابوالفیض رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی فیض حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوشریف رحمۃ اللہ علیہ، میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اور باباغلام محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ آپ کے مرشد کریم باباغلام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حیات گڑھ، گجرات میں رشد وہدایت اور تزکیہ کی تعلیم سے لوگوں کی خدمت فرمائی۔ باباغلام محمد کا مزار جلال پور سے ڈیڑھ کلومیٹر دور موضع حیات گڑھ میں واقع ہے۔

حضرت ابوالفیض اپنے مرشد کریم کے حکم پر لاہور تشریف لائے اور تمام عمر لاہور میں بندگان خدا کی رہ نمائی فرماتے رہے۔ آپ کا وصال ۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ کو ہوا۔ حضرت ابوالفیض قلندر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہنجروال لاہور میں واقع ہے۔ آپ نے کئی کتابیں تحریر فرمائیں جس میں "جمال الٰہی" "جمال رسول ﷺ اور "الفخر فخری" زیادہ مقبول ہیں۔

۱۹۵۴ میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ قطب ارشاد حضرت ابوالفیض قلندر سہروردی کراچی میں تشریف لائے۔ سید محمد عظیم نے بیعت حاصل کرنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی نے قطب ارشاد کی تعلیمات تین ہفتوں میں پوری کرکے خلافت عطا کردی۔

بیعت کے بارے میں عبدالرؤف عظیمی نے تحریر کیا ہے کہ:

۱۹۵۶ء میں موسم سرما میں قطب ارشاد، حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی صاحب کراچی تشریف لائے۔ خواجہ صاحب نے ان کی آمد کا تذکرہ سید محمد عظیم صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا، ان سے میرا سلام عرض کیجئے گا۔

اس غائبانہ تعارف کے بعد سید محمد عظیم صاحب تک آپ کے توسط سے سہروردی صاحب کی مصروفیات اور علمی نشستوں کی معلومات پہنچتی رہیں۔

اسی دوران ایک روز سید محمد عظیم نے عظیمی صاحب سے فرمایا،

"میرے سینے میں دل کی جگہ چبھن ہوتی ہے۔"

جب عظیمی صاحب نے اس کا تذکرہ سہروردی صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا،

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔"

ایک روز خواجہ صاحب نے سہروردی صاحب کی تحریر کردہ کتاب "جمال الٰہی" سید محمد عظیم صاحب کو مطالعہ کے لئے پیش فرمائی تو انہوں نے ایک نقشہ بنا کر آپ کو بتایا کہ اس نقشہ کی مدد سے اگر کوئی کتاب پڑھی جائے تو پتا چل جاتا ہے کہ مصنف یا مؤلف صاحب حال ہے یا نہیں اور اسی طرح اس کی لاشعوری کیفیات بھی اس کی تحریر میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ عظیمی صاحب نے یہ سارا واقعہ سہروردی صاحب کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔

ایک روز سید محمد عظیم صاحب نے عظیمی صاحب کہا: ان سے پوچھئے گا۔۔۔ کیاوہ مجھے بیعت فرمالیں گے۔"
جب عظیمی صاحب نے بڑے حضرت جی سے سید محمد عظیم صاحب کے لئے عرض کیاتوانہوں نے آپ کو ملاقات کے لئے گرانڈ ہوٹل میں بلایا(سہروردی صاحب ان دنوں گرانڈ ہوٹل۔ میکلوڈ روڈ میں مقیم تھے)۔ جب آپ ملاقات کے لئے ان کے پاس پہنچے توکچھ دیر کے بعد ابوالفیض قلندر علی سہروردی صاحب نے فرمایا" عظیم صاحب کے علاوہ سب تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر ٹھہریں۔"
ہیرے کی پہچان جوہری کو خوب ہوتی ہے۔ مردم شناس، صاحب اسرار حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی نے سید محمد عظیم برخیا کو دیکھا۔ نے آپ نے حضرت حمد عظیم کے قلب کو نور الٰہی اور نور نبوت ﷺ سے منور پایا۔ بیعت کی درخواست کو منظور فرمایا۔ ہوٹل سے واپسی پر سید محمد عظیم نے خواجہ صاحب کو بتایا کہ سہروردی صاحب نے بیعت کے لئے رات تین بجے کا وقت دیا ہے۔ سید محمد عظیم صاحب سخت سردی کے موسم میں، رات دو بجے ہی سے ہوٹل کی سیڑھیوں پر جاکر بیٹھ گئے۔ ٹھیک تین بجے بڑے حضرت جی نے دروازہ کھولا اور اندر بلالیا۔ انہیں اپنے سامنے بٹھاکر، پیشانی پر تین پھونکیں ماریں، پہلی پھونک میں عالم ارواح منکشف ہوگی۔ ادوسری پھونک میں عالم ملکوت وجبروت سامنے آگیا۔ تیسری پھونک میں حضور بابا صاحب نے عرش معلیٰ کا مشاہدہ کیا۔[15]

اسی واقعہ کے بارے میں سید نثار علی بخاری بتاتے ہیں کہ

"ماہ جنوری 1956ء کی کسی تاریخ میں قلندر بابانے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ بھائی یکم مئی 1956ء کو ایک خوش خبری سنیں گے.. میں نے عرض کیا اتنی طویل مدت انتظار کیوں کراتے ہو، ابھی وہ تہنیت سنادیجئے- لیکن آپ نے فرمایا کہ کام ہوجانے کے بعد ہی سنانا اچھا ہوتا ہے.. چنانچہ ماہ مئی 1956ء کے اوائل میں آپ نے مژدہ تہنیت سنایا کہ..."اب میری از سرنو زندگی کا آغاز ہوا ہے.. اس طرح کہ میں رتن تالاب والے مکان میں بیٹھا تھا کہ نانا تاج الدین اور دیگر چند بزرگ تشریف لائے.. ان کی آمد کی تاب بجلی نہ لاسکی.. بلب گل ہوگئے.. .. ان بزرگوں نے فرمایا کہ عرصۂ دراز سے یہ معاملہ زیر بحث تھا کہ تم کو کون سے سلسلہ سے منسلک کیا جائے، الحمدللہ اب یہ بات طے ہوگئی ہے کہ تم کو سلسلہ سہروردیہ میں لے لیا گیا ہے.. یہ خوش خبری سنا کر مبارک باد دی اور ان سب بزرگوں نے میرے حق میں دعا کرکے فرمایا کہ تیرا نصیبہ بڑے حضرت جی ابوالفیض قلندر علی سہروردی قطب ارشاد کے پاس ہے.. وہ اسی سال کراچی میں تشریف لائیں گے ان کے ہاتھ پر بیعت ہونا- میں وقت مقررہ پر گرانڈ ہوٹل واقع میکلوڈ روڈ کراچی بڑے حضرت جی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی.. انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ دم فرمایا.. دم فرمانے سے میرا باطن روشن ہوگیا اور عالم ارواح .. عالم ملکوت و جبروت منکشف ہوگئے حتیٰ کہ تشہید عرش اعلیٰ بھی ہوگئی"۔۔[16]

اس کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی روح پر فتوح نے حضور قلندر بابا اولیاؒ کی روح کو تعلیم دی- سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہ راست علم لدنی عطا فرمایا-[17] تعلیمات کی تکمیل پر حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ اقدس سے "حسن اخری" کا خطاب عطا ہوا۔

---

[15] شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیا مکتبہ تاج الدین بابا کراچی، سن ندارد، ص ۳۰
[16] سید نثار علی بخاری م کلام عارف (مرتبہ
[17] شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیا مکتبہ تاج الدین بابا کراچی، سن ندارد، ص ۳۱

قلندریت کے اعلا مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارض و سماوی اور حاملان عرش میں آپ "قلندر بابا اولیاءؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آج بھی یہی عرفیت زبان زدعام ہے۔

جن روحانی بزرگوں نے آپ کی روحانی تعلیم وتربیت کی اور جن بزرگوں کی ارواح سے نسبت اویسیہ کے تحت نسبت فیضان حاصل ہے ان کے اسمائے گرامی یوں ہیں:[18]

ان بزرگان سے براہ راست تعلیم حاصل کی اور فیض یاب ہوئے۔

مولانا کابلی		براہ راست تعلیم دی
تاج الاولیاء باباتاج الدین ناگپوری سرکار	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت ابوالفضل قلندر علی سہروردی	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضر حسن عظمی سراج الدین بندگی شاہ	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت حسن کبری مہدی ظہورالدین عبدالمقتدر	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت محمد صغری تاج الدین (چراغ الدین)	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت شیخ بہاء الحق الدین زکریاملتانی	خانوادہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی	خانوادہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر	خانوادہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت نجم الدین کبری شیخ کبیر	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت ممشاد دینوری	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت ذوالنون مصری	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت شیخ غوث اعظم عبدالقادر جیلانی	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت شیخ بہاء الحق نقشبندی خواجہ باللہ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت ابوالقاہر	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت بایزید بسطامی	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت امام موسی کاظم رضا	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت عبدالقاسم جنیدی بغدادی	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
باب علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ		بطریق اویسیہ تعلیم دی
سیدلانبیاء سرورکونین حضرت محمد ﷺ		براہ راست تعلیم دی

[18] یاسرزی شان: تعارف حضور قلندر باباولیاء، شرح رباعیات (چراغ الدین) ۲۰۰۵، ص ۲۵

سید الانبیاء سرور کونین حضرت محمد ﷺ وسے آپ نے بہ راہ راست تعلیم حاصل کی۔ پھر حضور ﷺ کی ہمت اور نسبت کے ساتھ ساتھ بارگاہ رب العزت میں پیشی ہوئی اور اسرار و رموز کا علم حاصل ہوا۔ اس عرصے میں حضرت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلسل دس رات اور دس دن شب بیداری کی اور تہجد کے نوافل میں کئی کئی سو مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی۔[19]

جب تعلیم کا یہ سلسلہ حضور نبی کریم ﷺ تک پہنچا تو آپ نے براہ راست علم لدنی عطا فرمایا، اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت و نسبت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں پیشی ہوئی اور خالق کائنات سے اسرار رموز کا علم ہوا۔

علم لدنی کی تعلیم کے دوران اور اس کے بعد بھی حضور بابا صاحب ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ کبھی نہیں سوئے۔ نیند پر ان کو پوری طرح غلبہ اور دسترس حاصل تھی۔ غذا کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ چوبیس گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ دو چپاتی اور کبھی ایک چپاتی تناول فرمایا کرتے۔

[19] کتابچہ روحانی تربیتی ورکشاپ، قلندر شعور فاونڈیشن کراچی، ۲۰۰۱، ص ۱۰

نسبت فیضان

خانگی حیات

کل نفس ذائقۃ الموت کے مصداق تربیت کے اسی زمانے میں سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ محترمہ سعیدہ بی بی چار بیٹیوں اور دو بیٹوں (سید محمد عظیم اور سید شیر احمد) کو چھوڑ کر عالم بقا میں تشریف لے گئیں۔ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ہم شیرہ کے علاوہ سب بچے قلندر بابا اولیاء سے چھوٹے تھے اور ان میں کوئی بھِ سن شعور کو نہیں پہنچا تحا۔ قلندر بابا اولیاء اپنی بہن بھائیوں کی تربیت کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ بہنوں کے نام یہ ہیں:

۱: فطری بیگم زوجہ محمد عبداللہ

۲: قادری بیگم زوجہ خیر الدین

۳: شمشادی بیگم زوجہ ممتاز خان

۴: حیدری بیگم زوجہ مردان خان

۵: ستارہ بیگم زوجہ غلام ربانی قریشی

۶: رضیہ بیگم روجہ اسلام الدین

اسی زمانہ میں بابا تاج الدین ناگ پوری کے ارشاد کے مطابق ان کے ایک عقیدت مند کی صاحب زادی بلقیس بیگم (معروف بہ اماں جی وفات ۵ فروری ۲۰۰۰) سے دہلی میں آپ کی شادی ہو گئی۔[20] یہ رشتہ آپ کی بڑی بہن فطری بیگم کی وساطت سے طے ہوا۔ قلندر بابا اولیاء اس وقت دہلی کے قرین سکندر آباد میں رہتے تھے۔ آپ کا نکاح قاضی معین صاحب نے پڑھایا۔

شادی کے بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

"قلندر بابا کی والدہ ماجدہ صاحبہ کا سایہ عاطفیت سر سے اٹھ گیا انہوں نے پسماندگان میں چھ لڑکیاں اور دو لڑکے چھوڑے۔ بہنوں میں سے صرف ایک بہن جو قلندر بابا سے بڑی ہیں ان کی شادی ہوئی تھی... مابقی چھوٹی بہنیں اور چھوٹے بھائی شیر احمد کی تربیت اور نگہداشت کی ذمہ داری قلندر بابا نے خود سنبھالی... چونکہ بہنوں کی تربیت دیکھ بھال کا مسئلہ اہم تھا۔۔ اس لئے آپ کے والد صاحب نے آپ کی شادی دہلی میں ایک شریف خاندان کی لڑکی کے ساتھ کر دی۔ اس طرح بہنوں کی دیکھ بھال میں آسانی ہو گئی۔"[21]

[20] کتابچہ روحانی تربیتی ورکشاپ، قلندر شعور فاونڈیشن کراچی، ۲۰۰۱ ص ۹

[21] سید نثار علی بخاری، کلام عارف، (مرتبہ پروفیسر عظیمی الیف اے شیخ) کراچی، سن ندارد، ص: ۱۹۱، ۱۹۶

صلبی اولاد

۱۹۲۲-۱۹۲۳ کے عرصہ مین محترمہ بلقیس بی (اماں جی) اور سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شادی ہوئی۔ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ اور محترمہ بلقیس بی کے صاحب زادے اور صاحب زادیاں اپنے والد اور والد کو ابا اور اماں کہہ کر پکارتے تھے۔

صلبی اولاد کے بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

"ایک روز اماں جی نے بتایا کہ ان کے ہان بارہ بچوں کی ولادت ہوئی تھی۔"

بچوں کے اسمائے گرامی سب ذیل ہیں۔

بیٹے:

عباد احمد	ولادت ۱۹۳۱	بچپن میں انتقال ہو گیا
محمد اعظم	ولادت ۱۹۳۳	بچپن میں انتقال ہو گیا
آفتاب احمد	ولادت ۱۹۳۶	ٹریفک حادثہ میں جاں بحق ہوئے۔
شمشاد احمد	ولادت ۱۹۴۵	زوجہ قدیر بیگم
رؤف احمد	ولادت ۱۹۵۳	زوجہ رخسانہ رؤف

بیٹیاں:

عالیہ خاتون		بچپن میں انتقال ہو گیا
کمال خاتون		بچپن میں انتقال ہو گیا
سلیمہ خاتون	ولادت ۱۹۴۳	زوجہ محمد جمیل قریشی
تسلیمہ خاتون	ولادت ۱۰۴۲	زوجہ نعیم احمد
نعیمہ خاتون		بچپن میں انتقال ہو گیا
شمیمہ خاتون		بچپن میں انتقال ہو گیا
کلیمہ خاتون		بچپن میں انتقال ہو گیا

قدرت اپنے منتخب بندوں کی طرح کے امتحانات اور آزمائشوں میں بھی مبتلا کرتی ہے۔ حضرت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے سات بچے اپنی عمروں کے ابتدائی ماہ و سال میں ہی انتقال کر گئے۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یکے بعد دیگرے کم سن اولاد کی متواتر اموات نے حضرت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اہلیہ کو کس درجہ دکھ اور کرب میں مبتلا کیا ہو گا۔ حضرت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ اور محترمہ بلقیس بی کے پانچ بچوں نے جوانی کی دہلیز پار کی۔[22]

قدرت کو اپنے خاص بندہ حضرت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے صبر کا ابھی امتحان لینا تھا۔ ان کے بڑے صاحب زادے آفتاب احمد (ولادت ۱۹۳۷) عین عالم جوانی میں ستائیس برس کی عمر میں ۱۴ اپریل ۱۹۶۴ کو کراچی سے چند میل دور گھارو ضلع ٹھٹھہ میں ایک ٹریفک حادثہ میں شدید زخمی ہو کر ٹھٹھہ کے ایک اسپتال میں جاں بحق ہو گئے۔ آفتاب احمد ابھی غیر شادی شدہ تھے۔

ہونہار جواں سال بیٹے کی حادثاتی موت کے الم ناک سانحہ کو نہایت صبر سے برداشت کیا اور اللہ کی رضا پر راضی رہے۔ بیٹے کی لوح تربت پر "نور بصر" لکھوایا۔ اسی دوران میں ۱۹۵۰ میں دوسری صاحب زادی کی شادی جمیل صاحب سے کی۔

حضرت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے بقید حیات دو صاحب زادوں اور دہ صاحب زادیوں کے نام حسب ذیل ہیں:

آفتاب احمد

شمشاد احمد

رؤف احمد

سلیمہ خاتون

تسلیمہ خاتون

روحانی اولاد میں نوع انسانی اور نوع اجنہ ہیں۔[23]

[22] http:hazoorqalandarbabaauliya.blogspot.com/

[23] یاسر ذی شان: تعارف حضور قلندر باباولیا شرح رباعیات۔ ۲۰۰۵، ص ۲۰

اصلاح سخن

شادی کے بعد حضور بابا صاحبؒ دہلی میں قیام پذیر ہوگئے۔ سلسلہ معاش قائم رکھنے کے لئے مختلف رسائل و جرائد کی صحافت اور شعراء کے دیوانوں کی اصلاح اور ترتیب کا کام اپنے لئے منتخب کیا۔ شب میں شہر کے شعراء، ادباء کی محفلیں جمتیں اور دن کے وقت ان کے پاس صوفی منش لوگ آتے اور تصوف پر سیر حاصل گفتگو اور تبصرے ہوتے۔ آپ کے شاعرانہ ادبی مشوروں سے شعراء مستفید ہوتے اور اہلِ ذوق حضرات آپ کی صحبتِ صالحہ سے مشرف و بامراد ہوتے تھے۔ یوں اسی عرصہ میں سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ علمی کام کا آغاز کیا۔ اس ضمن مین ابھی تحقیق کی ضرورت ہے کہ ان کے تالمذہ اور ہم عصر کون سے لوگ تھے اور کن شعراء کے کلام میں انہوں نے اصلاح سخن کا فریضہ انجام دیا۔

۱۹۳۶ میں آپ نے برطانوی ہندوستانی فوج میں ایک سال ملازمت کی۔ دہلی میں چار مہینے کی ٹریننگ کے بعد ۳۰۰ سپاہیوں کے ہمراہ بمبئی گئے اور وہاں سے پونا گئے۔ ایک مرتبہ جاپان کی جنگ میں جانے کی بات ہوئی تو قلندر باباولیاءؒ نے کہا میرے والد بوڑھے ہیں۔ پہلے میں ان سے جانے کی اجازت لے لوں۔ آپ اپنے والدین کا بہت ادب کرتے تھے۔ ۱۹۳۷ میں ایک مرتبہ آرمی میں ڈیوٹی کے سلسلے میں کولمبو گئے۔ ایک دن اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں ایک گولا آکر گرا۔ اس وقت قلندر باباولیاءؒ نے جو حفاظتی ٹوپی پہنی تھی اس میں آنکھوں کی حفاظت کے لیے جو شیشہ تھا وہ دھماکے کی شدت سے ٹوٹ گیا اور کافی سارا دھواں مٹی سمیت سانس کے ذریعے اندر چلا گیا اور پسلیاں اندر دھنس گئیں۔ بہت تکلیف ہوئی، زخمی بھی ہوگئے، آخر عمر تک ٹانگوں پر ان زخموں کے نشان موجود تھے۔ انہیں ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ تکلیف کے باعث وہ کروٹ نہیں لے سکتے تھے۔ آپ صحت مند ہونے کے بعد واپس اپنی ملازمت پر چلے گئے بعد میں ملازمت چھوڑ دی۔

اس بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

" قلندر بابا نے شادی کے کچھ عرصہ بعد حکومت برطانیہ کی بری فوج میں جونیئر افسر کی حیثیت سے ملازمت کرلی -- ملایا، سنگاپور کی طرف آٹھ مہینے ملازمت کی کہ بم پھٹنے کے حادثہ میں آپ زخمی ہوگئے اور صحت یاب ہونے پر آپ نے ملازمت ترک کر دی- وطن واپس آنے کے بعد آپ اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ ہاپوڑ باغپت ضلع میرٹھ کی تحصیلوں میں رہے اور عارضی طور پر سرکاری آسامیوں پر کام کرتے رہے.. چونکہ یہ کام آپ کی اعلیٰ طبیعت کے منافی تھا اس لئے اس سلسلہ کو بہت جلد ترک کرکے..... دہلی میں قیام پزیر ہوگئے اور دہلی میں معاش کا ذریعہ رسائل و جرائد کی صحافت اور شعراء کے دواوین کی اصلاح و ترتیب کا کام منتخب فرمایا - کبھی رؤسا اور امراء کی پیشکش قبول نہ کی اور نہ ہی خود دولت مند بننے کی خواہش اور کوشش کی-"[24]

اسی دور کے بارے میں سید نثار علی بخاری بتاتے ہیں کہ:

[24] سید نثار علی بخاری، کلام عارف (مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی سن ندارد۔ ص: ۱۹۳، ۱۹۳

"قلندر بابا سال میں ایک مرتبہ دہلی سے بلند شہر تشریف لایا کرتے تھے اور ڈیڑھ دو مہینے غریب خانے پر قیام فرماتے۔ اس دوران میں شہر اور کبھی کبھار بیرون شہر بھی شعراء وادباء کی محفلیں جمتیں اور صبح وشام کے اوقات میں آپ کے پاس صوفی منش لوگ آتے اور تصوف وبزرگان دین اور اولیاء عظام کے مکتوبات وملفوظات پر سیر حاصل گفتگو اور تبصرے ہوتے دوسروں کی باتیں اطمینان سے سنتے اور آپ کی خداداد صلاحیت علم سے شعراء اور ادباء مستفید ہوتے۔۔۔ اور اہل ذوق حضرات آپ کی صحبت صالحہ اور دقیق وپیچیدہ مسائل کی تصریحات سے محظوظ ہوتے اور سکون قلب حاصل کرتے اسی طرح شب و روز سالہا سال تک بہترین فضا وماحول میں گزرے۔[25]

[25] سید نثار علی بخاری، کلام عارف (مرتبہ پروفیسر عظیمی ایف اے شیخ) کراچی سن ندارد۔ ص: ۱۹۳، ۱۹۳

روزگار

تقسیم ہند کے بعد حضور قلندر بابا اولیاءؒ اپنے والد، رفیقہ حیات، بچوں اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں رہائش اختیار کی۔ ابتدائی دنوں میں کراچی میں لی مارکیٹ کے محلے میں ایک نہایت خستہ و بوسیدہ مکان کرائے پر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد خان بہادر عبد الطیف، کمشنر بحالیات مقرر ہوئے جو حضور بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے عقیدت مند تھے، نے آپ سے کہا کہ ایک درخواست لکھ کر دے دیجئے تاکہ آپ کے لئے کوئی اچھا سا مکان الاٹ کر دیا جائے۔ سید محمد عظیم نے اس درخواست پر توجہ نہیں دی۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے عثمان آباد شومارکیٹ کے علاقہ میں رہائش اختیار کی۔ ۶۰ کے آخری برسوں میں کراچی کے علاقے نارتھ ناظم آباد میں حیدری کے مقام پر رہائش پذیر ہوئے اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔

اسی بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

"اور قلندر بابا اولیا لی مارکیٹ کے علاقہ میں اپنے مکان سے ملحق میرے اور میری ہمشیرہ اور بھانجوں کے لئے ایک مکان کرایہ پر لے لیا اور ہم سب بھی وہیں رہنے لگے لیکن یہ علاقہ رہنے کے قابل نہیں تھا چنانچہ میں پیر الٰہی بخش کالونی میں منتقل ہو گیا اور قلندر بابا عثمان آباد میں مکان خرید کر تشریف لے گئے۔"

حضرت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد ذریعہ معاش کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ لارنس روڈ کی فٹ پاتھ پر روزانہ صبح جا کر بیٹھ جاتے اور بجلی کے فیوز وغیرہ لگا کر اپنی زندگی بسر کرتے۔ پھر اردو ڈان میں سب ایڈیٹر کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔

۱۹۴۵ علامہ نیاز فتح پوری کے رسالہ نقاد میں کام شروع کیا۔ اسی دور میں رسالہ میں بیشتر کہانیاں آپ نے لکھیں جو فرضی ناموں سے شایع ہوئیں۔ ایک عرصہ تک رسالہ نقاد میں کام کرتے رہے تھے۔

کچھ رسالوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ کئی مشہور کہانیوں کے سلسلے بھی قلم بند کئے۔ جو دوسروں کے نام سے چھپتی رہیں۔ سلسلہ وار کہانیوں سے متعلق ایک کتاب بھی زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور وہ عوام میں اتنی مقبول ہوئی کہ اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہوئے۔

یہ دور پھر پور ادبی زندگی کا دور تھا۔ اسی دور میں آپ نے شاعری کی کہانیاں اور افسانے لکھے۔

اس بارے میں عبد الرؤف عظیمی لکھتے ہیں کہ:

"آپ کو شعر و شاعری سے خص شغف تھا۔۔ برخیا تخلص فرماتے تھے۔۔۔ مختلف رسائل اور ہفت روزہ میں کہانیاں قلم بند کیں۔۔ شاعرانہ کلام کی اشاعت کے ساتھ غیر معمولی افسانے بھی لکھے اس کے بعد ایک عرصے تک کراچی سے شایع ہونے والے ماہنامہ "نقاد" میں کام کرتے رہے۔ چند رسائل کی ادارت میں معاونت بھی کی۔ نقاد میں ملازمت کے زمانے میں ماہنامہ نقاد میں ایک سلسلہ وار کہانی شیطان کی سوانح عمری کے عنوان سے قسطوں میں چھپنا شروع ہو گئی۔۔ شیطان کی سوانح عمری اور معمے کی بنیاد پر ماہنامہ

نقاد عوام میں بے انتہا مقبول ہوا۔ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب بتاتے ہیں کہ میرا چشم دید ہے کہ ماہنامہ نقاد کے دفتر کے سامنے لوگوں کی بڑی بڑی قطاریں لگی رہتی تھیں۔

اسی دور کے بارے میں سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ:

قلندر بابا نے سیٹھ عثمان بمبئی والا کے کارخانہ میں آرمیچر وغیرہ باندھنے کا کام شروع کر دیا۔ اسی دوران روزنامہ اردو ڈان میں ایک مناسب اسامی پر اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے فائز ہو گئے اور جب اردو ڈان بند ہو گیا تو رسالہ نقاد میں کام کرنے لگے نقاد رسالہ کے دفتر کے قریب رتن تالاب پر طفیل احمد صاحب چغتائی رہتے تھے۔

قلندر بابا تقریباً روزانہ شام کو دفتر سے فارغ ہو کر چغتائی صاحب کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہفتہ کی شام میرے پاس پیر الٰہی بخش کالونی میں تشریف لاتے اور رات کو وہیں قیام فرما کر اتوار کو اپنے گھر تشریف لے جاتے۔

رتن تالاب پر قلندر بابا اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کے بعد علمی گفت گو ہوتی۔ گویا رتن تالاب ایک طرح سے قلندر بابا اولیا کی علمی بیٹھک کی حیثیت رکھتا تھا جہاں اہل علم اپنی پیاس بجھانے آتے تھے۔ نثار علی بخاری نے اس دور کی بعج روحانی کیفیات اور واردات بھی بیان کی ہیں۔ اس دور کی بابت عبدالرؤف عظیمی نے خواجہ شمس الدین عظیمی کی قلندر بابا اولیاء سے دوسری ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے رتن تالاب پر علمی گفت گو کا ذکر کیا ہے۔

عبدالرؤف عظیمی لکھتے ہیں کہ:

"دوسری ملاقات چار سال بعد 1954ء میں ہوئی- عظیمی صاحب کے ایک دوست طفیل احمد چغتائی ملٹری میں لیفٹننٹ تھے، وہ اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے کہ میرے ایک دوست تھے محمدؐ عظیمؒ معلوم نہیں وہ اب کہاں ہیں- بہت تلاش کیا لیکن نہیں مل سکے- ایک دن انہوں نے خواجہ صاحب کو بتایا میرے وہ دوست مل گئے ہیں اور آج کل ماہنامہ نقاد میں کام کرتے ہیں- آپ ان کے ہمراہ جب ماہنامہ نقاد کے دفتر پہنچے تو وہاں شگفتہ، شاداب اور پر سکون چہرہ، مردانہ وجاہت کی مکمل تصویر دیکھ کر چار سال پہلے کی ملاقات ذہن میں گھوم گئی- آپ کو دیکھتے ہی محمدؐ عظیم صاحب نے آپ کو سینے سے لگا لیا پیشانی پر بوسہ دیا اور آنکھوں کو چوما- آپ پہلی مرتبہ وصال کی لذت سے آشنا ہوئے- اس ملاقات کے بعد مستقل ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا- خواجہ صاحب مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد روزانہ شام کو دفتری اوقات کے ختم ہونے سے کچھ منٹ پہلے ماہنامہ نقاد کے دفتر کے سامنے ان کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے- وہاں سے دونوں رتن تالاب صدر جاتے- رتن تالاب صدر کراچی میں علم دوست حضرات جمع ہوتے تھے- روحانیت پر سیر حاصل گفتگو ہوتی اور مغرب کی نماز کے بعد آپ دونوں وہاں سے بس میں بیٹھ کر 1 ڈی 1/7 ناظم آباد آجاتے تھے-

وصال

اوائل ۱۹۷۷ میں بیماری کا آغاز ہوا اور آپ کی صحت خراب ہونا شروع ہو گئی۔ ۱۹۷۸ بیماری نے طول پکڑنا شروع کر دیا۔ علاج معالجہ سے بھی فرق نہ پڑا۔ ۱۹۷۸ بعد از وسط صحت کی شدید کمزوری بیماری کے باعث صحت بہت کمزور ہو گئی حتی کہ زیادہ وقت لیٹے ہی رہتے آخری دنوں میں خرابی صحت کے باعث ہلنے بھی تک ہلنے میں بھی تکلیف پیش آنے لگی۔

وصال سے پیشتر حضور قلندر باباولیاءؒ نے آٹھ ماہ تک چوبیس گھنٹے میں صرف ایک پیالہ دودھ پر گزارا کیا، تین روز پہلے کھانا اور پینا بالکل چھوڑ دیا، ایک ہفتہ پہلے ہی اس بات کا اعلان فرمادیا کہ اب میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کا مہمان ہوں، جس روز انتقال ہوا اس روز اپنے داماد محمد جمیل صاحب سے فرمایا کہ آج تم کہیں نہ جانا میرا کچھ پتہ نہیں، وصال والی رات دس بجے، خانوادہ سلسلہ عظیمیہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیم صاحب کو طلب فرمایا۔

، عظیمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے قبل مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا:

"خواجہ صاحب! مشن کو پھیلانے والے لوگ دیوانے ہوتے ہیں۔"

پھر مجھ سے فرمایا آپ میری بات سمجھ گئے۔

میں نے عرض کیا:

"حضور میں آپ کی منشا اور آپ کی ہدایت کو سامنے رکھ کر سلسلے کی پیش رفت میں ان شاء اللہ دیوانہ وار کام کروں گا۔"

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ خوش ہوئے اور میرے سر پر ہاتھ رکھا، پھر پیشانی پر انگلیوں کے پوروں سے دائرے بناتے رہے، اور پھونک مار کر فرمایا

"اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو"

رات ایک بج کر دس منٹ پر آپ اپنے خالق حقیقی کے حضور مستقل حاضری میں چلے گئے۔

آپ کی زندگی میں اور آپ کی نگرانی میں شروع ہونے والا جنوری ۱۹۷۹ کا روحانی ڈائجسٹ کا تیسرا شمارہ پریس جا چکا تھا کہ حضور قلندر باباولیاء کے وصال کی خبر آگئی ڈائجسٹ وائی ہنگامی طور پر روک دی گئی اور یہ خبر اندرون ٹائٹل شائع ہوئی۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آہ قلندر باباولیاءؒ!

واحسرتاہ کہ آج دنیا وجود سرمدی سے خالی ہو گئی جس کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور میں ان کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہی میرے ذریعہ بولتے ہیں اور میرے ذریعہ چیزیں پکڑتے ہیں۔

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ وصال کی خبر روزنامہ جنگ روزنامہ جسارت اور روزنامہ ملت گجراتی نے نمایاں طور پر شائع کی۔

نماز جنازہ بعد نماز عصر مسجد طیبہ میں مولوی خلیل الرحمن صاحب نے پڑھائی۔ حاتم جیون جی (ARCHITECT) نے محل وقوع کا انتخاب کیا۔ علی اللہ سراج اندر اترے۔ شمشاد خالد قادری و قاری یوسف صاحبان اوپر رہے۔ تلقین کے لیے سرہانے کی جانب خواجہ شمس الدین عظیمی پائے مبارک کی جانب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب تھے۔ جس وقت مٹی دی جارہی تھی اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق عظیمیہ ٹرسٹ فاؤنڈیشن کے شمالی حصہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک ۲۷ جنوری کو منایا جاتا ہے۔

تجہیز و تکفین **۲۷ جنوری ۱۹۷۹ بہ مطابق ۲۷ صفر ۱۳۹۹**

کفن	آب زم زم میں ڈوبا ہوا بڑی پھوپھو جنڈو صاحبہ
تولیا احرام	طاہر بھائی صاحب
سامان غسل	شمشاد احمد صاحب
غسل	بھائی علی اللہ
اندر کی اینٹیں	جمیل صاحب
سلیب	خواجہ شمس الدین عظیمی
سیمنٹ	علی اللہ صاحب
قبر کی لمبائی	سات فٹ اندر کی طرف 8 فٹ صندوق تعویذ
قبر کی چوڑائی	چار فٹ اندر سے

عرس مبارک

حضور قلندر بابا اولیاء کا یوم وصال ۲۷ جنوری بہ مطابق ۲۷ صفر ۱۳۹۹ ہجری ہے۔ شمسی و قمری دونوں تواریخ میں یوم وصال ۲۷ ہی ہے۔ اسی مناسبت سے ہر سال شمسی کیلنڈر کے مطابق ۲۷ جنوری کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ ہر انگریزی مہینے کے ۲۷ تاریخ کو تمام عقیدت مند آپ کے لیے خصوصہ دع بھی کرتے ہیں۔ آپ کے چاہنے والوں میں یہ دن حضور قلندتبابا اولیا کی ستائیسویں کے نام سے منایا جاتا ہے۔ سالانہ عرس کی تقریب کا اہم حصہ ۲۷ جنوری کی شب خانوادہ سلسلہ عظیمہ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا خصوصی خطاب ہوتا ہے جس میں آپ سالکان کو معاشرے کا کارآمد اور موثر حصہ بننے کی طرف راغب کرتے ہیں۔ آپ نے ان خطابات میں متوسلیں و سالکین کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن، چھپا اور کھلا دشمن شیطان ہے۔ عرس سے پہلے ایک روزہ روحانی ورکشاپ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

حضو قلندر بابا ولیاء کا پہلا عرس مبارک

حضور قلندر باباولیاء کے پہلے عرس مبارک کی روحانی کیفیات سے سرشار یہ تحریر ایک عقیدت مند پر گزرنے والی کیفیات کا عکس جمیل ہے۔ یہ تحریر ان سب کے لیے ایک تحفہ ہے جو پہلے عرس مبارک میں شامل نہ ہو سکے۔ ایک عقیدت مند کی یہ تحریر ہمیں ماضی کی آنکھ سے عرس کا منظر دکھانے میں ہمارے اذہان کے پردوں پر متبرک نقش بنائے گی اور ہم حضور باباصاب کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہوں گے۔

آیئے اس تحری کی مدد سے ماضی میں سفر کرتے ہوئے پہلے عرس مبارک میں شرکت کریں۔

کراچی ملک کا سب سے بڑا اور سب سے پُر شکوہ شہر ہے۔ بیشمار خوبیاں ہیں جو اس شہر کو دیگر شہروں سے ممتاز کرتی ہیں اور اہل وطن کی زبان میں اسے "عروس البلاد" کہا جاتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت اس شہر نگاراں کیلئے فضیلت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم و اسرار کے وارث، اللہ کے دوست، بانی طریقۂ عظیمیہ، ابدالِ حق، حامل علم لدنی، حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اسی شہر کو اپنے قیام اور پھر اپنے خاکی جسم کی آخری آرام گاہ کیلئے منتخب کیا۔ جیسے لاہور کا طرۂ افتخار داتاؒ کی نگری ہونا ہے، اسی طرح کراچی کا سرمایہ ناز حضور قلندر اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا شہر ہونا ہے۔

قلندر بابا اولیاء نے ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ کو ظاہر بین نگاہوں سے پردہ فرمالیا تھا۔ چنانچہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلقین، متوسلیں اور عقیدت مند حضرات ن آپ کا پہلا عرس مبارک ۲۷ جنوری ۱۹۸۰ کو نہایت عقیدت و احترام اور پر وقار

سادگی کے ساتھ منایا۔ اس مقدس تقریب میں شرکت کرنے والے ایک عقیدت مند کن کیفیات سے سرشار ہوئے۔ انہیں وہ وقار ئین، روحانی ڈائجسٹ کے لیے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"واللہ! کیا عالم ہے، رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے، تجلیات کی بارش ہو رہی ہے۔ فیوض و برکات کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ سخی حسن سے آگے شہر کے ہنگاموں سے دور قلندر بابا اولیا کی بارگاہ تک لے جانے والے خاموش اور پر سکون راستہ پر آج غیر معمولی چہل پہل ارگہما گہمی نظر آرہی ہے۔ آج بابا رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا عرس منایا جارہا ہے۔ بچے، نوجوان، بوڑھے، عورتیں اور مرد جوق در جوق اپنے مرکز عقیدت و ارادت پر جمع ہو رہے ہیں۔ دل جذ و شوق سے معمور ہیں۔ ہاتھوں میں شگفتہ پھولوں کے ہار ہیں۔ ہونٹوں پر سلام ہے اور آنکھوں میں عقیدت کی قندیلیں روشن ہیں۔ ہر ایک کی آرزو ہے کہ آگے بڑھ کر اپنے بابا رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں جھک جائے ارنذرانہ عقیدت پیش کرے۔"

"مزار مبارک کے دونوں جانب دور تک شامیانے نصب ہیں۔ جن کے سایہ تلے ایک جانب خواتین اور دوسری جانب حضرات درود شریف آیت کریمہ کے ورد اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہیں۔ ادھر مزار شریف کے احاطے میں بے شمار ہاتھ فاتحہ کے لیے بلند ہیں۔ ان اٹھے ہوئے ہاتھوں کے پیچھے ہزاروں آرزوئیں ہیں، تمنائیں ہیں، حسرتیں ہیں، مرادوں سے جھولیاں بھری جارہی ہیں۔ قلندر بابا اولیا کے کا دریائے رحمت جوش پر ہے۔ کبھی دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں سے چھلکتا ہے کبھی حال دل لبوں کی حرکت سے عیاں ہوتا ہے اور دھیمی آوازوں میں صدائیں بلند ہوتی ہیں" بابا رحمۃ اللہ علیہ "ہم آج آپ کے در پر حاضر ہیں۔ آپ خدا شناس ہیں؛ ولی ہیں؛ خدا کے دوست ہیں، آپ دعا کریں کہ ہمارے اوپر بھی اللہ تعالیٰ کی لا محدود رحمتوں کا نزول ہو جائے۔

"چادریں چڑھائی جارہی ہیں، بابا رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں پھول نچھاور کیے جارہے ہیں، منتیں مانی اور مرادیں مانگی جارہی ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ کے اس جلیل القدر دوست کا فیض عام ہے اور برکات لا محدود ہیں۔ کچھ جو عقیدت کے ہاتھوں زیادہ وارفتہ ہیں جھک کر حضور بابا رحمۃ اللہ علیہ کو نذرانہ عقیدت پیش کر رہے ہیں اور اس مقدس مقام کی خاک کے ذرے اپنی پلکوں سے چن رہے ہیں۔ کچھ جو بابا رحمۃ اللہ علیہ کا دامن تھام کر عرفان کی اعلاترین منزلوں تک پہنچنے کے تمنائی ہیں۔ مزار مبارک کے نزدیک باادب دوزانو، آنکھیں بند کیے مراقبہ میں بیٹھے اپنی روحوں کو بابا رحمۃ اللہ علیہ کے انوار سے منور کر رہے ہیں۔"

غرض ہر طبع کا شخص موجود ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہی وہ مقدس بارگاہ ہے جہاں مظلوم کی دادرسی اور ظالم کی پُرسش ہوتی ہے۔ یہاں دوستی کو اخلاص کا گوہر ملتا ہے اور دشمنی کا لبادہ چاک ہو جاتا ہے۔ خستہ حال غنی بنتے ہیں اور دولت کے بوجھ تلے دبے ہوئے دل سکون کی وسعتوں سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اپنے بندے کی دوستی کے طفیل اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتے ہیں، دعائیں مقبول اور ہر حاضری دینے والا پیکر مہر و محبت اور مجسمۂ خلوص و ایثار بن کر لوٹتا ہے۔ یہ وہ پاکیزہ دربار ہے جہاں پہنچ کر تمام منفی جذبات دم توڑ دیتے ہیں اور اذہان رحم و کرم کی بارش میں دُھل کر شفاف ہو جاتے ہیں۔

یہ جذب و شوق م یہ فیوض و برکات، یہ محبت کی وارفتگی کچھ عرس کے دن کے لیے مخصوص نہیں۔

بابا رحمۃ اللہ علیہ کے حضور تو ہر روز ان کی روحانی اولاد اور دیگر عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں۔ یہاں کی ہر صبح، ہر شام اور ہر شب سکون قلب کی پیام بر اور امن و سلامتی کی امین بن کر اتر آتی ہے۔ مسلسل فیوض و برکات روحانی کی بارش ہوتی ہے اور قلوب عرفان حق اور وجدان و یقین کی روشنی سے معمور ہو جاتے ہیں۔

حضو قلندر باباولیاء کا دوسرا عرس مبارک

حضور قلندر باباولیا کے دوسرے عرس مبارک پر حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی یہ نادر تحریر روحانی ڈائجسٹ کی زینت بن چکی ہے۔ عقیدت اور سچی محبت میں ڈوبی یہ تحریر پیش خدمت ہے۔

آواز دوست: جنوری کا مہینہ اپنی تمام تر رعنائیوں، مسرتوں، خوشیوں، رنج والم داغ مفارقت روح کی بیتابی آتا رہا ہے اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

کائنات ایک ایسی حرکت ہے۔ جو ایک لمحہ کو بھی رک جائے تو یہ رنگ رنگ خوشبو فضائے بسیط میں تحلیل ہو جائے گی۔

جنوری کے آخری عشرے میں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نم ناک نہ ہوئی ہو، کوئی دل ایسا نہ تھا جس کی حرکت عارضی طور پر نہ رک گئی ہو۔ آب و گل کی دنیا سکتہ کے عالم میں تھی اور عالم بالا میں ایک جشن کا سماں تھا۔ ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ کی رات جب کہ دن رات کے کنارے ایک دوسرے سے آملنے کے لیے بے قرار تھے، قلندر باباولیاء کو خالق حقیقی نے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

نورانی لوگوں کی باتیں بھی روشن اور منور ہوتی ہیں۔ زندگی میں ان کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب سو سالہ طاعت بے ریا سے افضل ہے اور عالم قدس میں چلے جانے کے بعد ان کی یاد ہزار سالہ طاعتِ بے ریا سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ ایسے مقربِ بارگاہ بندوں کے تذکرے سے آدمی کا انگ انگ اللہ تعالیٰ کی قربت کے تصور سے رنگین ہو جاتا ہے۔

لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کے لیے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے ہیں۔ خالقِ حقیقی سے تعلق قائم کرنا اور آدم زاد کو اس سے متعارف کرانا ان کا مشن ہوتا ہے۔

آیئے! ہم دل دارِ دل نواز کی باتیں کریں.....

اس لئے کہ انسان دوستی کا تقاضہ ہے کہ انسانیت نواز، پاکیزہ کردار، عارف حق حضور قلندر باباولیاءؒ کی آواز کی لہریں زیر نظر کتاب "تذکرہ قلندر باباولیاءؒ" کے صفحات پر بکھیر دی جائیں، اس طرح کہ ایک مرقعہ تصویر سامنے آجائے۔

فرمایا قلندر باباولیاءؒ نے:

"نوع انسان میں مرد عورتیں بچے بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناطے خالق کائنات کے تخلیقی راز و نیاز ہیں۔ آپس میں بھائی بہن ہیں' نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو۔ جس کے اندر اللہ کی صفات کا عکس نمایاں ہو' جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے' کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔"

نیکی کی تبلیغ کرنے والا خود نیک ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح بدکردار آدمی دل کا خود برا ہوتا ہے تب اس سے بدی یا دوسروں کی بربادی کے کام رونما ہوتے ہیں۔ غصہ کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہو کر اپنی انرجی (Energy) ضائع کر دیتے ہیں یعنی اس کے اندر قوت حیات ضائع ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے لئے کسی قسم کے بھی نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جو لوگ غصے پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے"

شمع پہلے خود جلتی ہے اور جب وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ آگ کی نظر کر کے خود کو فنا کر دیتی ہے تو شمع کے اس ایثار پر پروانے جاں نثار ہو جاتے ہیں۔

جو خود عارف نہیں ہے وہ کسی کو عارف کیسے بنا سکتا ہے۔ جو خود قلاش اور مفلوج الحال ہے وہ کسی کو کیا خیرات دے گا! یہ کیسا المناک اور خوفناک عمل ہے کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں جبکہ آدم و حوا کے رشتے کے پیش نظر ہم خود اپنی جڑ کاٹتے ہیں۔ درخت ایک ہے، شاخیں اور پتے لاتعداد ہیں۔ اگر کوئی شاخ خود اپنے درخت کی جڑ پر ضرب لگائے تو یہ کیسی نادانی کی بات ہے کہ وہ خود کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔ خوشی ہمارے لئے معراج تمنا ہے تو ہم اپنے ہم جنسوں کو تکلیف پہنچا کر کیسے خوش رہ سکتے ہیں۔

ہر انسان دوسرے انسان سے ہم رشتہ ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان سے اس لئے متعارف ہے کہ اس کے اندر زندگی بننے والی لہریں ایک دوسرے میں ردوبدل ہو رہی ہیں۔ پر مسرت محفل میں جہاں سینکڑوں ہزاروں افراد آلام سے بے نیاز خوشیوں کے لطیف جذبات سے سرشار ہیں، وہاں ایک فرد کی المناکی ساری محفل کو مغموم کر دیتی ہے۔۔۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ پوری نوع کے افراد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہیں۔ ایک کڑی کمزور ہو جائے تو زنجیر میں جب تک دوسری کڑی ہم رشتہ نہ ہو جائے زنجیر نہیں کہلائے گی۔

قرآن کا ارشاد ہے": متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اتحاد و یگانگت ماضی کو پر وقار، حال کو مسرور اور مستقبل کو روشن اور تابناک بناتی ہے۔ مصور ایک تصویر بناتا ہے۔ پہلے وہ خود اس تصویر کے نقش و نگار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مصور اگر خود اپنی بنائی ہوئی تصویر سے مطمئن نہ ہو تو دوسرے کیوں کر متاثر ہونگے۔ نہ

صرف یہ کہ دوسرے لوگ متاثر نہیں ہوں گے بلکہ تصویر کے خدوخال مذاق کا ہدف بن جائیں گے اور اس طرح خود مصور بے چینی، اضطراب و اضمحلال کے عالم میں چلا جائے گا۔ ایسے کام کریں کہ آپ خود مطمئن ہوں، آپ کا ضمیر مردہ نہ ہو جائے۔ اور یہی وہ راز ہے جس کے ذریعے آپ کی ذات دوسروں کے لئے راہ نمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ کاروبار حیات میں پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے۔ نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں، آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ بے شک اللہ قادر مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے۔ حالات پر اس کی گرفت ہے۔ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے حالات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔

تمہیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقف معاف کر دو اس لئے کہ انتقام بجائے خود ایک صعوبت ہے۔ انتقام کا جذبہ اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔ تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا اس لئے کہ جھکنے میں عظمت پوشیدہ ہے۔

قرآن پاک کی روشنی میں آدمی نا قابل تذکرہ شے تھا۔ اس کے اندر اللہ نے اپنی رُوح پھونک دی پس وہ دیکھتا، سنتا اور محسوس کرتا انسان بن گیا۔"

روح کیا ہے؟ روح امر رب ہے۔ امر رب یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو" اور وہ ہو جاتی ہے۔

جس فرد کے دل میں شک جاگزیں ہو، وہ عارف کبھی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ آدم زاد کو اپنی رُوح سے دور کر دیتا ہے۔ روحانی قدروں سے دوری آدمی کے اوپر علم و آگاہی اور عرفان کے دروازے بند کر دیتی ہے ۔

اللہ والوں کے اوپر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ ان کے فیوض و برکات کی روشن اور منور چادر ایک عالم پر سایہ فگن رہتی ہے۔

اللہ والوں کے اوپر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ ان کے فیوض و برکات کی روشن اور منور چادر ایک عالم پر سایہ فگن رہتی ہے۔ ۲۷ جنوری ۱۹۸۱ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبلہ و کعبہ کے عرس مبارک کا دن ہے۔ تمام ارادت مند، معتقدین اور متوسلین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس پر شکوہ اور سعید موقع پر دامے، درمے، قدمے، سخنے شریک ہو کر رسول خدا کے وارث اسمائے الٰہیہ کے رموز کے عارف ابدال حق، حضرت قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان کرم سے مستفیض ہوں۔

حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا تیسرا عرس مبارک

اللہ والوں کے اوپر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ ان کے فیوض و برکات کی روشن اور منور چادر ایک عالم پر سایہ فگن رہتی ہے۔ ۲۷ جنوری ۱۹۸۱ء حضور باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ قبلہ و کعبہ کے عرس مبارک کا دن ہے۔ تمام ارادت مند معتقدین اور متوسلین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس پُر شکوہ اور سعید موقع پر دامے درمے، قدمے شریک ہو کر رسولِ خدا کے وارث اسمائے الٰہیہ کے رموز کے عارف ابدالِ حق حضرت قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کے فیضان کرم سے مُستفید ہوں۔[۴۴]

حضور قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کا تیسرا عرس مبارک:

۲۷ جنوری ۱۹۸۲ بروز بدھ شادمان ٹاؤن کراچی میں ابدالِ حق، امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کے تیسرے عرس مبارک کی تقریب سعید منعقد ہوئی۔ تیسرے عرس مبارک پر ابو ابراہیم اسد طارق کی یہ تحریر روحانی ڈائجسٹ کی زینت بن چکی ہے۔ یس تحریر میں انہوں نے جہاں عرس مبارک کے دوران خود پر گزرنے والی کیفیات بیان کی ہیں وہیں یہ تحریر ہمیں ماضی کی آنکھ سے عرس کا منظر دکھانے میں ہمارے اذہان کے پردوں پر متبرک نقش بنائے گی اور ہم حضور باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے بہرہ ہوں گے۔ آیئے یس تحریر کی مدد سے ماضی میں سفر کرتے ہوئے عرس مبارک میں شرکت کریں۔ ان کی ڈائری سے متعلقہ منتخب پہلی تحریر پیشِ خدمت ہے۔

"۲۶ جنوری ۱۹۸۲ء: اس لئے بڑی خواہش ہے کہ اس عرس میں شرکت کروں۔ پتہ نہیں کہ عرس کے موقع پر کیا کیا ہوتا ہو گا۔ بہر حال دیکھنا چاہیئے اور پھر وہاں باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مند بھی آئیں گے۔ ان سے بھی باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے معلومات ہوں گی۔ میں تو باباجی رحمتہ اللہ علیہ کو روحانی ڈائجسٹ کے حوالے سے جانتا ہوں کہ وہ اس رسالے کے بانی تھے، سرپرست تھے، سرپرست ہیں۔ ان کی تصنیف "لوح و قلم" کائناتی حقائق، روحانیت اور علم و آگہی کے موضوعات پر دنیائے تصوف کا نادر ترین شاہکار ہے۔ اس میں سچائی اور ہمہ گیری اتنی ہے کہ میں جو روحانیت کی الف، ب سے بھی آگاہ نہیں "لوح و قلم" میں ایک پراسرار دلچسپی محسوس کرتا ہوں۔ پراسرار اس لئے کہ میں اس تحریر کو بار بار پڑھ کر بھی نہیں سمجھ پاتا مگر میرے اندر کا انسان اسے یوں قبول کرتا ہے جیسے وہ اسے سمجھتا بھی اور اس کے ایک ایک لفظ کو سمیٹتا بھی ہے۔ شاید یہ کہنا مناسب ہو گا کہ میرا شعور اس مضمون میں استعمال کیے گئے الفاظ کے معانی کی حدود سے آگے نہیں جا سکتا۔ چناں چہ تشنہ کام رہ جاتا ہے لیکن میرا لاشعور الفاظ کے نہ صرف معانی سمجھتا ہے بلکہ مفہوم سے بھی متاثر ہوتا ہے اور سرشار بھی۔ "لوح و قلم" کے مضامین کے موضوعات ہیں اور وہ اس لئے نہ سرف قابل فہم ہوتے ہیں بلکہ قابلِ قبول بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال اتنا کچھ لکھ کر بھی میں سمجھتا ہوں کہ "لوح و قلم" کے متعلق اظہار نہیں کر سکا کیوں کہ اظہار کے لئے "شعور" اور "لاشعور" کی جو اصطلاحات استعمال کر رہا ہوں، وہ بھی لفظی اور معنوی حدود کی پابند ہیں۔ اور پابندی، اظہار کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

بہر حال "لوح و قلم" باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے عرفان و آگہی کی سب سے بڑی اہم سند ہے۔ اسی "لوح و قلم" نے مجھے باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی جانب متوجہ کیا ہے۔ ایک پُلطف بات یہ ہے کہ محمد عظیم برخیار حمتہ اللہ علیہ کی رباعیات سے میں شروع ہی سے متاثر تھا، کیوں

کہ ان میں بھی انسان، دوسری مخلوقات، کائنات کے حقائق اور ہمہ گیری ملتی ہے۔ مگر پھر پتہ چلا کہ یہ محمد عظیم برخیاصاحب ہی قلندر باباولیارحمتہ اللہ علیہ ہیں تو ان رباعیات کے معنوں میں اور بھی وسعتیں محسوس ہونے لگیں۔ بس اسی طرح باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی ہمہ گیر شخصیت میرے لئے توجہ اور دل چسپی اور پھر عقیدتوں کا مرکز بنتی چلی گئی۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ یہ درخشاں سورج برسوں میرے شہر میں دمکتا رہا اور میں اس سے بے خبر، بے واسطہ رہا۔ شاید یہی احساسِ محرومی ہے کہ جو مجھے اس عرس میں شرکت کے لئے اکسارہا ہے۔ میں نے باباجی کو دیکھا تو نہیں ہے مگر اس عرس کے بہانے میں ان کے حضور حاضری تو دے سکتا ہوں۔ مجھے اس عرس میں جانا چاہیئے دوپہر روحانی ڈائجسٹ والوں نے جو کارد بھیجا ہے، اس کا جملہ مجھے عرس مبارک میں شرکت کے لئے اکسارہا ہے کہ:

"نورانی لوگوں کی باتیں بھی نورانی ہوتی ہیں۔

ان کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب سو سالا اطاعت بے ریا سے افضل ہے۔"

میں ضرور جاؤں گا اور بزرگوار خداداد خاں صاحب کو ساتھ لے جاؤں گا کیوں کہ وہ بابا تاج الدین رحمتہ اللہ کے معاملے میں بہت خوش عقیدہ ہیں۔ شام کو پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری بھی بتارہے تھے کہ عرس کے سلسلے میں انہیں بھی کارڈ موصول ہوا ہے۔ صوفیائے کرام پر ڈاکٹر صاحب کی معلومات سند کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا بھی ارادہ ہے کہ عرس مبارک میں شرکت کریں۔

مجھے روحانی ڈائجسٹ والوں کی طرف سے جو کارڈ موصول ہوا ہے اس کے مطابق عرس مبارک کے پروگرام یہ ہیں۔

بعد نماز:	ختم درود شریف اور آیتِ کریمہ
بعد نماز عصر:	قرآن خوانی
اور پھر بعد نماز مغرب:	فاتحہ اور تقسیم لنگر

اس کارڈ کے مضمون میں باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک رباعی بھی شامل ہے

جس میں باباجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دنیا کی زندگی کے یہ چند روز غنیمت ہیں، نہیں معلوم کب ختم ہو جائیں، اس لئے ان ہی دنوں میں کچھ حاسل کر لینا چاہیئے نہیں معلوم آج کا دن کل نصیب ہو یا نہ ہو۔"

مجھے ایسا لگتا ہے کہ کچھ کر لینے کی تاکید باباجی رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ کو ہی کی ہے، کیا وہ میرے جذبات و کیفیات سے آگاہ ہیں؟ شعور اور لاشعور کے پل صراط پر چلتے ہوئے ایسے محسوسات کہ معانی کی تعبیر پہنانا کتنا مشکل کام ہے۔ بہر حال باباجی رحمتہ اللہ علیہ مجھے بلا رہے ہیں، میں ضرور حاضر ہوں گا۔ ان شاء اللہ

۲۷ جنوری ۸۲ء صبح چار بجے: بزرگوار خداداد خان صاحب نے بھی اشتیاق کا اظہار کیا ہے۔ وہ بھی میرے ہم راہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس میں جائیں گے۔ وہ بتارہے تھے کہ عرس سے متعلق پوسٹر تو کئی دنوں پہلے پورے شہر میں جابجا لگے ہوئے ہیں۔ پہلا پوسٹر انہوں نے کراچی کینٹ اسٹیشن پر ۲۴ جنوری کو پڑھا۔ مگر انہیں پتہ نہیں تھا کہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ ناگ پور والے باب تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا تو انہیں بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ وہ اپنے ایک دوست کہ بھی ہم راہ لے جائیں گے۔ انہیں میں نہیں جانتا۔

سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس وقت مجھے باباجی رحمتہ اللہ علیہ سے گہری قلبی وابستگی کا احساس ہو رہا ہے۔ یہ وابستگی اتنے غیر محسوس طریقے سے ہو گئی ہے کہ آج سے پہلے مجھے کبھی اس کا اندازہ بھی نہ تھا۔ عجیب سی سرخوشی میرے وجود میں سماتی جا رہی ہے۔ باباجی مجھے بہت اچھے اور بہت اپنے محسوس ہو رہے ہیں۔ میں اپنے ان آحساسات کی بالکل توجیہ نہیں کر سکتا۔ ماین جا رہا ہوں۔ خانقاہ عظیمیہ، بارگاہِ قلندریہ کو جا رہا ہوں۔

۲۷ جنوری ۸۲ء[گیارہ بجے شب]: اس دن کے گیارہ بجے تھے جب میں برکاتِ حیدری سے آگے سخی حسن کے بعد شادمان ٹاؤن پہنچا۔ اکیلا تھا جگہ بھی میرے لئے نئی تھی مگر شادمان ٹاؤن کے اسٹاپ پر ہی ایک بڑا گیٹ بنا ہوا تھا۔ کاغذ کی رنگ برنگی جھنڈیوں اور تروتازہ سابز شاخوں سے سجے اس گیٹ پر لگے ہوئے بینر پر "عرس مبارک" لکھا تھا۔ گویا یہ دربار عالیہ کو جانے والے راستے کا نشان تھا اور نشان مجھے مل گیا تھا۔ اس بڑے سے گیٹ سے گزرتا ہوا میں ستھری اور کشادہ روڈ پر آگے بڑھ گیا۔ دونوں اطراف میں کھبوں سے کاغذ کی رنگ برنگی جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں جن کے ساتھ رنگ برنگے چھوٹے چھوٹے بلب بھی تھے جو شاید شام کو روشن ہونے تھے۔ روڈ پر اور بھی لوگ تھے جو تیز تیز قدم اٹھائے آگے چلے جاتے تھے۔ اپنی سرشاری میں مگن رکشے اور کاریں بھی پاس سے گزر رہی تھیں جن میں بچے، بوڑھے، عورتیں سب عجیب سی سرخوشی کے ساتھ دربار عظیمیہ کی طرف رواں تھے۔ روڈ آگے جا کر سیدھے ہاتھ کو مڑی تو یہاں کی رونق قابلِ دید تھی۔ دور تک شامیانے لگے ہوئے، ایک طرف کاروں اور اسکوٹروں کی پارکنگ، سامنے ہی بڑا سا گیٹ۔

اس گیٹ سے گزر کر جیسے ہی میں اگے بڑھا، شامیانوں میں گھرا باباجی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک نظر آگیا۔ محبت اور عقیدت کی مٹھاس سی رگوں میں اترنے لگی۔ مزار مابرک بھی خوب سجا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں سے خوشبوئیں پھوٹ رہی ہوں۔ عجیب سا سحر میرے حواس پر طاری ہوتا جا رہا تھا۔ یہ تمام کیفیات میرے لیے انجانی تھیں۔ میرے احساسات سے عقیدتوں کے سوتے پھوٹنے لگے تھے مگر مجھے پتہ نہ تھا کہ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیئے۔ کہ ایک دم سے کوئی میرے سامنے سے گزر گیا اور میں چونک پڑا۔ وہ ایک پٹھان نوجوان تھا جو ایک بھاری سی فرشی دری اٹھائے ساتھ والے شامیانے کی طرف جا رہا تھا اور میں مزار مبارک کے عین دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ میں کس طرح یہاں تک پہنچ گیا تھا مجھے پتہ نہ تھا۔ میرے ارد گرد بے شمار لوگ چل پھر رہے تھے۔ کچھ لوگ آستانے مین مزار مبارک کے پاس بیٹھے نظر آرہے تھے۔ مگر میں نے ہمت نہیں پائی کہ اندر جا سکوں۔ شاید اس لئے کہ میں ایسے آداب سے آگاہ نہیں تھا لیکن قربت کی تمنا نے مجھے راہ دکھائی اور میں مزار مبارک کے دائیں جانب جالیوں سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بے اختیار میری زبان فاتحہ پڑھنے لگی۔ مجھ پر عجیب سی رقت طاری ہو گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ میں تقریباً آدھ گھنٹے تک ان ہی کیفیات میں وہاں کھڑا رہا۔ ماحول سے بے خبر۔ پھر جب میں چونکا تو یہ کیفیت تھی کہ ایک ناقابل فہم طمانیت اور بے نام سی سرخوشی میرے مزاج میں شامل ہو چکی تھی۔ میں خود کو بے حد پر سکون محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ سکون ایسا ہی تھا جو اس وقت حاسل ہوتا ہے جب کسی گھرانے کا کوئی بڑا کسی چھوٹے کے سر پر ہاتھ رکھ دے یا فرطِ شفقت سے اس کی پیٹھ تھپتھپا دے۔

میں اب ماحول کی طرف متوجہ ہوا۔ مزار مبارک کے دائیں طرف جو شامیانے اور قناتیں لگی تھیں ان میں مرد حضرات اجا رہے تھے۔ قریب گیا تو اندر دریاں بچھائی جا رہی تھیں اور ان پر سفید چادریں۔ جہاں دریاں بچھ چکی تھیں یہاں سب طرح کے لوگ تھے۔ ان ہی شامینوں کے پیچھے گاڑیوں کی پارکنگ کا انتظام تھا۔

مزار شریف کی بائیں جانب بھی شامیانے اور قناطیں لگی تھیں۔ وہاں بھی دور ہی سے وہی دریوں اور چادروں والا انتظام نظر آرہا تھا۔ ان شامیانوں میں خواتین کی امد رفت دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ حصہ خواتین کے لئے مخصوص ہے۔ ان شامیانوں سے ذراہٹ کر پانی کا حوض ہے یا یوں کہیے کہ ٹینکی ہے جس میں نلکے لگے ہیں۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید پینے کا پانی کا انتظام ہو مگر ہر نلکے کے ساتھ وہ مخصوص چھوٹی نشستیں بنی دیکھیں جو مسجدوں میں وضو کرنے والوں کے لئے ہوتی ہیں۔ چناں چہ آس پاس مسجد موجود ہونے کا خیال ایا اور یہ خیال بھی درست ثابت ہوا۔ کیوں کہ ٹینکی سے ذرا آگے ایک بہت بڑا چبوترہ دیکھا جو قبلہ رخ تھا۔

میں مردانہ شامیانوں کے پاس کھڑا تھا کہ اپنے پیچھے شامیانے کے سرے پر چند نوجوانوں کو دیکھا کہ ایک بڑی سی میز اٹھائے لاتے ہیں۔ پھر میز کے ساتھ ہی چند کرسیاں لگادی گئیں۔ لڑکوں کی لگن کے ساتھ اس مشغولیت نے تجس پیدا کر دیا تھا۔ اب دو صاحبان نے وہ بنڈل کھولے جو وہ اپنے ساتھ لا رہے تھے اور کچھ کتابیں نکال کر میز پر رکھنے لگے۔ ذراسی دیر میں اس میز نے اسٹال کی شکل اختیار کر لی۔ میں بھی وہیں جا کھڑا ہوا۔ یہ دراسل روحانی ڈائجسٹ کا اسٹال تھا۔ دو لڑکے ضیاء اور زبیر اس اسٹال کے زمہ دار لگتے تھے۔ دونوں لڑکوں نے پھرتی کے ساتھ روحانی ڈائجسٹ کے پرانے شمارے میز پر سجا دیئے تھے۔ میں نے رسماً دو شمارے اٹھا کر دیکھے، وہ سب میرے پڑھے ہوئے تھے۔ البتہ ورق گردانی کرتے رباعیات کے صفحے پر میں رُک گیا۔ باباجی رحمتہ اللہ علیہ گویا تھے:

مٹی میں ہے دفن آدمی مٹی کا
پتلا ہے وہ ایک پیالہ بھری مٹی کا
میخوار پیئں گے جس پیالے میں عظیم
وہ پیالہ بنے گا کل اسی مٹی کا

یہ رباعی اپنے معنوں میں باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی حیثیت کا اظہار کر رہی تھی کہ آج وہ واقعی ایسا ساغر ہیں جس سے پینے والے شراب معرفت پی رہے ہیں اور اس ماحول میں تو پورا ماحول ہی اس رباعی کی تشریح نظر آرہا ہے۔ بہر حال۔ روحانی ڈائجسٹ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کے روحانی مشن کا سب سے اہم واسطہ ہے۔

اسٹال اور شامیانوں کے اگے گیٹ کے ساتھ دربار کے احاطے کے اندر چند کمرے بنے ہوئے نظر آئے۔ اس طرف گیا تو پتہ چلا کہ بیرونِ شہر سے ائے ہوئے زائرین کے ٹھہرنے کا انتظام ہے۔ وہاں موجود زائرین میں عورتیں، مرد اور بچے سب شامل تھے۔ ان کمروں سے اگے ایک شامیانہ لگا تھا جس کے پاس ہی پانی کی ٹینکیاں بھی رکھی تھیں۔ ان سے آگے جو شامیانے لگے تھے وہاں کچھ پک رہا تھا۔ دو قطاروں مین دیگیں چڑھی ہوئی تھین۔ اس طرف گیا تو پتہ چلا کہ لنگر کا سلسلہ ہے۔ کچھ لوگ دیگون مین گھوٹا لگا رہے تھے اور قریب گیا تو پتہ چلا کہ حلیم ہے۔ لنگر عظیمیہ مین حلیم، سبحان اللہ۔ اس سے زیادہ سبحان اللہ یہ کہ پینٹ، شرٹ پہنے اور سر پر اونی ٹوپی اوڑھے ایک چھوٹے قد کا پڑھا لکھا نوجوان بھی دکھائی دیا جو نہ جانے کد دھن میں مگن گھوٹا لگانے میں مصروف تھا۔ دھوئیں سے آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں مگر وہ نہایت اطمینان کے ساتھ بڑی دل جمعی سے اپنے کام میں مصروف تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے

کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ بزرگوار خداداخاں صاحب تھے۔ ان سے اور ان کے دوست سید بابا سے علیک سلیک ہی ہو رہی تھی کہ اذان ظہر سنائی دی۔

نماز ظہر کی جماعت اسی چبوترے پر ہوئی۔ خاصے لوگ تھے۔ نماز کے بعد تمام لوگوں کے ساتھ ہم بھی مردانہ شامیانے میں چلے ائے۔ درود شریف اور آیت کریمہ کا ورد شروع ہوا۔ لوگ آنے لگے اور محفل میں شامل ہوتے گئے۔ نہایت روح پرور منظر تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سب ایک ہوں رنگ رنگ کے، بھانت بھانت کے ہر عمر کے لوگ تھے مگر سب ایک تھے۔ سایہ عظیمیہ میں سب ایک تھے۔ خلوص اور یگانگت کے ساتھ ایک تھے۔ 2/31 بجے کے قریب جب میں شامیانے سے باہر آیا تو دیکھا باہر بھی باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں اور زائرین کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔ شامیانوں میں بھی دوپہر کی نسبت زیادہ افراد تھے۔ خصوصاً خواتین کا ایک ہجوم تھا جو شامیانے سے اُبلا پڑ رہا تھا۔ آستانہ چاروں طرف سے خواتین سے گھرا ہوا تھا۔ ممکن ہے اندر مزار مبارک کے پاس بھی خواتین ہوں۔ زبانیں خاموش تھیں مگر ذہن مرکز عقیدت پر مرکوز تھے۔

یہ سوچتا ہوا میں پانی پینے کی نیت سے شامیانے کے پاس ٹینکی کی طرف گیا تہ وہاں کچھ صاحبان کرسیوں پر بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ ان میں وہ اُونی ٹوپی والا نوجوان بھی تھا۔ گفتگو کا موضوع لنگر تھا۔ پتہ چلا کہ لنگر کے حلیم کی گھوٹائی میں باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مند حصہ لیتے ہیں۔ لوگ اتے جاتے ہیں اور خدمت اور شوق کے طور پر جب چاہیں گھوٹائی کرتے رہتے ہیں۔ پھر دوسروں کو موقع دیا جاتا ہے اور باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی محبت اور شفقت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے لنگر والے شامیانوں کی طرف نظر ڈالی تو واقعی ایسا تھا۔ گھوٹا لگانے والوں میں نوجوان بھی تھے، ادھیڑ عمر بھی اپنے اپنے شوق، اپنی اپنی محبت، اپنے اپنے زور کے مطابق گھوٹا لگا رہے تھے۔ ایک ہٹتا تو دوسرا لگ جاتا۔ عقیدت اور شوق کے اس مظاہرے نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اتنے میں میری نظر ایک فوٹو گرافر پر پڑی جو لنگر والے شامیانے میں فوٹو گرافی کرتا پھر رہا تھا۔ شکل وصورت سے پنجابی لگتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ جب سے میں دربار ایا ہوں میں نے زیادہ تر نوجوانوں ہی کو دیکھا ہے۔ جو نہایت تندہی اور عقیدت کے ساتھ انتظامات میں مصروف ہیں۔ ان میں ملک بھر سے ہر صوبے کے نوجوان شامل ہیں۔ نوجوان نسل کی باباجی رحمتہ اللہ علیہ سے اس درجہ عقیدت قابلِ ذکر ہے۔ کون کہتا ہے کہ نوجوان نسل گمراہ ہے جو نسل اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنا چاہتی ہے، جو نسل روحانیت کے حصول کے لئے سرگرداں ہے۔ وہ گمراہ کیسے کہلا سکتی ہے۔ بہر حال یہ عالمگیر مسئلہ ہے مگر سوچنے والوں کو منفی سمتوں کے ساتھ ساتھ اس نسل کی مثبت خصوصیات کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیئے۔

میں ان ہی خیالات میں گُم تھا کہ پینٹ شرٹ میں ملبوس، نظر کی عینک لگائے، چھریرے بدن، دبی رنگت والا کلین شیوڈ ایک نوجوان ان بیٹھے ہوئے صاحبان کی طرف آیا۔ اُونی ٹوپی والے نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے صاحب سے ان کا تعارف کرایا تو میں چونک گیا۔ آنے والا نوجوان باباجی رحمتہ اللہ علیہ کا صاحب زادہ تھا۔ جن صاحب سے ان کا تعارف کرایا گیا تھا وہ روحانی ڈائجسٹ کے منیجر تھے۔ ان دونوں کی رسمی سی گفتگو سے پتہ چلا کہ صاحب زادے انجینئرنگ میں ڈپلومہ ہیں اور شپ یارڈ میں ملازم ہیں۔ اتنے میں اذان عصر ہو گئی اور لوگ اس طرف متوجہ ہونے لگے۔

نماز عصر میں نمازیوں کی تعداد ظہر سے بہت زیادہ تھی۔ نماز کے بعد لوگ مزار مبارک کی طرف بڑھے اور پھر تو عجیب سماں بندھ گیا۔ چادریں چڑھائی جا رہی ہیں، پھولوں کے ہار ڈالے جا رہے ہیں، ہر شخص مزار مبارک کے قریب ہونے کو بے تاب ہے۔

باہر جالیوں کے ارد گرد بھی عقیدت مندوں کا جم گھٹا ہے۔ دل جزب و شوق سے معمور ہیں، لبوں پر سلام اور آنکھوں میں عقیدتوں کے انسو ہیں۔ ذہن رحم و کرم کی بارش میں دھل کر شفاف ہو رہے ہیں اور عقیدتیں چہروں پر دمکنے لگی ہیں۔ رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے ۔ تجلیات کی بارش ہو رہی ہے۔ فیوض و برکات سے مالامال کیا جا رہا ہے۔ دھونڈنے والوں کو روشنی مل رہی ہے۔ جالیوں سے لگی خواتین کا بھی یہی حال ہے اور پھر بے شمار ہاتھ فاتحہ کے لئے بلند ہو گئے۔

محبتوں اور عقیدتوں نے رب العالمین کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے، سینکروں ہاتھ دینے والے کے آگے پھیل گئے اور پھر شکر، خوشی، طمانیت اور جذب کے حوالے گزر گئے، دل کھینچنے لگے، ذہن بدلنے لگے، چہرے دمکنے لگے، لب ہلنے لگے، رحمتیں نازل ہونے لگیں، آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہونے لگیں، حسرتیں مٹنے لگیں، مرادوں سے جھولیاں بھرنے لگیں، دکھ سمٹنے لگے، سکھ بکھرنے لگے۔ دل خوشیوں سے بھر گئے۔ اللہ کیا شان ہے۔ دربار عطیمیہ کی!۔۔ کیا مقام ہے ابدال حق کا! کیا مرتبہ ہے اللہ کے دوست اور نبی ﷺ کے وارث کا!

پھر نماز مغرب تک قران خوانی ہوتی رہی۔ شامیانوں مین جگہ نہیں تھی۔ باہر کرسیوں پر بھی لوگ بیٹھے تھے۔ کچھ مزار مبارک کو گھیرے کھڑے تھے کچھ چل پھر رہے تھے۔ ویسے جو احاطہ دربار میں داخل ہوتا تھا، سب سے پہلے سیدھا مزار مبارک کی طرف جاتا تھا۔ لوٹتا تھا تو عجیب سی سرخوشی عجیب سی طمانیت لیے۔

نماز مغرب کی اذان کے ساتھ ہی بتیاں روشن کر دی گیئں۔ رنگ برنگی روشنیاں، ماحول اتنا خوبسورت ہو گیا کہ بیان سے باہر۔ مزاج میں عجیب سے ملاھت اور وارفتگی پیدا ہو گئی تھی۔ نماز مغرب میں نمازیوں کی تعداد زیادہ تھی بڑا پُر رونق اور روح پرور منظر تھا۔

نماز کے بعد لوگ فاتحہ کے لیے شامیانوں میں اگئے۔ مگر ان شامیانوں میں جگہ کہاں تھی، باہر تک لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ میں بہ مشکل جگہ بناتا ہوا اندر پہنچا تو دیکھا کہ لوگ ایک صاحب کو گھیرے کھڑے ہیں۔ ہر ایک ان کے قریب ہونے کو بے تاب ہے۔ ایک ایک فرد آگے بڑھتا ہے، مصافحہ کرتا ہے، معانقہ کرتا ہے۔ وہ حضرت بڑی شفقت کے ساتھ محبت کے ساتھ ایک ایک سے ہاتھ ملاتے ہیں، گلے لگاتے ہیں، سیاہ ٹوپی، سیاہ شیروانی، سفید پاجامہ، مختصر سی ریش، عینک لگائے عمر کوئی پچاس پچپن سال، نہایت باوقار اور پاکیزہ صورت۔ وہ سب کی توجہ کا مرکز تھے۔ مجھے یاد ایا کہ ان ہی حضرت نے تمام نمازوں میں امامت بھی کی تھی۔ ان کو میں نے انتظامی کاموں میں لوگوں کو ہدایت دیتے بھی دیکھا تھا۔ میں نے ایک صاحب سے ان کا معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جناب خواجہ شمس الدین عطیمی ہیں۔ رواں رواں کھل اٹھا۔ فرط شوق میں میں بھی آگے بڑھا مگر عقیدت مندوں کا ایک ہجوم تھا کہ چاروں طرف سے انہیں گھیرے کھڑا تھا۔ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب روحانی ڈائجسٹ کے مدیر اعلا ہیں اور روحانی ڈائجسٹ باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے روحانی مشن کا اہم ترین واسطہ ہے۔

میں بھی عطیمی صاحب سے شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھا اور ادھر اُدھر گھستا ہوا ان کے دائیں طرف پہنچا۔ وہاں ایک نوجوان جو بڑا خوش الحان تھا بلند آواز میں حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کی منقبت سنا رہا تھا۔ عجب سماں تھا۔ وہیں پروفیسر ایوب قادری صاحب بھی کھڑے دکھائی دیئے۔ نہ جانے وہ کب تشریف لائے تھے۔ علیک سلیک ہوئی۔ وہ بھی ماحول سے

خاصے متاثر دکھائی دیتے تھے۔ اتنے میں عظیمی صاحب اسی طرح لوگوں میں گھرے گھرے باہر کی طرف چلے گئے اور حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ سوچا کہ چلو ذرا رش کم ہو جائے تو عظیمی صاحب کو سلام کر لیں گے۔

اسی ماحول میں ایک حضرت اور نظر آئے جن سے لوگ نیاز حاصل کر رہے تھے۔ پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ محسن صاحب ہیں۔ دربار عظیمیہ کے سجادہ نشین۔ سرو قد شخصیت، چہرے پر استغراق ہویدا، انداز میں خلوص کی چاشنی، کتابی چہرہ، غزالی انکھیں جو سرور و مستی میں دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ حسنِ اخلاق کے اس پیکر سے مصافحہ کیا تو باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے فیض کی لہریں اپنے اندر منتقل ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں، جسم ایک سرور کیف سے بادلوں کی طرح ہلکا محسوس ہونے لگا۔

جناب محسن کے پہلو مین داڑھی اور سر کے بالوں سے بے نیاز ایک صاحب براجمان تھے۔ ان کے گیروے رنگ کے تہبند اور کھدر کے کُرتے سے وقیری کا عکس جھلک رہا تھا لیکن وضع داری اور لباس کے رکھ رکھاؤ سے صاف نظر آرہا تھا کہ فقیرانہ بھیس میں یہ مرد آزاد اپنے پیچھے امارت اور شان و شوکت کی زندگی چھوڑ کر آیا ہے۔ عینک کے دبیز اور موٹے شیشے اور ان کے اوپر فراخ پیشانی پر سلوٹیں اس مردِ آزاد کے اندر دریائے غور و فکر کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ نمود و نمائش کی ہر چیز سے بے نیاز۔ بندہ علم و آگہی کے میدان کا شہسوار لگ رہا تھا۔ رعب اور دبدبے کا علام یہ تھا کہ ان سے مصافحہ کی سعادت بھی حاصل نہ کر سکا۔ بہر حال ایک صاحب سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ یہ جناب ڈاکٹر عبد القادر قلندری ہیں۔ سہیون شریف سے تشریف لائے ہیں۔ حضرت لعل شہباز قلندر کے منظورِ نظر اور باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی اولاد ہیں۔

کچھ دیر بعد پروفیسر قادری کے ساتھ میں باہر آیا تو گہما گہمی اور بڑھ چکی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے نور کی بارش ہو رہی ہو اور ہر فرد نکھرا نکھرا اور خوش خوش ہو۔ رنگ برنگی روشنیوں نے بھی رونقیں بڑھادی تھیں۔ مزار مبارک تو بوعہ نور بنا ہوا تھا۔ بزرگوار خان صاحب اور سید پاپا کو ایک طرف کھڑا پایا۔ تو ہم ان کی طرف بڑھے اور پھر جگہ بناتے ہوئے کرسیوں پر جا بیٹھے۔ بات سے بات نکلی اور پھر موضوع بن گئی۔ باباجی رحمتہ اللہ علیہ، تاج الدین باباناگ پوری رحمتہ اللہ علیہ اور پھر حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ جس میں آس پاس بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ اسی دوران کسی نے آکر بتایا کہ لنگر شروع ہو چکا ہے۔ شامیانے کی طرف چلیں، مگر محفل اپنے موضوع اور ماحول کے لحاظ سے اتنی قیمتی تھی کہ کوئی بھی نہ اٹھا۔ ویسے بھی شامیانے کے دروازے پر اتنا ہجوم ہو گیا تھا کہ ہمارے لئے یہی مناسب تھا کہ تھوڑا انتظار کریں۔

اتفاقاً میری نظر مزار مبارک کی جانب اٹھی اور موقع دیکھ کر میں "ابھی حاضر ہوا" کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ بزرگوار خان صاحب نے بھی شاید میرا ارادہ بھانپ لیا تھا لہذا وہ بھی میرے ساتھ اٹھے۔ دراصل اس وقت مزار مبارک کے پاس ہجوم نسبتاً کم تھا اور حاضری کے لیے موقع مل سکتا تھا۔ دربار عظیمیہ میں داخل ہوئے تو اندر مزار مبارک کے پاس پہلے ہی سے عقیدت مند بیٹھے تھے۔ کوئی فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ کوئی باادب دوزانو بیٹھا تھا اور آنکھیں بند کیے اپنی روح کو بابا رحمتہ اللہ علیہ کے انوار سے منور کا رہا تھا۔ کوئی سر جھکائے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ کوئی منتیں مرادیں مانگ رہا تھا۔ کوئی باباجی رحمتہ اللہ علیہ کا دامن تھام کر عرفان کی اعلاترین منزلوں تک پہنچنے کی تمنا میں مراقبے میں بیٹھا تھا، کوئی پھول نچھاور کر رہا تھا، کوئی آنکھوں میں آنسو لیے مزار مبارک پر نظریں جمائے زہنی طور پر نہ جانے کن کیفیات میں مبتلا تھا۔ کچھ اُٹھے ہوئے ہاتھوں کے پیچھے آرزوئیں، تمنائیں، حسرتیں مچل رہی تھیں۔ کچھ وارفتگان مزار مبارک کی چادریں چھو کر اپنے ہاتھ چوم رہے تھے، آنکھوں سے لگا رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے فیوض و برکات کی روحانی بارش

ہو رہی ہو اور دل عرفانِ حق اور وجدان ویقین کی روشنی سے معمور ہو رہے ہوں۔ جن کی مرادیں بر آئی تھیں انہوں نے مزار مبارک پر چادریں چڑھائی تھیں۔ جھلمل کرتی طرح طرح کے رنگوں کی خوب صورت چادریں جن پر کلمات بھی لکھے تھے، دوپہر کی نسبت زیادہ ناظر آرہی تھی۔ ہم دونوں ہی مزار مبارک کے ایک پہلو میں جگہ بنا کر بیٹھ گئے۔ مجھے ایسا لگا جیسے خوشبوؤں نے اپنی گود میں لے لیا ہو۔ آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ ذہن میں روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی میں اپنائیت اور شفقت کی مٹھاس تھی۔ مجھے اپنا وجود ہلکا محسوس ہونے لگا۔ میرے حواس جیسے میرا ساتھ چھوڑنے لگے۔ میں بلند و بالا فضاؤں میں پرواز کر رہا تھا اور روشنیوں کے بڑے بڑے دائروں سے گزرتا چلا جارہا تھا کہ نہ جانے کہاں۔ نہ جانے کتنی دیر بعد مجھے اپنے وجود کا احساس ہوا ایسا لگ رہا تھا جیسے میری زندگی میں کوئی دکھ باقی نہ رہا ہو۔ عجیب سا ہلکا پن تھا۔ آسان تھی۔ آزادی تھی۔ میں اپنے آپ کو بہت خوش پا رہا تھا۔ ایک بے خود مسرت سے میرا دل بھر گیا تھا۔ پھر مجھ پر جیسے رقت طاری ہو گئی۔ رفتہ رفتہ میرے حواس بحال ہونے لگے ایسا لگنے لگا جیسے مجھے کوئی مضبوط سہارا مل گیا ہو۔ دل کو بڑی تقویت مل رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے یہ احساس دلایا ہو کہ جن مین سب مسائل اور دکھ سمجھتا ہوں یہ سب صرف تبدیلیاں ہیں۔ حالات کی تبدیلیاں، واقعات کی تبدیلیاں مجھے ان کا کوئی تردد نہ کرنا چاہیئے۔ میں تو انسان ہوں۔ رب کائنات سے بہت قریب ہوں۔ وہ مجھے عزیز رکھتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے رب کی رضا پر راضی رہنا چاہیئے۔ وہ خود ہی سارے مسئلے حل کر دے گا۔

باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی لوح و قلم کے مضامین میرے ذہن میں چکرانے لگے۔ یک دم میں نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ بس روشنی ہی روشنی حدِ نظر تک پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ پھر جیسے باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی شبیہ میری نظروں کے آگے جھلملانے لگی تھی مگر بہت واضح نہیں تھی۔ باباجی رحمتہ اللہ علیہ کو صاف صاف دیکھنے کی کوشش میں میرا شعور جاگنے لگا۔ میرے ذہن میں سوال آیا کہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ اب کیسے ہیں؟ یہ دیکھوں، مگر اس شعوری کوشش نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میری نظریں باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر پڑی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے میرے ذہن نے باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ رباعی اس طرح دہرائی جیسے باباجی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا ہو کہ

جس پردے میں دیکھتا ہوں پردا ہے الگ — جس نقش میں دیکھتا ہوں نقشا ہے الگ
ہر ذرہ میں جمشید فریدوں ہیں ہزار — سبحان اللہ کہ میری دنیا ہے الگ

ساتھ ہی مجھے جسم میں عجیب سی کپکپاہٹ محسوس ہوئی اور باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے احترام کا احساس ہوا۔ بزرگوار خاں صاحب بھی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ نہ جانے کہاں کھوئے ہوئے تھے۔ بہر حال، مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے صدیوں کی تھکن تھی جو اتر گئی تھی۔ طبیعت پر کوئی بوجھ نہ تھا۔ عجیب سی طاقت میرے خیالات، میرے ارادوں اور میرے وجود میں بھر گئی تھی۔ باباجی رحمتہ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدتوں کا احساس جاگ گیا تھا۔ میں نے چادر مبارک چوم لیا کہ اس سے زیادہ میرے بس میں اور کیا تھا۔ اتنے میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا۔ میں چونکا۔ سامنے ایک فوٹو گرافر مزار مبارک کی تصویر اتار رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہم باہر نکلے تو باہر میلے جیسا سماں تھا۔ اس میلے میں ہر عمر ہر قوم کا فرد تھا۔ غریب بھی تھے۔ امیر بھی۔ پڑھے لکھے بھی تھے کاروباری بھی، دفتری لوگ بھی تھے، افسران بھی طلبا بھی تھے۔ مدرسین بھی، مگر سب ایک ہی گھرانے کے فرد لگ رہے تھے۔ سب کے جذبات و احساسات ایک جیسے تھے۔ باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے پرچم تلے سب ایک تھے۔ ساڑھے نو بج رہے تھے۔ مگر

گہما گہمی ویسی ہی تھی۔ رونقیں وہی تھیں۔ جاتے جاتے ہم نے باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار پر ایک بار پھر حاضری دی۔ گاڑی جب تک شادمان ٹاؤن کے اسٹاپ کی طرف بڑھتی رہی۔ رنگ برنگی روشنیاں اور انے جانے والوں کی چہل پہل اور رونقیں رہیں۔ جب بڑا گیٹ بھی گزر گیا تو ایسا لگا جیسے ہم کسی اور دنیا میں داخل ہو گئے ہیں۔ ایک ایسی دنیا جس میں بڑی کثافتیں ہیں۔ مگر باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی لطافتوں والی دنیا اب ہماری روحوں میں اتر چکی تھی اور ہم اب بھی وہ لطافتیں اپنے اندر محسوس کر رہے تھے۔"[۴۵]

پیغامِ یوم وصال

ہر سال ۲۷ جنوری کو حضور قلندر باباولیاء کا یوم وصال ہوتا ہے۔ اس دن ایک اہم حصہ قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کا پیغام بھی ہوتا ہے۔ جو دنیا بھر میں ان کے عقیدت مندوں کے لیے تحریری شکل میں روحانی ڈائجسٹ میں شایع ہوتا ہے۔ جنوری ۱۹۷۹ تا جنوری ۱۹۹۱ تک کے پیغام یک جا شکل میں روحانی ڈائجسٹ کی زینت بن چکے ہیں۔ محبت اور عقیدت کی سچی خوشبو سے مہکتے یہ لفظ اور دلوں کے تار چھیڑنے والی یہ سچی تحریریں پیش خدمت ہیں۔

جنوری ۱۹۷۹

آہ قلندر باباولیاء: واحسرتا! کہ آج دنیا اس وجودِ سرمدی سے خالی ہوگئی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور میں اُن کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ میرے ذریعہ سنتے ہیں، میرے ذریعہ بولتے ہیں اور میرے ذریعہ چیزیں پکڑتے ہیں۔"

جگر خون ہوگیا، آنکھیں پانی بن گئیں اور دل پاش پاش ہوگیا، دماغ ماؤف ہوگئے۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نمناک نہ ہوئی ہو، کوئی دل ایسا نہ تھا جو بے قراری کے عمیق سمندر میں ڈوب نہ گیا ہو۔ ایسا لگتا تھا کہ لوگوں کے جمِ غفیر پر سکتہ طاری ہوگیا۔

ایسی برگزیدہ ہستی نے پردہ فرمالیا جس کی نماز جنازہ میں انسانوں کے علاوہ فرشتے صف بستہ تھے، حضور سرورِ کائناتؐ، عاشق رسول حضرت اویس قرنیؓ، اولیاء اللہ کے سرتاج حضرت غوث الاعظمؒ کی ارواح طیبہ اپنے سعید فرزند کی نماز جنازہ میں پہلی صف میں تشریف فرما تھیں۔ حد نظر تک اولیا اللہ کی ارواح کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔
مشیت ایزدی ایسی حقیقت ہے جس کے بارے میں بجز صبر و شکر کے کوئی چارہ نہیں۔ "اللہ کی سنت میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے" قرآن پاک میں ارشاد ہے۔۔۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ پیش نظر شمارہ میں، عقیدتمند حضرات حضور قلندر باباولیاؒ کی یہ رباعی پڑھیں گے۔

اک جرعہ مئے ناب سے کیا پائے گا — اتنی سی کمی ہے فرق کیا آئے گا
ساقی مجھے اب مفت پلا کیا معلوم — یہ سانس جو آگیا ہے پھر آئے گا

جنوری ۱۹۸۰ء

دنیا کی محبت انسان کو بزدل بنا دیتی ہے۔ وہ موت جیسی حقیقی زندگی سے خوف زدہ رہتا ہے۔ نفس پرستی پراگندگی، فتنہ انگیزی اور ظلم ستم عام ہو جاتا ہے۔ دوسری قومیں طرح طرح کی سازشوں کے جال بچھا کر اور مال وزر کی لالچ میں مبتلا ہو کر کم ہمت قوموں کو ختم کر دیتی ہیں۔ دنیا سے محبت اور موت سے خوف کرنا چھوڑ دیجئے۔ یہ عمل سکون راحت اور اطمینان قلب کا باعث بنے گا اور دوزخ آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکے گی۔

جنوری ۱۹۸۱

آؤ یارو!

دلدار کی باتیں کریں۔

فرمایا قلندر باباولیاءؒ نے کہ:

ہر فرد کو چاہئے کہ کاروبار حیات میں پوری پوری کوشش کرے اور نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے۔ اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں آدمی اس طرح زندگی گزارتا ہے۔ ہمیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلاتوقف معاف کر دو۔ اس لئے کہ انتقام اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔ تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو اس سے قطع نظر کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا۔ جھکنے میں عظمت پوشیدہ ہے۔

جنوری ۱۹۸۲

اک آن ہے میخانہ کی عمر اے ساقی
اک آن کے بعد کیا رہے گا ساقی
اک آن میں ہو کہکشاں خاکستر
اک آن کا فائدہ اٹھا لے ساقی

۲۷ جنوری ۱۹۸۳

قلندر علم الٰہی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ حق کی عکاسی کرتا ہے۔ انوار محمدی کے طفیل وہ خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ بن جاتا ہے توحیدی سکون اور حق آگہی کے کیف میں زندگی گزارتا ہے۔ قلندر کا یہ شیوہ ہے کہ وہ حسن حقیقت کو تحریر میں دیکھتا ہے مخلوق کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں قلندر بہ حسن وخوبی نہ دیکھتا ہو۔ مستی و خود آگاہی قلندر کی ایک شان ہوتی ہے، وہ اپنے وجود سے گم ذات حق میں ضم ہوتا ہے۔ قلندر شہید خفی ہو کر جیتے جی مر کر۔۔۔ اپنے اندر سبحانیت کا نظارہ کرتا ہے۔ وہ دمادم مست قلندر کے دائمی کیف

سے سرشار ہوتا ہے۔ اس کی ذات کی انا پس پردہ ہو جاتی ہے اور حق کو حقانیت میں دیکھتا ہے۔ قلندر چوں کہ زہد و تقوی کی جھول اتار کر آفتاب رحمت کی شعاعوں کو جذب کر لیتا ہے۔ اس لیے ہوش اور بے ہوشی اس کے لیے بے معنی سی بات ہو جاتی ہے۔ حضور قلندر باباولیاے رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کون سمجھے اور کیسے سمجھے۔۔ وہ تکوین کے اس بلند مقام پر فائز ہین۔ جہاں عقل و شعور گنگ ہیں۔۔۔۔

حضور کے رشتے میں منسلک من عرف نفسہٗ فقد عرفہ ربہٗ کے بھید کا راز دان ہوتا ہے۔ اس کے وجودی کثافتوں کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور وہ حق کو حقانیت میں دیکھتا ہے۔

آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند — آدم ہے اسی قید کے اندر خورسند
واضح رہے جس دم یہ لکیریں ٹوٹیں — روکے گی نہ اک دم اسے مٹّی کی کمند

☆☆☆☆☆☆☆

اس بات پر سب غور کریں گے شاید — آہیں بھی وہ دو چار بھریں گے شاید
ہے ایک ہی بات اس میں پانی ہو کہ مئے — ہم ٹوٹ کے ساغر ہی بنیں گے شاید

☆☆☆☆☆☆☆

ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر — پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ — پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر

۲۷ جنوری ۱۹۸۵

سرو قد، لالہ رخسار، غزال چشم، غنچہ دہن، کتابی چہرہ، صراحی گردن؛ بال چاندی کے تار؛ حضرت مائی قلندرؒ تشریف لائیں۔ قدم اٹھاتو جھماکا کہ ہوا۔ پلک جھپکی تو قوس و قزح کے رنگ بکھر گئے، حضرت مائی قلندر نے روحوں کی آنکھوں سے دیکھا۔۔ بولیں۔۔۔ مجھے دیکھنے کے بعد بھی تجھے کچھ دیکھنے کی تمنا تھی۔۔ دیکھ تیری تمنا پوری ہوئی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔۔۔ آپ کوں ہیں؟

بولیں۔۔۔۔

میرے دو وجود ہیں ایک وجود پر ہر لحہ موت وارد رہتی ہے جس لمحے موت وارد ہوتی ہے اس لحہ ایک اور وجود تشکیل پاجاتا ہے۔ میرا یہ وجود لحہ بہ لحہ موت اور لحہ بہ لحہ حیات ہے، میرا دوسرا وجود وہ ہے جس پر لمحات، گھنٹے، دن اور ماہ و سال اثر انداز نہیں ہوتے، نہ تو وہ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ مرتا ہے۔

حضرت مائی قلندر صاحبہ کے نرم اور جھاگ جیسے ملائم خوب صورت ہاتھوں کو میں نے چوما، آنکھوں سے چھوا اور بے قرار دل کے ساتھ عرض کیا۔۔۔ کوئی نصیحت کریں۔۔۔! حضرت مائی قلندر نے آسمان کو دیکھا پلکوں کا ارتعاش رک گیا تجلی سے مخمور چہرے کو میں تکتا رہا ایک آواز۔۔ گونجی۔

اے بیٹا۔۔۔! انگشت شہادت کھلی۔ ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوا اور زبان سے الفاظ نکلے

بیٹا۔۔۔! رب راضی سب راضی

۲۷ جنوری ۱۹۸۶

اللہ اکبر۔۔۔۔۔ رحمتوں کی بھرن پڑ رہی ہے ہر طرف نور ہی نور ہے ایک محفل سجی ہوئی ہے۔ اللہ کے مقبول بندے اور فرشتے جمع ہیں واقف اسرار نہاں دانائے رموز لامکانی۔ حامل علم لدنی۔ ابدال حق حضور قلندر باب اولیاء رحمۃ اللہ علیہ زریں پوشاک پہنے۔ دولہا بنے ہوئے بہ انداز دلیری مسند عروس پر جلوہ افروز ہیں۔

۲۷ جنوری ۱۹۸۷

مراقبہ ایک ایسا عمل کا نام نہیں ہے بل کہ مراقبہ مختلف علوم کے حصول کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ سالک اگر اسم رحیم کا مراقبہ کرے یعنی وہ ذہنی یک سوئی کے ساتھ اس بات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمی کا ایک جزو ہے تو اس کے اوپر تخلیقی علوم منکشف ہو جاتے ہیں۔

۲۷ جنوری ۱۹۸۸

حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ۱۹۸۱ کا پورا مضمون دوبارہ شایع کیا گیا ہے۔

۲۷ جنوری ۱۹۸۹

حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیا المعروف حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔۔۔ اب کہ اس مفارقت کو دو سال گزر گئے ہیں۔ وصال کی تاریخ کی مناسبت سے نظریہ حیات و ممات کو سمجھنے کے لیے قلندر باباولیاء کی طرز فکر اس طرح عیاں ہوتی ہے:

شب بیداری کے دوران قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی نگاہ متحرک ہوئی تو انہوں نے سامنے پڑی ہوئی مٹی کو دیکھا۔ مٹی کے ذرات سے گفت گو کی۔۔۔ مٹی نے انہیں بتایا۔ ماضی میں میرے ہر ذرے کی اپنی ایک ہستی تھی، ان مٹی کے ذرات میں سے کوئی ذرہ برہمن تھا کوئی ذرہ واعظ تھا۔ کوئی ذرہ گداگر تھا۔ کوئی ذرہ بادشاہ تھا۔۔۔ آج یہ حال ہے کہ بادشاہ گداگر۔۔ واعظ اور برہمن۔ مٹی کے ایسے ذرات ہیں جن کو خود ان کی اولادیں پیروں تلے روندتی پھرتی ہیں۔

۲۷ جنوری ۱۹۹۰:

ستائیس جنوری انیس سو اناسی عیسوی کو عظیم روحانی سائنس داں قلندر باباولیا ایک کائناتی حلقے سے رخت سفر (علم الاسماء) باندھ کر دوسرے حلقے عالم اعراف میں چلے گئے۔ دوسرے حلقے سے تیسرے حلقے۔ حشر و نشر کا انتظام وانصرام ابھی باقی ہے تیسرے حلقے سے چوتھے آدم وحوا کے وطن مالوف میں حور وغلمان۔ قلندر باباولیاء کے لیے چشم براہ ہیں۔۔۔ کون جانے یہ ازلی سعید صاحب اختیار ہستی اپنی آخری قیام گاہ جنت کو بناتی ہے یا اعلیٰ علیین میں استاد ازل کی قربت کے لیے مرتبہ حضوری میں فائز المرام ہوتی ہے۔

دوستوں! ہم مشب مے نوش، جلوہ یار کے پروانو، صوت سرمدی کے مستانو۔ آؤ تاکہ ہم تمنا کریں کہ مرنے کے بعد اپنے مشفق و کرم فرما؛ روحانی باپ کے ساتھ ہمارا قیام ہو خوش نصیب ہیں وہ روحیں جو اپنے جسمانی لباس کے ساتھ استاد اذل صاحب قدرت؛ اللہ رب العالمین کے بندے؛ احسن الخالقین کے دوست؛ ابدال حق قلندر باباولیا رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں شریک ہو رہے ہیں۔

۲۷ جنوری ۱۹۹۱:

ایک بار مرشد کریم حضور قلندر باباولیا نے فرمایا:

زمانہ گزرا۔۔ کہ ایک آدم زاد اتنی کو پہنچ گئے۔ ان کا دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ گزر بسر کے لیے جنگل سے لکڑیاں توڑ کر فروخت کرتے تھے۔ ایک روز زیادہ لکڑیاں باندھ کر گھڑ تو باندھ لیا لیکن اٹھاتے وقت ہاتھوں میں لرزہ آگیا۔ خون پانی بن کر آنکھوں سے بہہ نکلا۔ بڑی حسرت کے ساتھ آہ بھری اور بولے:

مجھ سے تو ملک الموت بھی روٹھ گیا ہے۔ اس کو بھی میرے حال پر رحم نہیں آتا۔۔۔ میں اب کیوں زندہ ہوں۔ میرے سب مرکھپ گئے۔۔۔ مجھے موت کیوں نہیں آجاتی۔

ابھی لمحہ بھی نہیں گزرا تھا ایک خوب صورت نوجوان سیدھی طرف آکھڑا ہوا۔

سلام کیا اور پوچھا۔۔

بزرگو! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

بزرگ نے پوچھا۔ کون ہو تم؟

نوجوان بولا۔ میں ملک الموت ہوں۔ ابھی آپ نے یاد کیا تھا سو حاضر ہو گیا ہوں،

بزرگ فوراً بولے۔۔۔ لکڑی کا یہ گٹھا اٹھا کر میرے سر پر رکھ دے۔

مرکزی درس گاہ

جب پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کا ذکر آتا ہے تو لاہور علی ہجویری، اسلام آباد بری امام، گجرات شاہ دولہ دریائی، پاکپتن بابا فرید شکر گنج، ملتان بہاء الدین ذکریا، جھنگ سلطان باہو، سندھ سر سچل سرمست، شاہ عبد الطیف بھٹائی، علاقہ سہون شریف میں قلندر اور عصر حاضر میں سندھ کے ایک قدیم شہر اور عروس البلاد کراچی کو حضور قلندر بابا اولیاء کی نسبت حاصل ہے جو بفرزون کے علاقہ شادمان ٹاؤن میں محو استراحت ہیں۔

پاکستان کے مختلف علاقوں سے کراچی میں داخل ہونے کے بعد کینٹ اسٹیشن سے صدر، صدر سے نارتھ کراچی اور نارتھ کراچی سے نیو کراچی سرجانی ٹاؤن جاتے ہوئے راستے میں ناظم آباد نمبر 1 کے علاقہ انکوائری آفس بس اسٹاپ پر اتریں تو سامنے نیا فلائی اور اور پل نظر آتا ہے سڑک کی دوسری جانب دائیں طرف تھوڑے سے فاصلے پر پٹرول پمپ اور بائیں طرف ایک گلی میں لوہے کا گیٹ ہے اس گیٹ سے ناظم آباد نمبر 1 میں۔ داخل ہو جائیں ایک سو گز چلنے کے بعد آپ کو ایک فوارہ نظر آئے گا جو ایک چوراہے کے بیچ میں بنا ہوا ہے۔ اس سے دائیں جانب مڑیں تو سامنے ایک تکون کی شکل میں دو گلیاں آپس میں سر جوڑے ہوئے ہیں۔ بائیں ہاتھ والی گلی میں تھوڑی دور چل کر عظیمی دواخانہ کا بورڈ ملے گا اس کے ساتھ دو لوہے کے گیٹوں والا گھر ہے جس پر 1 ڈی–7/1 کے الفاظ تحریر ہیں اور بالمقابل چوک میں چار تلواروں والا فوارہ ہے اور ان دونوں فواروں کے درمیان سڑک کی بائیں جانب یہ گھر اپنی شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے جس تک آپ کو پہچانے کی سعی کر رہا ہوں۔ بڑے دروازے سے گھر کے اندر داخل ہونے کے بعد سامنے سیڑھیوں کے ذریعے پہلی منزل پر آئیں تو بالکل سامنے کمرہ کا دروازہ نظر آتا ہے اس کمرے کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس عظیم ہستی جس کا ہم ذکر کرنے والے ہیں اسے اپنے رہنے کے لئے منتخب کیا۔

یہ گھر ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ایک بندے نے چودہ سال شب و روز اپنے روحانی استاد کی اتنی خدمت کی، اتنی خدمت کی اس استاد کو یہ کہنا پڑا کہ اگر مجھے خواجہ صاحب جیسا شاگرد نہ ملتا تو میں چپکے سے اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتا۔

اب آپ نقشے کی طرف آئیں جو اس مضمون کے ساتھ منسلک ہے نقشہ بغور دیکھیں انڈیکس Legend میں نمبر اور الفاظ دیکھیں نقشہ میں اشکال کے ساتھ نمبر بھی نظر آئیں گے۔

کمرہ نمبر B کے دروازہ سے آپ اندر آئیں تو بائیں جانب شکل نمبر 3 دیوار کے ساتھ بنچ رکھے ہوئے ہیں اور دائیں جانب والی دیوار کے ساتھ کرسیاں جو بالترتیب مریضوں اور مہمانوں کے لئے استعمال ہوتی تھیں شکل نمبر 4 میں سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک تخت بچھا ہوا نظر آئے گا جو ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء اپنے آرام کے علاوہ نشست و برخاست کے لئے استعمال کرتے تھے تخت کے اوپر کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی بچھی رہتی تھی۔ اس سے دائیں جانب تھوڑے فاصلے پر شکل نمبر 1 میں کرسی اور میز ہے جو حضور قلندر بابا اولیاء اپنے ادبی ذوق و شوق کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہاں دائیں طرف والے دروازے سے باہر پچھلے Terrace نمبر A پر چلے جائیں تو وہاں بھی ایک تخت شکل نمبر 1 میں دکھایا گیا ہے اس پر حضور قلندر بابا اولیاء موسم گرما میں رات کو آرام فرماتے تھے اور ساتھ ساتھ روحانی محفلیں جمتیں۔ نور کا نزول ہوتا، اللہ تعالیٰ کی اور اللہ کے حبیبِ پاکؐ کی رحمتوں اور شفقتوں کی بارش برستی تھی۔

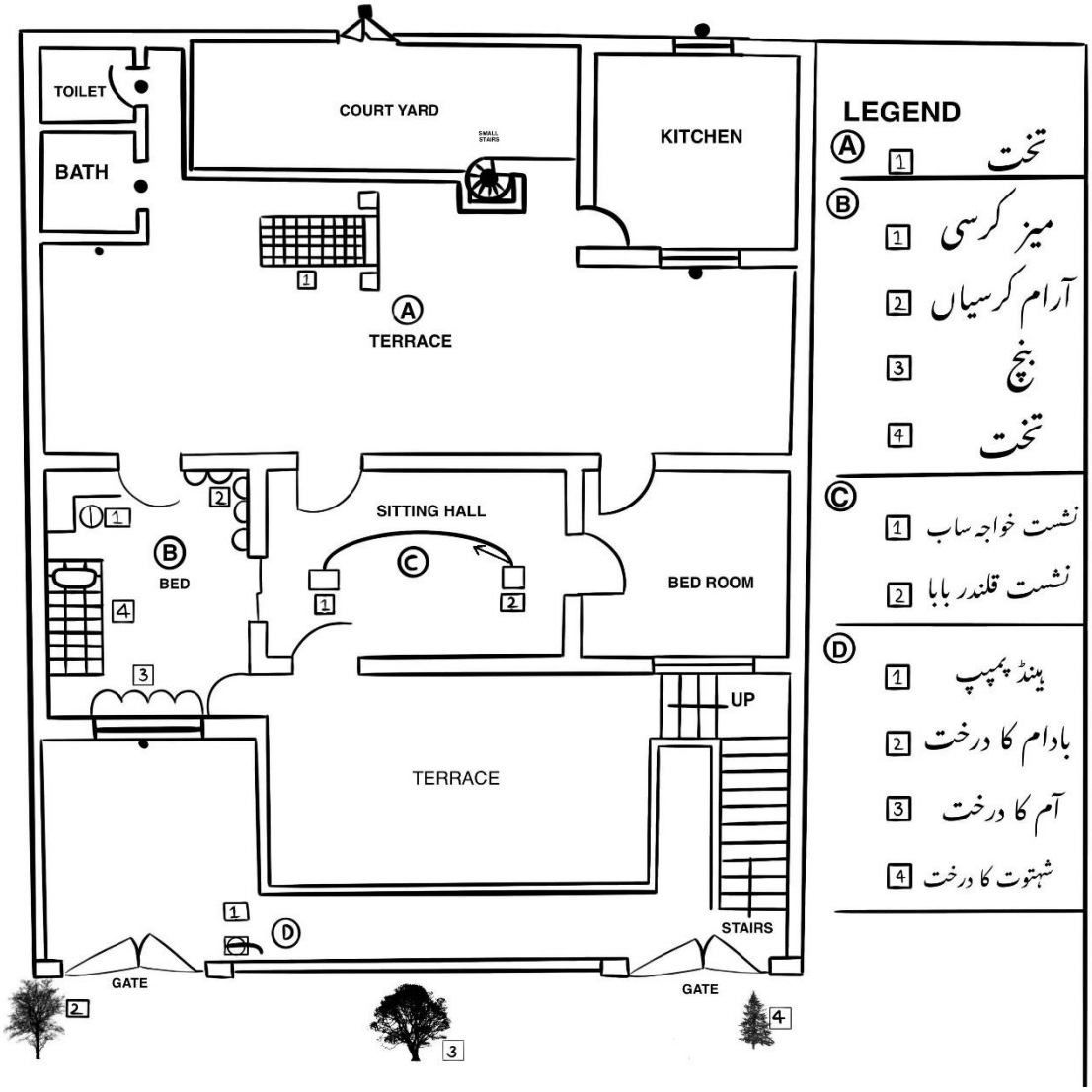

TOILET
BATH
COURT YARD
SMALL STAIRS
KITCHEN
TERRACE
SITTING HALL
BED
BED ROOM
UP
TERRACE
STAIRS
GATE
GATE
LEGEND
A 1 تخت
B 1 میز کرسی
2 آرام کرسیاں
3 بنچ
4 تخت
C 1 نشست خواجہ ساب
2 نشست قلندر بابا
D 1 ہینڈ پمپ
2 بادام کا درخت
3 آم کا درخت
4 شہتوت کا درخت

اس جگہ سے واپس مڑیں اور کمرہ نمبر C کے دروازے سے داخل ہوں تو سامنے دو چوکور نشستیں دیکھیں گے دونوں کے درمیان ایک زگ زیگ zig – zag تیر کے نشان والا "لہر کی طرز کا" ایک راستہ (PATH) دکھائی دے گا یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کو عظیم روحانی سائنسدان ابدالِ حق سید محمد عظیم برخیا نے 72 گھنٹے بیدار رکھ کر لاشعوری تحریکات کو اپنے خصوصی تصرف سے پلک جھپکائے بغیر جِلا بخشی۔

جس طرف سے تیر کا نشان دیا ہوا ہے وہاں قلندر باباولیاء تشریف فرماتے تھے اور دوسری طرف خواجہ صاحب کی نشست تھی۔ اس پروگرام کی کامیابی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حضرت جبرائیل کے ساتھ ملاقات ہوئی۔

پھر یہاں سے آپ واپس گراؤنڈ فلور پر تشریف لائیں تو باہر جانے والے گیٹ کی طرف جاتے ہوئے ایک واٹر پمپ ملے گا شکل نمبر 1 اس کی تنصیب کی جگہ نشاندہی قلندر بابا نے کی اور فرمایا کہ "اس جگہ میٹھا پانی ملے گا" اور واقعی میٹھا پانی نکلا یہ واٹر پمپ ابھی تک اپنی جگہ موجود ہے اور لوگ اس پانی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ نقشہ میں گھر کے احاطے سے باہر شکل نمبر ۲ میں ایک بادام کا درخت دکھایا ہوا ہے جس کے بارے میں تذکرہ قلندر باباولیاء میں حضرت خواجہ صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

"کہ حضور بابا صاحب نے ایک دن باتوں باتوں میں فرمایا کہ یہ درخت مجھ سے اس قدر باتیں کرتا ہے کہ میں عاجز آگیا ہوں میں نے اُسے کئی مرتبہ کہا ہے کہ زیادہ باتیں نہ کیا کر میرے کام میں خلل پڑتا ہے مگر یہ مانتا ہی نہیں"

بات رفت گزشت ہو گئی ایک روز صبح بیدار ہونے کے بعد دیکھا کہ درخت غائب ہے بڑی حیرانی ہوئی کہ اتنا بڑا درخت کہاں غائب ہو گیا باہر جا کر دیکھا کہ درخت جڑ سے کاٹ دیا گیا ہے آج تک یہ بات معمہ بنی ہوئی ہے کہ اتنے بڑے درخت کو کس نے کاٹا اور کیسے لے گیا نیز درخت کاٹنے میں جب اس پر کلہاڑی پڑی ہو گی تو آواز بھی ہوئی ہو گی لیکن میری آنکھ بھی نہیں کھُلی میں نے اس بارے میں حضور قلندر بابا سے پوچھا تو وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے اس واقعے سے یہ بات سامنے آتی ہے اور قانون یہ بنتا ہے کہ انسان، حیوان، چرند اور پرند کے علاوہ کائنات کی ہر شعوری چیز حواس رکھتی ہے۔ جس کے تحت بادام کا درخت باتیں کرتا تھا اس کے پیچھے قدرت کا یہ قانون کام کرتا ہے۔ "کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔"

عکس ذات

باب سوم

نام وحلیہ مبارک

مکمل نام:

حسن اخری محمد عظیم برخیاالمعروف حضور قلندر باباولیاءؒ

حسن اُخری:

اللہ تعالی کے مقرب بندوں کو جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام روحانی طور پر تعلیمات دے کر فارغ کرتے ہیں تو ایک نام عطا فرماتے ہیں اور بعد میں اسی نام سے یاد فرماتے ہیں۔ حضور قلندر باباولیاء کو آپ صلی اللہ وسلم نے "حسن اخری" کالقب عطا فرمایا۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ان ہی الفاظ سے مخاطب خطاب کیے جاتے ہیں اس نام کی مناسبت قلندر باباولیاء کے ننہالی جدی ی نام "حسن مہدی" سے بھی ہے۔

سید:

نجیب الطرفین سادات ہونے پر سید کہلائے جاتے ہیں۔

محمد عظیم:

پیدائش پر والدین یہ نام رکھا

برخیا:

شعر وسخن کے شوق سے وابستہ کی خاطر "برخیا" کا تخلص اختیار کیا۔

قلندر باباولیاء:

ملائکہ ارض وسماوی اور حاملان عرش میں اسی نام سے جانے جاتے ہیں اور بعد از وصال یہی نام آپ کے چاہنے والوں کی زبان پر ہے۔

بھیا:

ڈان کے دفتر میں سب آپ کو بھی بھیا کہتے تھے۔

بھائی صاحب:

آپ کے چھوٹے بھائی آپ کو اس نام سے پکارتے تھے اس لیے دیگر افراد نے بھی آپ کو اسی نام سے پکارنا شروع کر دیا اور آپ بھائی صاحب کے نام سے بھی جانے گئے۔

اماں:

حکیم وقار یوسف عظیمی اور ان کے بھائی بہن بھائی وغیرہ بچپن میں اسی نام سے پکارتے تھے۔

باواصاحب:

ڈاکٹر عبد القادر خود آپ کو مخاطب کرتے وقت باواصاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

حلیہ مبارک:

آپ کا قد بہت مناسب، چہرہ پر وقار، چوڑا ماتھا، ابھرے ہوئے ابرو، سر کے بال بہت مناسب داڑھی گھنی اور چھوٹی، جبکہ سر اور داڑھی کے بال دس پندرہ روز میں روز ترشواتے۔ سر کے بال کبھی ایک انچ سے اور داڑھی کے بال صرف نصف انچ سے نہ بڑھائے تھے۔، سر پر نہ کبھی استرا پھروایا، نہ کبھی زلفیں رکھیں۔ آنکھیں نہ بہت چھوٹی، نا بہت بڑی، گال گوشت سے بھرے ہوئے اور چوڑی ناک، مضبوط کندھے اور بازو ہاتھ اور انگلیوں پر بہت ہی مناسبت سے گوشت کا ابھار۔ آپ اکثر اوقات قمیص اتار کر رکھتے تھے، جس سے اوپری جسم عیاں ہوتا تھا۔ چہرہ، گردن، کندھے، سینہ، کمر، غرض کسی بھی حصہ میں کوئی ہڈی نمایاں نہ ہوتی، تمام جسم پر گوشت بہت مناسب تھا جس سے آپ کی جسمانی وضع بہت ہی مناسب اور خوبصورت تھی۔ چہرہ دیکھنے سے ایک بہت ہی باوقار اور سلجھے ہوئے اور صاحب علم ہونے کا عکس دیتا تھا۔ طبیعت میں متانت اور سنجیدگی ایک خاص وقار سے نمایاں تھی، دانت بہت ہی چمک دار تھے، جیسے موتی۔

قادر العظیمی بتاتے ہیں، کہ ایک روز میں داڑھی کے متعلق دریافت کیا کہ:

از روئے قرآن و حدیث اس کی حد کتنی ہے، اور سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ریش مبارک کیسی تھی، اور صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین جن سے بڑھ کر وئی منبع شریعت نہیں ہو سکتا ان کی داڑھیاں کتنی لمبی تھیں؟

ارشاد فرمایا: "قرآن میں داڑھی کی لمبائی چوڑائی کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ داڑھی سے متعلق حدیث صرف ایک ہے باقی سب موضوع ہیں اس کے بعد فرمایا" **ہماری دربار رسالت میں ہفتہ میں دوبار تو ضرور حاضری ہوتی ہے وہاں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی موجود ہوتے ہیں**۔ ہم جو وہاں دیکھتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ریش انور کے موئے مبارک گھونگھر والے پیچیدہ، لچھے دار اور جسم اطہر پر ایک انگل کے قریب لمبے نظر آتے ہیں اور بڑے خوبصورت لگتے ہیں۔ حضرت ابو بکر کی داڑھی خشخشی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عثمان کی داڑھیاں اس سے بڑی ہیں اور حضرت علی کی داڑھی چڑھی ہوئی ہوئی نظر آتی ہے۔"

اوصاف حمیدہ

قلندر بابااولیاءرحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے شاگرد رشید خواجہ شمس الدین عظیمی لکھتے ہیں!

قلندر بابارحمۃ اللہ علیہ لباس عمدہ مگر سادہ استعمال کرتے تھے - قمیض میں کالر نہیں ہوتا تھا- پاجامہ چوڑے پائنچے کا، موری تقریباً چھ انگل لوٹی ہوئی- گرمی میں صرف قمیض پاجامہ میں لیکن سردیوں میں جب کہیں باہر تشریف لے جاتے تو شیروانی اور ٹوپی ضرور پہنتے- جوتے ہمیشہ براؤن رنگ کے پہنتے- سیاہ رنگ جوتے استعمال نہیں کرتے تھے فرماتے کہ جو آفاقی شعاعیں(Cosmic Rays)دماغ پر وارد ہوتی ہیں- وہ جسم میں دور کرتے ہوئے پیروں کے راستے زمین میں جذب ہو جاتی ہیں لیکن اگر سیاہ رنگ جوتے پہنے جائیں تو سیاہ رنگ ان کو جذب کرکے زمین تک نہیں جانے دیتا جس سے جسم اور ذہن کو نقصان ہوتا ہے-

باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال کی ہر چیز کی ایک جگہ مقرر تھی- شیروانی، دھل کر آئے ہوئے کپڑے، بستر پر تکیہ، پائنتی پر چادر، تکیہ کے بائیں جانب ٹوپی، غرض ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہوتی تھی۔ بستر پر چادر تکیہ صاف ستھرا استعمال کرتے۔ کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے مطالعے میں ضرور رہتی جو عموماً تکیے کے نیچے بائیں جانب موجود رہتی اور ساتھ میں قلم بھی ہوتا۔ کتابوں کی الماری میں کتابوں کی ترتیب ایسی کہ فلاں خانے میں دائیں طرف تیسری کتاب یا بائیں جانب پانچویں کتاب فلاں مضمون پر ہے نکالو - حتیٰ کہ جوتے اتارتے وقت اس التزام سے رکھتے کہ جوتے ایک سوت بھی آگے پیچھے نہ ہوتے-

مزاح خود بھی فرماتے اور دوسرے کی شگفتہ بات کو پسند فرماتے - تبسم فرماتے یا ہنستے لیکن کبھی قہقہہ نہیں لگاتے تھے-مزاح ہمیشہ ایسا فرماتے جس سے محفل میں تہذیب واخلاق بھی رہے اور شگفتگی بھی ہو جائے۔

بچوں سے خاص الخاص شفقت فرماتے، ان کی ہر بات سنتے تمام عمر کسی بھی بچے سے سختی نہ کی، دوسروں کو بھی شفقت کی تلقین کرتے ۔بچوں کی دل آزاری سے گریز فرماتے اور بچوں کی خوشی کو ہمیشہ مقدم رکھتے۔ دوسروں سے اچھے برتاؤ اور حسن سلوک پر خاص زور دیتے، اور خود تو خاص الخاص ااس پر عمل پیرا رہتے۔ آپ کی تمام باتوں میں محبت کا پہلو نمایاں رہتا تھا۔

قلندر بابانے کبھی زندگی میں صابن سے ہاتھ نہ دھوئے، گرم پانی سے ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کر لیا کرتے تھے۔ ہاتھ دھونے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ جب تک ہاتھ میں لگی ہوئی چکنائی دور نہیں ہو جاتی تھی ہاتھ دھوتے رہتے تھے۔ جھوٹ سے سخت نفرت کرتے سب کو نصیحت کرتے کہ نہ بڑے جھوٹ بولیں اور نہ بچہ جھوٹ بولے۔ نہ تو فضول خرچ تھے اور نہ ہی نمود و نمائش کے قائل۔ ہمیشہ سادگی پسند کرتے تھے۔ اپنے تمام فرائض کی ادائیگی میں بہت پابند تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے۔ چیخ کر بلانے کو سخت ناپسند کرتے۔ جو ذرااونچی آواز میں بولتا اسے تاکید فرماتے کہ

"ارے بھائی آہستہ بولو، بلاوجہ کیابلڈ پریشر ہائی کرنا"

اگر جواب میں کہا جاتا ہے، "بھائی صاحب عادت بن گئی ہے

"تو آپ فرماتے "کیاعادت بن گئی ہے۔۔۔بنالی ہے! صحیح کرلو کیافائدہ اتنی زور سے کیوں بولتے ہو۔"

اس سلسلے میں ہمیشہ نصیحت کرتے "آواز کمرے سے باہر نہیں جانی چاہیے اور نہ دوسرے کمرے میں آواز سے کوئی پریشانی ہو۔

وقت کی بہت زیادہ پابندی کرتے کہیں جانا ہوتا تو مخصوص وقت پر تیار ہوتے، اور پورے وقت پر پہنچ جاتے۔ پورے وقت پر تمام کام کرتے۔ بہت مہمان نواز تھے۔ ہر آنے والے کچھ نہ کچھ پیش کرتے۔ تمام زندگی کبھی کوئی مہمان خالی واپس نہ گیا۔

بہت کم گو تھے۔ فضول گفتگو سے پرہیز کرتے۔ مقابل کے ذہنی سطح پر اس کی ضرورت اور سمجھ بوجھ کے مطابق گفتگو فرماتے۔ کوئی بات بتاتے وقت اکثر و بیشتر عمومی افہام و تفہیم کے لئے اپنے ساتھ یا اپنے سامنے ہونے والے واقعات کو بنیاد بنا کر کسی خیال یا نقطہ کو پیش کیا کرتے تھے۔ اس سے حقیقت بیانی اور صداقت نظریہ اور خیال کے متعلق کوئی ابہام یا عدم صداقت کا شائبہ نہیں ہوتا تھا۔

آپ کے دوست سید نثار علی بخاری بتاتے ہیں کہ آپ اپنے والد صاحب کا بے حد احترام کرتے۔ ان کے سامنے ہمیشہ نیچی آواز میں بولتے اور نظریں نیچی رکھتے۔

مکارم اخلاق

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مکارم اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے بچپن کے دوست جناب نثار علی بخاری لکھتے ہیں کہ:

قلندر بابا اولیاءؒ بچپن سے کوئی غیر مہذب کھیل عام لڑکوں کے ساتھ کھیلنے اور ان سے بے تکلف ہونے سے اجتناب کرتے تھے قلندر بابا فطرتاً ذہین، خوش اخلاق، مہذب اور ملنسار تھے اور اچھے برے کی تمیز رکھتے تھے۔ اپنے احباب کے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آتے اور حسب استطاعت خاطر مدارات کرنے میں کوئی فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ پڑھنے کے وقت انہماک سے پڑھتے تھے اور کھیل کے وقت لڑکوں کا کھیل دیکھتے رہتے لیکن ان کے ساتھ کھیل میں شریک نہیں ہوتے۔

اوائل عمر ہی سے آپ کی طبیعت میں سادگی متانت اور ہمدردی تھی.. کسی کی پریشانی اور تکلیف کو محسوس کرتے اس کی دل جوئی کرتے اور حتی المقدور ان کے کام آتے۔ آپ اپنے ہم عمر ساتھیوں سے آپ جناب سے گفتگو کرتے۔ یہ تمام اوصاف آپ کی ذات میں بچپن سے قدرت نے ودیعت کئے تھے جن کی وجہ سے آپ کے ہم سن آپ کا ادب و احترام کرتے تھے۔

قلندر باباولیاء بہت مہمان نواز تھے۔ مہمانوں کی آمد پر خوش ہوتے اور ان کی خاطر مدارت کرتے تھے۔ کھانے کا وقت نہ بھی ہو تب بھی مہمانوں سے کھانے کا پوچھتے۔ ایک روز میں جتنے بھی مہمان آجائیں۔ فرماتے... "بھئی ان کو چائے پلائیں"...، آپ کھانے میں تکلف نہیں کرتے دستر خوان پر جو موجود ہوتا کھالیتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے۔

کھانا شروع کرنے سے پہلے دستر خوان پر موجود بچوں سے فرماتے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیں اور کھانا شروع کریں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ گھر میں سب بچے قلندر باباولیاء کے ساتھ بیٹھ کر چٹنی کے ساتھ روٹی کھاتے۔ قلندر باباولیاء بچوں سے فرماتے:

بچو! خوش ہو کر کھاؤ۔ آج اللہ کے ہاں ہماری خصوصیت یہ ہے کہ ہم چٹنی سے روٹی کھا رہے ہیں اور دوسرے لوگ گوشت کھا رہے ہیں۔

وضع داری

قلندر باباولیاءؒ ہر فرد کے جذبات اور محبت کا احترام کرتے تھے۔ کبھی کسی کی دل آزاری کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب حضور قلندر بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سویٹر کا تحفہ پیش کیا۔ وہ سویٹر حضور کی جسامت سے دگنا بڑا تھا میں نے حضور کی طرف دیکھا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو حضور نے فرمایا...

"خواجہ صاحب! ان صاحب کے ذہن میں جو میرا Image تھا وہ اس امیج کے مطابق سویٹر لے آئے۔ اگر آپ کچھ کہہ دیتے تو ان کا دل ٹوٹ جاتا اب جب کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے تب بھی ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ سویٹر میری جسامت کے لحاظ سے بڑا ہے۔ وہ اسی امیج کے زیر اثر رہے۔ کبھی ان کے ذہن میں یہ بات آئے گی بھی نہیں۔"

قلندر باباولیاءؒ کی وضع داری کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے بچپن کے دوست جناب نثار علی بخاری لکھتے ہیں کہ!

قلندر بابا سال میں ایک مرتبہ دہلی سے بلند شہر تشریف لایا کرتے تھے اور ڈیڑھ دو مہینے غریب خانے پر قیام فرماتے۔ اس دوران میں شہر اور کبھی کبھار بیرون شہر بھی شعراء و ادباء کی محفلیں جمتیں اور صبح و شام کے اوقات میں آپ کے پاس صوفی منش لوگ آتے اور تصوف و بزرگان دین اور اولیاء عظام کے مکتوبات و ملفوظات پر سیر حاصل گفتگو اور تبصرے ہوتے دوسروں کی باتیں اطمینان سے سنتے اور آپ کی خداداد صلاحیت علم سے شعراء اور ادباء مستفید ہوتے۔

اور اہل ذوق حضرات آپ کی صحبت صالحہ اور دقیق و پیچیدہ مسائل کی تصریحات سے محظوظ ہوتے اور سکون قلب حاصل کرتے اسی طرح شب و روز سالہا سال تک بہترین فضا و ماحول میں گزرے۔ آپ اردو اور فارسی زبانوں میں اعلیٰ معیار کے شعر فرماتے تھے افسوس ہے کہ آپ کے کلام کا کافی غیر مطبوعہ ذخیرہ بھارت رہ گیا اور پیش آمدہ حالات میں ضائع ہو گیا۔ راقم کو آپ کے اشعار نویس ہونے کا فخر حاصل ہے۔

حلقہ احباب

قلندر بابااولیاء رحمۃ اللہ علیہ بے حد ہر دل عزیز تھے۔ آپ جس جگہ تشریف لے جاتے لوگ نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا استقبال کرتے۔ کچھ لوگ اپنے ذاتی مسائل کے لیے آپ سے ملتے جب کہ بعض لوگوں کے ساتھ علمی سوال و جواب کی نشست ہوتی تھی۔ آپ بڑی توجہ سے سب کی بات سنتے اور مطمئن کر دیتے تھے۔ آپ کے پاس انجینئر، ڈاکٹر، اساتذہ، طالب علم، صنعت کار، سرکاری افسران سب ہی لوگ حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی محفل میں سب برابر حیثیت سے بیٹھتے تھے۔ حتی کہ آپ بھِ اپنی کوئی مخصوص نشست نہیں رکھتے تھے۔ قلندر بابا اولیاء سے لوگ سوال کرتے اور آپ ان کے جوابات دیتے تھے۔ ہر علم کے بارے میں سوال کرنے کی عام اجازت تھی لیکن روحانی، تحقیقی اور سائنسی علوم کے بارے میں سوال کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ مجلس کے شرکاء آپ کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔

قلندر بابااولیاء کے حلقہ احباب کے بارے میں آپ کے بچپن کے دوست نثار علی بخاری لکھتے ہیں کہ!

یوں تو قلندر بابا کے دوستوں اور احترام کرنے والوں کا دائرہ بہت وسیع تھا خادم کے ماسوا آپ کے مخصوص احباب جناب سید رحیم اللہ قابلؔ صاحب گلاوٹھی... شفیق احمد صاحب... محمّد مبین صاحب برنی... منشی عبدالقدیر صاحب شوخؔ برنی... ماسٹر سید فضل الرحمن صاحب فضلؔ برنی... حبیب اللہ صاحب حبیبؔ برنی... سید حامد علی سبزواری... قاضی حافظ الدین صاحب نشترؔ سکندر آبادی... اور عبدالمجید صاحب بیخبرؔ سکندر آبادی قابل ذکر ہیں۔

آپ اپنے احباب کے ساتھ اخلاص اور محبت فرماتے تھے اور ان کی دل جوئی و ممکنہ خاطر مدارات کرتے اور کبھی ان سے کبیدہ خاطر نہ ہوتے آپ جس جگہ تشریف لے جاتے لوگ خوش آمدید کہتے۔ آپ حلقۂ احباب میں خاص طور پر اور عامتہ الناس میں عام طور پر مقبول و ہر دلعزیز تھے اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ سنجیدہ طبیعت کے ساتھ پُر مزاح بھی تھے۔

انداز دوستی

سید نثار علی بخاری اپنے اور قلندر باباولیاء کے تعلق کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:

بھائی صاحب قلندر بابا ابتدا سے مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرتے ... میں بھی آپ کو بھائی ہی کہتا تھا۔۔۔ ہاں تک یاد پڑتا ہے کبھی ہم دونوں نے ایک دوسرے کا نام لے کر مخاطب نہیں کیا۔۔

قلندر باباولیاء کے انداز دوستی کا ذکر آپ کے بچپن کے دوست جناب نثار علی بخاری یوں کرتے ہیں کہ!

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی معمولی بات پر قلندر بابا کی طبیعت میں میری طرف سے تکدر پیدا ہو گیا اور قریب ایک ماہ تک ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اسی اثنا میں عید الفطر آگئی، چنانچہ عید کے مبارک موقع پر میں آپ کے مکان پر حاضر ہوا۔۔ قلندر بابا نظر پڑتے ہی کھڑے ہو گئے اور نہایت گرمجوشی سے محبت کے ساتھ گلے مل کر اس قدر روئے کہ آپ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا اور میرے اندر بھی گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی بندھ گئی اور دل ایسا بھر آیا کہ حبانبین کی زبان سے شکایت کا ایک لفظ بھی نہ نکلا۔۔۔ اور ہماری دوستی پہلے سے بھی زیادہ استوار ہو گئی۔۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ہماری تقریباً ستر (70) سالہ دوستی میں اور کوئی ناخوشگوار واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔۔ لوگ ہماری دوستی پر رشک کرتے تھے اور ہماری دوستی کی مثال پیش کیا کرتے تھے۔

مشاغل

قلندر باباولیاء کے مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے بچپن کے دوست نثار علی خاں لکھتے ہیں کہ!

قلندر بابا اولیاء کو کبھی کسی کھیل سے دل چسپی نہیں رہی۔۔ مدت العمر میں پنجہ لڑانا اور شطرنج کھیلنے کا شوق ہوا۔ پنجہ لڑانے کی بڑی مہارت اور شطرنج بھی اچھی کھیلتے تھے لیکن دونوں شوق بالکل ترک کر دیے۔۔۔ اور صرف شعر و سخن۔۔ حضرات اولیاء اللہ کے تذکرے اور مختلف النوع مساءل و موضوعات پر گفت گو کرتے تھے اور عام طور پر احباب کو نیکی کرنے کی اور راقم الحروف کو خاص طور پر حلال کی روزی کمانے کی اور محتاط رہنے کی تلقین فرمایا کرتے۔

مزید بر آں قلندر بابا اولیاء کا مسلک محبت تھا اور آپ بار بار فرمایا کرتے کہ محبت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے اس کی بدولت انسان کو سب کچھ ملتا ہے۔

چنانچہ آپ کا ایک شعر ہے:

ہو گا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ

مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آتی ہے

البتہ بچپن میں قلندر باباولیاء کی ایک اژدھے سے بھی دوستی تھی۔خواجہ شمس الدین عظیمی لکھتے ہیں:

اُن کے گھر میں ایک اژدھا رہتا تھا جو کئی گز لمبا اور جسم میں موٹا تھا۔ جب کوئی مہمان گھر میں آتا تو قلندر بابا اولیاء کی اماں اژدھا سے کہتی تھیں اب تم اندر جاؤ مہمان آئے ہیں۔ اژدھا اندر چلا جاتا تھا بڑی حیرت کی بات ہے کہ اژدھا کی ہر بات سمجھتا تھا اور سعیدہ بی بی کھانے پینے کا، سردی گرمی کا بچوں کی طرح خیال رکھتی تھیں قلندر بابا اولیاء بچپن میں اس کے ساتھ کھیلتے تھے۔

علم دوستی

قلندر باباولیاء کی علم دوستی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے بچپن کے دوست جناب نثار علی بخاری لکھتے ہیں کہ!

محمّد ایوب صاحب حکومت پاکستان میں غالباً ڈپٹی سیکرٹری کے عہدہ پر فائز ہیں.. ان کو دینیات میں ریسرچ کرنے کا شوق ہوا۔ ان کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اقوال اور فرمودات پر ریسرچ کرنا تھا.. چنانچہ وہ کراچی میں مشہور اور فاضل علماء سے سمجھنے کے لئے گئے مگر کسی کے درس سے مطمئن نہیں ہوئے۔

کسی کے ذریعے قلندر بابا کی بابت معلوم ہوا کہ وہ بخوبی سمجھا دیں گے۔ چنانچہ وہ قلندر بابا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قلندر بابا سے درس لیتے رہے اس طرح وہ شاہ ولیؒ اللہ پر بڑا کامیاب تھیسس (Thesis) لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی میں کامیاب ہو گئے۔۔

قلندر باباولیاء مطالعہ کا بے حد شوق تھا آپ کے پاس بہت اچھی اچھی کتابیں تھیں۔ کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے مطالعہ میں ضرور رہتی جو عموماً تکیہ کے نیچے بائیں جانب موجود رہتیں، ساتھ میں قلم بھی ہوتا۔ کتابوں کی الماری میں کتابوں کی ترتیب ایسی کہ فلاں خانے میں دائیں طرف تیسری کتاب یا بائیں جانب پانچویں کتاب فلاں مضمون پر ہے نکالو۔ آپ کے پاس شیفر اور پارکر نامی قلم کے سیٹ ہوا کرتے تھے۔ فاؤنٹین قلم کے رنگ کے قلم کی مناسبت سے اسی رنگ کی روشنائی اس میں ہوتی یعنی سبز رنگ کے قلم میں سبز رنگ کی روشنائی، سیاہ رنگ کے قلم میں سیاہ رنگ کی روشنائی۔

اسکول کے بچوں کو کلاس ورک میں GOOD ملنے کی بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ بچوں کو جب GOOD ملتا آپ کو آکر بتاتے وہ بھی اس پر بہت خوش ہوتے شاباش دیتے اور کبھی کبھی بہ طور انعام پیسے بھی دے دیا کرتے تھے۔

بچوں سے محبت

قلندر باباولیاءؒ بچوں سے محبت کرتے تھے۔ بچے بھی آپ پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ اپنی ہر بات ان سے کہہ دیتے تھے۔ آپ بچوں کی ہر بات سنتے تمام عمر کسی بھی بچے سے سکتی نہیں کی۔ دوسروں کو بھی شفقت کی ہدایت کرتے اور فرماتے:

بچوں کو ماریں نہیں پیار سے سمجھائیں۔ بچوں سے جھوٹ مت بولیں ۔ بڑے جھوٹ نہیں بولتے تو چھوٹے بھی جھوٹ نہیں بولتے۔

قلندر باباولیاءؒ مزاجاً خاموشی پسند تھے۔ گھر میں بچے جب مل کر کھیلتے تو شور بھی ہوتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ قلندر باباولیاءؒ کے پاس کوئی بیٹھا ہوتا تو وہ بچوں کو ڈانٹ دیتا کہ شور مت کرو یا باہر جا کر کھیلو۔ قلندر باباولیاءؒ فرماتے: کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ بچوں کی وجہ سے پریشان مت ہوں انھیں یہیں کھیلنے دیں۔ جس طرح سے یہ کر رہے ہیں انہیں کرنے دیں۔

قلندر باباولیاءؒ جب بیرون شہر جاتے تو بچوں کے لیے تحائف اور کھلونے لاتے۔ اگر کوئی بچہ کسی چیز کی فرمائش کرتا تو فرماتے: ہاں صحیح ہے۔ جیسے ہے وقت ہو گا ہو جائے گا۔ عید کے موقع پر آپ بچوں کیلئے نئے کپڑوں، جوتوں، بچیوں کی چوڑیوں اور مہندی کا خصوصی اہتمام کرواتے تھے۔ عید پر جتنے بچے اور بڑے آپ سے ملنے آتے آپ سب کو ایک روپے کا بالکل نیا نوٹ بطور عیدی دیا کرتے تھے۔ عیدی دینے کے بعد سر پر ہاتھ پھیرتے اور پھر فرماتے: اندر کمرے میں اماں جی کے پاس جائیں اور کچھ کھائیں پیئں۔ یک روز قلندر باباولیاءؒ نے ماں باپ کی اولاد سے محبت کے تعلق پر ایک قصہ سنایا۔

ایک بادشاہ تھا اسکی کوئی اولاد نہیں تھی طے یہ ہوا کہ کوئی بچہ پال لیا جائے۔ ایک جمعدارنی کا انتخاب ہوا کہ یہ گھر گھر صفائی کرنے جاتی ہے اس سے کہا جائے کہ خوبصورت بچہ لے آئے۔ جمعدارنی نے خوبصورت بچہ کی تلاش شروع کر دی دو مہینے گزر گئے بچہ نہ ملا۔

بادشاہ نے اسکو بلا کر کہا کہ اگر کل بچہ نہیں لائی تو میں تجھے قید کر دوں گا۔

وہ اگلے دن ایک بچہ لائی۔ وہ موٹے موٹے نقوش والا کالا سا بچہ تھا۔ ناک اسکی بہہ رہی تھی آنکھیں اسکی میلی تھی۔

بادشاہ نے بچہ کو دیکھ کر کہا پورے شہر میں تجھے یہ ہی بچہ ملا ہے؟۔

جمعدارنی نے کہا کہ شہر میں اس سے خوب صورت بچہ مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔

بادشاہ نے پوچھا یہ کس کا بچہ ہے؟۔ جمعدارنی بولی: سرکار یہ میرا بیٹا ہے۔

واقعات، تعلیمات اور طرز فکر

اولیائے کرامؒ اور عارف باللہ کشف اور الہام سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مراقبہ کے ذریعے کشف اور الہام کی طرزیں ان کے ذہنوں میں اتنی مستحکم ہو جاتی ہیں کہ وہ مظاہر کے پس پردہ کام کرنیوالے حقائق سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ذہن مشیت الٰہیہ کے اسرار و رموز کو براہ راست دیکھتا اور سمجھتا ہے اور پھر وہ قدرت کے راز دار بن جاتے ہیں۔ ان روحانی مدارج کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ان حضرات کا ذہن، ان کی زندگی اور زندگی کا ایک ایک عمل مشیت اور رضائے الٰہیہ کے تابع ہو جاتا ہے۔

ایسے بزرگوں کی گفتگو اسرار و رموز اور علم و عرفان سے پُر ہوتی ہے اور ان کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ معرفت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اُن کے ملفوظات اور واردات روحانیت کے راستے پر چلنے والے سالکین کے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو اور ان کے الفاظ پر ذہنی مرکزیت کے ساتھ تفکر کیا جائے تو کائنات کی ایسی مخفی حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں جن کا انکشاف اور مشاہدہ انسان کو اس امانت سے روشناس کر دیتا ہے جس کو سماوات، ارض، جبال نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اس کے بار سے ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

مرشد مکرم، منبع رشد و ہدایت، شیخ طریقت، عالم علم لدنی، ابدال حق حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی ذات گرامی علم و عرفان کا ایسا سمندر ہے جس کے کنارے نور نبوت سے جا ملتے ہیں۔ آپ کی ہستی ایک ایسا ہیرا ہے جس کی تراش و خراش خاتم النبیین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض و کرم سے عمل میں آئی ہے۔ آپ کی شخصیت ایک ایسا آفتاب ہے جس کی ضیاپاشی نور الٰہی اور نور نبوت کے فیضان سے قائم و دائم ہے۔

جن لوگوں نے حضور بابا صاحبؒ کو دیکھا ہے اور رموز و حکمت سے لبریز ان کے ارشادات سنے ہیں، ان پر یہ حقیقت روشن ہے کہ حضور بابا صاحبؒ قدرت کے معاملے میں کتنا دخل رکھتے تھے۔ اکثر اوقات گفتگو کے دوران وہ ایسے بنیادی نکات بیان کر جاتے تھے جو براہِ راست قوانین قدرت کی گہرائیوں سے متعلق ہیں اور جنہیں سن کر سننے والے کے ذہن میں کائنات میں جاری و ساری اصول و قوانین کا نقشہ آ جاتا تھا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ جب کسی موضوع پر تبصرہ فرمایا کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کا ذہن ایک دریائے ناپیدا کنار اور ذخیرہ انوار ہے اور یہ انوار الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر حضور بابا صاحبؒ کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں۔ حاضرین مجلس اکثر ان کی گفتگو سے مبہوت ہو جاتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ نظام کائنات سے متعلق قدرت کے قواعد و ضوابط اور ان پر عمل درآمد کے قانون کو عام فہم زبان میں اس طرح بیان کرنا حضور بابا صاحبؒ جیسے عالم لدنی ہی کا وصف ہو سکتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ارشادات اور ملفوظات پیش کرنے کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ذہن، ان کی طرز فکر اور ان کی تعلیمات سے عوام متعارف ہو جائیں اور ان کے سامنے یہ بات آ جائے کہ اولیاء اللہ کی طرز فکر کیا ہوتی ہے، وہ کس طرح سوچتے ہیں اور ان کے روز و شب کس طرح گزرتے ہیں۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اپنی مختلف تحریروں اور تقاریر میں حضور قلندر باباولیاء کے ارشادات اور ان سے متعلق واقعات وقتاً فوقتاً بیان کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے علاوہ غلام رسول قادری العظیمی صاحب، پروفیسر فقیر محمد شیخ صاحب اور سید نثار علی بخاری صاحب نے بھی باباصاحب کے ارشادات وواقعات قلم بند کیے ہیں۔ ان ارشادات سے ہمیں قلندر باباولیا کی طرز فکر کیا ہوتی ہے۔ وہ کس طرح سوچتے ہیں اور ان کے روز وشب کس طرح گزرتے ہیں۔

اپنا ذہن

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضور قلندر باباولیاء سے ملنے کے بعد انہیں کبھی کوئی مرعوب نہیں کر سکا۔ فرمایا؛ بھی ہم اپنے مرشد کے سامنے اپنا ذہن استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک بار باباصاحب نے بازار سے کچھ لانے کو کہا اور بتایا کہ دو روپے میں آئے گی، ہم بازار گئے، دکان دار نے پونے دو روپے طلب کیے، ہم وہ چیز خریدے بغیر ہی واپس آگئے کہ صاحب دو روپے کی نہیں ملتی۔۔۔ وہ پونے دو کی دے رہا ہے۔۔ کیا حکم ہے؟

بڑے حضرت جی

خواجہ صاحب بڑے حضرت جی ابوالفیض قلندر علی سہروردی کا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ۔۔۔

ایک بار وہ (بڑے حضرت جی) کراچی میں گدھا گاڑی کی ریس دیکھنے گئے۔۔۔ وہاں دوڑ شروع ہونے سے پیشتر کسی سے کہا کہ وہ فلاں گاڑی اول آئے گی اور جب وہی گاڑی دوڑ میں آگے نکلنے لگی تو خوشی سے اچھل پڑے۔۔۔ تالیاں بجابجا کر کہتے تھے، دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ یہی گاڑی جیتے گی۔

فرمایا: دراصل یہ لوگ بچوں ہی کی طرح ہوتے ہیں، ان میں تصنع اور بناوٹ بالکل نہیں ہوتی جب بناوٹ ہو گی تو بچپنا نہیں آسکتا۔

پھر ایک واقعہ قلندر باباولیاء کا سنایا۔۔۔

ایک بار وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ کہیں جارہے تھے بس دیکھی تو دوڑ پڑا اور خالی نشستیں پکڑ کر ہاتھ ہلا ہلا کر بچوں کی طرح سب کو بلانے لگے کہ جلدی سے آجائیں۔

پیسہ کا استعمال

حضور باباصاحب نے ایک بار ارشاد فرمایا۔۔۔

"جو پیسہ خود کھالیا، جو اولاد پر صرف کر لیا، دوستوں کو کھلا دیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا وہ استعمال ہو گیا باقی سب ضایع گیا۔"

استغناء

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں:

استغناء ایک کیفیت ہے روحانی شاگرد سے جس کی مشق کرائی جاتی ہے۔سالک کے ساتھ بار بار ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں کہ بالآخر وہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہاں جو کچھ ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔اللہ کے علاوہ کوئی اور پالنے والا نہیں ہے۔جب تک مشاہدات نہیں ہوتے بار بار تجربہ نہیں ہوتا۔انسان کے اندر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔آدمی کی عادت ہے کہ کوئی کام اس کی عقل سے ماوراء ہو جاتا ہے تو اسے اتفاق کہہ دیتا ہے۔دو چار دس اور پچاس سو کام جب اس طرح کے ہوتے ہیں تو اس کے ذہن سے اتفاق کا لفظ نکل جاتا ہے۔سلسلہ عظیمیہ کے دوستوں کے ساتھ قدرت کا تعاون اس لئے ہے کہ اللہ کے دوست حضور قلندر بابا اولیاءؒ چاہتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ہر فرد کا رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پکا ہو جائے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے استغناء کے ضمن میں سورۃ اخلاص کو بڑی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔مخلوق ایک نہیں ہوتی۔۔

اللہ احتیاج نہیں رکھتا اور مخلوق ہر ہر قدم پر محتاج ہے۔م

خلوق کسی کا بیٹا ہوتی ہے یا باپ ہوتی ہے۔۔مخلوق کا خاندان بھی ہوتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ میں اپنی پانچ صفات کا ذکر کیا ہے

اور وہ پانچ صفات ایسی ہیں کہ جس میں انسان چار صفات میں بے بس ہے۔ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا مثلاً مخلوق یکتا نہیں ہو سکتی۔لازم ہے کہ مخلوق اولاد یا باپ ہو۔مخلوق کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہو۔ایک ایجنسی ایسی ہے جس سے انسان اللہ کے ساتھ وابستہ کر سکتا ہے۔"

انسان غور کرے کہ اگر وہ اللہ کے ساتھ وابستگی کے تجربہ ضروری ہے۔کہ وہ وسائل کی محتاجی سے آزاد ہو جائے اس کے لیے تجربہ ہونا اوور بار بار ہونا ضروری ہے۔۔لامحالہ اس تجربے کے بعد یہ ذہن بن جائے گا کہ جب اللہ چاہے گا کام ہو جائے گا۔اس طرح انسان میں استغناء پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی شعوری زندگی پر لاشعوری زندگی غالب آجاتی ہے۔

استغراق

حضور مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں۔۔۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ پہ استغراق کی کیفیت اس قدر طاری رہتی تھی اور آخر میں تو یہ حال ہو گیا تھا کہ بیٹھے ہیں اور چیونٹیاں ان کے پیروں سے گوشت نوچتی رہتیں اور انہیں خبر نہ ہوتی۔۔۔ہم آتے اور دیکھتے اور گھبرا کر چیونٹیاں جھاڑتے۔۔۔۔

"کیا ہے؟ کیا ہے بھئی؟ وہ ہماری گھبراہٹ سے چونک جاتے۔۔۔

ہم کہتے حضور چیونٹیاں ہیں آپ کے پیر زخمی کر دیے ہیں تو فرماتے۔۔۔

"اچھا خر ویسے بھی یہ جسم انہی کی خوراک ہے۔"

جانے اس وقت وہ کہاں چلے جاتے تھے۔

قدرے توقف کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا۔۔۔یہ کیفیت بے کیف ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔۔۔بے کیف ہونا ہی اصل زندگی ہے آپ چوبیس گھنٹوں میں چوبیس منٹ بے کیف ہو گئے تو یہ چوبیس منٹ آپ کی اصل زندگی باقی سب ضایع ہو گیا۔۔۔بے کیفی در حقیقت رنج و خوشی سے بے نیاز ہو جانا ہے۔

صاحب تکوین

الشیخ عظیمی فرماتے ہیں: مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ اپنے مرشد حضور قلندر بابا اولیاء کو بیعت کروانے میں ساری بات چیت میرے ہی ذریعہ ہوئی تھی۔ فرمایا:

حضرت جی (ابوالفیض قلندر سہروردی اس بات پر بہت فخر کیا کرتے تھے کہ ان کے مریدوں میں سے ایک تکوین کا کام کرتا ہے۔

خانوادہ

خواجہ صاحب سے سوال کیا گیا:

"جس کو امام سلسلہ کا ذہن منتقل ہوتا ہے اسے خانوادہ کہتے ہیں۔

اب اگر حضور قلندر باباولیاء کو گیارہ سلاسل کے خانوادہ ہونے کا شرف حاصل ہے اس کا کیا مطلب ہوا؟"

جواب میں کہا:

روحانیت میں ایک فرد جن اپنا سلسلہ بنالیتا ہے تو اس کا ذہن جس جس اولاد کے حصہ میں آتا ہے وہ خانوادہ کہلاتا ہے۔ جو اولاد باپ کی جتنی زیادہ نقل کرتی ہے وہ اسی قدر سعدی کہلاتی ہے نقل کرنا تبھی ممکن ہوتا ہے جب بچہ اپنے ذہن کے بجائے باپ کے ذہن سے سوچتا ہے۔ بعض افراد کو اللہ کیطرف سے ایسا ذہن ودیعت کیا جاتا ہے کہ وہ بھی سلاسل کے بڑوں جیسے ذہن کے مالک ہوتے ہیں اور ان سب سلاسل کے بڑے ان کو اپنا خانوادہ قرار دیتے ہیں۔

روحانی حیات

باب چہارم

عظیم روحانی بندہ

اس دنیا میں ہر آدمی ایک ریکارڈ ہے اور اس کی ساری زندگی فلم ہے۔ گھما پھرا کر بات کی جائے تو کہا جائے گا کہ عالم ناسوت کا ہر باسی ایک ڈرامہ ہے، ایک کہانی ہے۔ کہانی مختصر ڈرامہ ہے اور ڈرامہ زندگی میں کام آنے والے کرداروں کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے ایسے کردار جو کسی ایک شخص کی انفرادی زندگی کو بھی نمایاں کرتا ہو اس کے ماحول میں جو کچھ ہے اسے بھی منظر عام پر لے آتا ہے۔

جب ہم ڈرامہ لکھتے ہیں ہمارے سامنے زندگی میں بسنے والے سارے کردار ہوتے ہیں اور جب ہم ڈرامہ دیکھتے ہیں تو ہم خود زندگی کے ان کرداروں میں کھو جاتے ہیں جن سے ہم گزر چکے ہیں یا گزرے ہیں۔ عجیب کھیل تماشہ ہے عمر رفتہ کے کسی بھی دور میں جب کوئی جھانکتا ہے تو ہر شخص کی کہانی ایک جیسی نظر آتی ہے۔ ہر آدمی مادی وجود میں اس زمین پر قدم رکھتا ہے اور ہر شخص دھیرے دھیرے لمحہ بہ لمحہ مادی وجود سے دور ہوتا رہتا ہے۔ مادی وجود سے دوری اپنی جگہ مسلم لیکن مادی وجود جس بساط پر نمودار ہوتا ہے جس بساط پر آگے بڑھتا ہے اور جس بساط پر منظر سے غائب ہو جاتا ہے وہ سب کے لئے ایک ہے۔ ابھی تک سائنسی دنیا میں کوئی ایسا علم مظہر نہیں بنا جو اس بات کی تشریح کر دے کہ بساط کیا ہے؟

کوشش لوگوں نے بہت کی کہ بساط پر سے پردہ اٹھ جائے مگر پردہ تو جب اٹھے گا جب کہیں پردہ ہو۔ اگر کہیں کسی کو پردے کے بارے میں کوئی خبر مل گئی ہے تو وہ خبر بھی خود پردہ ہے۔ نقاب رخ الٹ دیا جائے تو بڑی سے بڑی دانشورانہ بات بعد میں بات بن کر ایک نہ سلجھنے والی گتھی بن جاتی ہے جو سلجھتی نہیں۔ اگر شعور، لاشعور اور ورائے لاشعور کی بھاری اور مشکل اصطلاحات کا سہارا لے کر کچھ عرض کیا جائے تو وہ بات بے پردہ ہو جاتی ہے جس پر انسانی ارتقاء کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔ ارتقاء کیا ہے؟ ارتقاء یہی تو ہے کہ آدمی اپنی برائیوں، کمزوریوں کوتاہیوں کو چھپاتا ہے اور خود کو دوسروں سے اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں بھی کائنات کے ایک کنبے کا فرد ہوں، وہ کنبہ جو زمین پر آباد ہے۔ مفت خوری جس کا طرۂ امتیاز ہے۔

پیدا کوئی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے ماں نے پیدا کیا۔ کفالت کوئی کرتا ہے، کہا جاتا ہے کہ باپ نے پرورش کی۔ عقل و شعور پتہ نہیں کہاں سے ملتا ہے کہا جاتا ہے کہ حجروں اور مدرسوں سے شعور ملا ہے۔ زمین پر دندناتا پھرتا ہے۔ زمین کے بطن کو اپنے نوکیلے خنجروں سے چیرتا ہے اس میں دانہ ڈالتا ہے اور زمین سے خراج وصول کرتا ہے۔ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ زمین کا بھی کوئی حق ہے۔

جس نے زمین دی، جس نے ایک پھوٹی کوڑی لئے بغیر پانی دیا، ضرورت سے بہت زیادہ وافر مقدار میں ہوا دی۔ اس کا تذکرہ آ بھی جائے تو ایسا لگتا ہے کہ بیکار بات کہی جا رہی ہے۔ بڑا ہو، چھوٹا ہو، کم عقل ہو یا دانشور ہو، غریب ہو یا دولت کا پجاری قارون سب مفت خورے ہیں نہ صرف مفت خورے بلکہ احسان فراموش بھی ہیں۔

یہ بات میں نے (جب کے میں بھی مفت خوروں کی فہرست میں اول نمبر پر ہوں) اس وقت جاننے کی کوشش کی تھی جب میری دادی اماں زندہ تھیں، میری دادی اماں پوپلے منہ کی نہایت حسین و جمیل خاتون تھیں۔ کبھی مجھے لگتا کہ دادی اماں کا چہرہ چاند ہے اور اس چاند کی روپہلی کرنیں صحرا میں ریت کے ذرات میں چمک منتقل کر رہی ہیں۔ کبھی مجھے دادی اماں گلاب کا پھول نظر آتیں۔

دادی اماں کی عینک کے موٹے بھاری گلاس کے نیچے مجھے ان کی آنکھیں غزال چشم نظر آتیں۔ اور جب میں دادی اماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کی آنکھوں میں اتر جانے کا سپنا دیکھتا تو دادی اماں مجھے سینے سے چمٹا کر اتنا پیار کرتیں کہ میرے اوپر خمار چھا جاتا اور میں ان کی گود میں دودھ پیتے بچے کی طرح سو جاتا۔

چھوٹا منہ، بڑی بات!

ایک دن میں نے دادی اماں سے پوچھا۔۔۔۔۔۔

میں کون ہوں۔۔۔۔۔۔ میری ماں ساتھ کھڑی تھیں۔ انہوں نے سنا تو لگا کہ ان کی آنکھیں پھیل گئیں اور مجھے دادی اماں کے پاس سے گھسیٹ کر اپنے وجود میں سمیٹتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔

اے لڑکے! تو یہ کیسی باتیں کرتا ہے۔ کیا تیرے اوپر کوئی۔۔۔۔۔۔ تو نہیں ہے۔

بہو! خدا کے غضب سے ڈرو۔ ایسی بات کبھی زبان سے نہیں نکالتے۔

میری ماں بولی!

تائی جی۔ دیکھو تو سہی۔ لڑکا کیا بول رہا ہے۔ پوچھتا ہے میں کون ہوں۔۔۔۔۔۔

اس کی عمر تو دیکھو، اے اللہ تو اس کو حفظ و امان میں رکھ۔

دوسرے دن دادی اماں کے نرم و گرم۔ دادی اماں کی خوشبو سے مہکتے لحاف میں پھر میں نے یہی سوال دہرا دیا۔

دادی اماں نے مجھے ایک ایسی کہانی سنائی۔ کہانی سنتے سنتے نیند کی دیوی مجھے آسمانوں میں اڑا کر لے گئی۔۔۔۔۔۔۔۔

بس اتنا یاد رہ گیا۔

بیٹا! تیرا نام میں نے رکھا ہے۔ تو میرا سورج ہے۔

جیسے جیسے ماضی پردے میں غائب ہوتا رہا۔ حال سے پنجہ کشی جاری رہی۔ حال کی ہر سیڑھی چڑھتے وقت دماغ کے کسی گوشے سے یہ آواز آتی۔

بیٹا تو میرا سورج ہے۔

میں سوچتا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔

سورج روشنی ہے۔

سورج زندگی ہے۔

سورج ہر فرد کے لئے توانائی ہے۔

میں سورج کس طرح ہوں۔ میرا وجود تو خود توانائی کا محتاج ہے۔ میرے وجود میں اندھیرے عفریت بن گئے ہیں۔ میری زندگی اسپیس میں بند ہے۔ روشنی تو قید نہیں ہوتی روشنی کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ افتاں و خیزاں ماہ و سال گزرتے رہے۔ بھوک اور افلاس نے منہ چڑایا تو آسمان سے نعمتوں کی بارش برسی، اپنوں نے دکھ دیئے تو غیروں نے زخموں کو مندمل کرنے کے لئے پھوئے رکھے۔

بے سروسامانی میں وحدت کا جلوہ دیکھا۔ خوشحالی میں خود کو کبر کی تصویر بنتے دیکھا۔

خادنانی وقار سے دوسرے لوگ بونے نظر آئے مگر ہر قدم پر اور ہر برائی کے وقت دادی اماں کے یہ الفاظ میرے اندر گونجتے (Echo) رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بیٹا تو میرا سورج ہے۔

یہ الفاظ کبھی مجھے برائیوں کی تمازت سے جھلس ڈالتے اور کبھی دادی اماں کی روح میرے اوپر سایہ فگن ہو جاتی۔

ایک روز جب میں دریائے ہلاکت و تاریکی میں ڈوب کر مر جانا چاہتا تھا۔ دادی اماں کی روح نے مجھے سہارا دیا اور کہا۔

بیٹا انتظار کر۔۔۔۔۔۔ تیرے اوپر اللہ کی رحمت نازل ہو چکی ہے۔ انسانی شماریات سے بہت زیادہ ایک عظیم بندہ تیرے اوپر اپنی شفقتیں محیط کر دے گا اور بیٹا!

تو میرا سورج ہے۔ تیری روشنی پھیلے گی۔

دادی اماں کے الفاظ بھول کے خانے میں جا پڑے بیٹا تو میرا سورج ہے۔

لیکن دادی اماں کے یہ الفاظ عظیم بندہ بنے گا۔ میرے خون کے ساتھ میرے اندر مسلسل گونجتے رہے۔ میں نے سجدے میں گر کر اللہ کے حضور دعا کی، التجا کی:

اے اللہ! عظیم بندہ ملا دے۔ اے اللہ! عظیم بندہ ملا دے۔ اے اللہ! عظیم بندہ ملا دے۔

اور اللہ کا وہ فرستادہ عظیم بندہ مجھے مل گیا۔

جس کا نام اسم گرامی حضرت محمد عظیم برخیا المعروف حضور قلندر باباولیاءؒ ہے۔

اللہ کے دوست

[۲] خدا کی وحدت کو جان لینا، پہچان لینا، دیکھ لینا، سمجھ لینا دیکھنے میں تو بہت آسان لگتا ہے لیکن سمجھنے اور حاصل کرنے کی دنیا میں سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کو گزار لینا آسان ہے مگر الوہیت اور للّٰہیت کی اوگھٹ گھاٹیوں میں سے گزرنا نہ صرف گزرنا بلکہ اپنے ذہن اور ایمان کو بھی سالم رکھنا، اقرار کو بھی بے قرار نہ ہونے دینا، ابلیسیت سے انکار کو کہیں قرار نہ لینے دینا ایک کٹھن منزل ہے۔ ایک مسافر جب سنسان، ویران جنگل سے گزرتا ہے تو اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ گھنے بن میں سے رات کی بھیانک تاریکی میں سفر کرتا ہے تو اس پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن عقیدت اور ارادت کے بحر ظلمات میں جب قدم رکھتا ہے تو خوف، دہشت، خزن، یاس، درماندگی، اجنبیت اور قسم قسم کی حواس باختگیاں عجیب عجیب ڈراؤنی شکلوں میں انے لگتی ہیں۔ اس عالم تیرہ و تار میں ایک مرشد عظیم ترین محسن بن کر بچہ کی طرح انگلی پکڑ کر ایسے خراماں خراماں لے جاتا ہے۔ جیسے طفل گریختہ پا اپنی ماں کا دودھ پینے میں مگن ہے اور چوسنے کے ہر سانس کے ساتھ اس کو روحانی دستر خوان سے ایوان نعمت ملتے جا رہے ہیں جن کے شمار کرنے سے وہ بے نیاز ہو چکا ہے۔ بس قدرت کی رحمت سے معانقہ کرنے میں مگن ہے۔

اللہ تعالیٰ واحد ذات ہے، احد ہے، سمد ہے، لم یلد ہے اور ولم یولد ہے۔ اس کی اسی وحدت اور وحدانیت کا ہر مذہب نے راگ الاپا ہے۔ زمین پر کسی ایسے مذہب کا وجود نہیں ہے جس نے حق تعالیٰ کی وحدانیت سے منہ موڑا ہو یا اس کے وجود سے انکار کیا ہو۔

صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے اس احدیت، سمدیت، حقانیت اور وحدانیت کو سمجھانے اور سمجھنے کے لیے مختلف راستے اور طریقے وضع کیے ہیں۔ عام فہم انداز میں توحید اور مسئلہ توحید، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت پر مشتمل ہے۔

رہبر جن و انسان، ہادیِ کون و مکان، ماحی ظل و بطلان، سرکار دو جہاں ﷺ فرماتے ہیں:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

"جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا"

اس عرفان نفس میں خواہشات اور شہوت کی معرفت نہیں ہے، مدن کی معرفت نہیں ہے۔ اپنے عزیز و اقارب کی پہچان نہیں ہے، اپنے ماں باپ کی پہچان نہیں ہے، اپنے شہر، گھر اور وطن کی پہچان نہیں، ساری دنیا کے علم کی پہچان نہیں ہے، بلکہ یہ پہچان کرنا اور سمجھنا ہے کہ قدرت نے تجھے کیوں پیدا کیا ہے؟ تیرے اندر اس نے کون سا جوہر واحد چھپا کر تجھے عدم سے وجود میں بھیجا ہے؟ مشیت نے اپنے ارادوں میں تیرے اندر کون کون سی ہوش مندیاں، دانائیاں اور پیشوائیاں سجا بنا کر رکھی ہیں؟ کیا تجھے محض تیری اپنی ہی اکلوتی ذات کے لئے پیدا کیا ہے؟ اگر ایک بندہ اپنی اس کنہ، اس لم، اس غرض اور پیدائش کی اس غایت تک پہنچ جائے کہ وہ خود

اپنی ذات میں کیا کچھ ہے تو سمجھ لو کہ اس بندہ نے خود کو پالیا، سمجھ لیا، مال لیا، پہچان لیا، اس وجدان کے میسر آتے ہی شانِ رب ذوالجلال پورے جاہ وجلال کے ساتھ کار فرما نظر آنے لگی۔ جب یقین، عین یقین اور حق الیقین تک آپہنچا تو تمام مقصد مکمل ہو کر فہو المراد بن گیا۔ جب جزو نے کل کا مقصد حکم پالیا تو وہ جزو کہاں رہا، اس مقام پر جا پہنچا جس کا اخفا میں رکھنا بیان کر دینے سے زیادہ ارفع ہے۔

وحدت ربانی اور وحدانیت یزدانی کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

ترجمہ: اور تمہارا رب اکیلا ہے۔ کسی کی عبادت نہیں کرتا، سوائے اس کہ وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور بندگی کسی کو نہیں مگر ایک معبود کو۔ اس کے سوا کسی کو بندگی نہیں، وہ زندہ ہے اور قائم رہنے والا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

علم توحید اُس کے وجود سے جدا ہے اور اس کا وجود علم سے الگ۔ وہ رب ذوالجلال علم کی حد تک باہر ہے یعنی اتنا وسیع ہے کہ کوئی علم اس کا احاطہ یا اندازہ نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو بکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ راہِ حق میں خلق نہیں اور راہِ خلق میں حق نہیں یعنی یہ بندے جو اس کے ادراک کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں، اس کی ذات بشریت کے ادراک سے زیادہ ارفع واعلا جی تک پہنچنا ناممکن ہے۔

ان آیات اور بزرگان کرام کے اقوال سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ توحید کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ جتنا لوگ اسے سہل سمجھتے ہیں۔ جس طرح ایک پیالی میں گلاس نہیں سما سکتا، ایک گلاس میں مٹکا نہیں سما سکتا، ایک مٹکے میں ایک تالاب نہیں سما سکتا، ایک تالاب میں ایک سمندر نہیں سما سکتا۔ ایک سمندر میں سارے سمندر نہیں سما سکتے اسی طرح ایک بندہ کی ننھی سی عقل، سمجھ، سوچ، فکر، فہم، ادراک، احساس، ایقان اور وجدان میں وہ ذات واحد کیسے سما سکتی ہے جس کو ہم اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

مومن بننے کے لیے ہادی برحق ﷺ کے بعد صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور پھر اولیائے کرام ہدایت اور رہبری کا ذریعہ رہے ہیں۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید گنج بخش شکر رحمتہ اللہ علیہ، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت علاء الدین صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت بو علی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ، حضرت صاحب زادہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت حافظ عبدالرحمن جامی ملنگ بابا رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت سچل سرمست رحمتہ اللہ علیہ، حضرت لعل شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے ایسے تمام بزرگان کرام جو عوام کے لیے فیض عام اور مرجع انعام رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں ان اولیائے کرام کی جسمانی، دینی، ملکی اور روحانیت خدمات وقت کے ساتھ ساتھ اور زیادہ روشن تر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ان بزرگوں کا روحانی مشن مذہب اور ملت اور عقیدہ کی حد بندیوں سے بلند ہے۔ ہر مذہب اور ملت کے لوگ اپنی اپنی ضرورتیں لے کر حاضری دیتے ہیں اور جب تک انہیں کامیابی کا اشارہ نہ مل جائے، جانے کا نام نہیں لیتے۔ ان بزرگوں کو اس دنیا سے جدا ہوئے کئی صدیاں گزر گئی ہیں لیکن ان مزارات مرجع خلائق ہیں۔

قدرت اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے دیے سے دیا جلاتی رہتی ہے۔ معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی ہے۔ آخر یہ قطب، غوث، ولی، ابدال، صوفی، مجذوب، اور قلندر کیا ہیں؟ قدرت کے وہ ہاتھ جو روحانی روشنی کی مشعل کو لے کر چلتے ہیں، اس روشنی سے اپنی ذات کو بھی روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشنی کا انعکاس دیتے ہیں۔۔۔۔

صرف تاریخ کے اوراق نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں پر ان بزرگوں کی ایسی ایسی داستانیں اور چشم دید باتیں زندہ اور محفوظ ہیں جن کی دعاؤں سے مردوں کو زندگی، بیماروں کو شفا، بھوکوں کو غذا، دکھیوں کو عطا، غریبوں کو زر، بے حال لوگوں کو مال و زر، بے سہارا اور بے کس لوگوں کو اولاد اور مال و متاع کے انعامات ملتے رہتے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

اللہ کی سنت میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔

اس قانون کے تحت ازل سے ابد تک اللہ کی سنت جاری ہے چوں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ پر پیغمبری ختم ہو چکی ہے اس لیے فیضان نبوت کو جاری و ساری رکھنے کے لیے سیدنا حضور ﷺ کے وارث اولیاء اللہ کا سلسلہ قائم ہوا جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غم آشنا زندگی سے مانوس ہوتے ہیں۔"

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیا رحمتہ اللہ علیہ، سیدنا حضور ﷺ کے آسمان عرفان میں ایک ایسا ستارہ ہیں جن کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"میں اپنے بعد اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

نورانی لوگوں کی باتیں بھی روشن اور منور ہوتی ہیں۔ زندگی میں ان کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب ۱۰۰ سالہ طاعت بے ریا سے افضل ہے اور عالم قدس میں چلے جانے کے بعد ان کی یاد ہزار سالہ طاعت بے ریا سے اعلا اور افضل ہے کہ ایسے مقرب بارگاہ بندوں کے تذکرے سے آدمی کا انگ انگ اللہ تعالیٰ کی قربت کے تصور سے رنگین ہو جاتا ہے۔ اللہ کا نظام کچھ اس طرح قائم ہے کہ اس دنیا میں جو اللہ کا پیغام آیا، وہ اپنے الفاظ کے ساتھ قائم ہے۔ ہم جب کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ یہ ساری کائنات اللہ کی آواز ہے۔ اللہ نے جب "کن" کہا تو ساری کائنات وجود میں آگئی اور یہ اللہ کی آواز ہے جس نے آدم کو اپنی نیابت سے سرفراز کیا۔

قلندر بابا اولیاء _____

ایک آواز ہیں _____

ایک روشنی ہیں _____

ایسی آواز، ایسی روشنی جو ہر جگہ روشنی ہے۔

۲۷ جنوری وہ مبارک اور مسعود دن ہے جس دن _____

یہ آواز عالم دنیا کے ایک ایک گوشہ سے گزر کر عالم بقا میں اس طرح قائم ہو گئی ہے۔ کہ ہر آن اور ہر لمحہ _____ وہاں سے نشر ہو رہی ہے۔

لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کے لیے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ کے دوست _____ دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے ہیں۔

خالق حقیقی سے تعلق قائم کرنا _____ حقوق العباد پورے کرنا _____ اور آدم زاد کو اللہ سے متعارف کرانا، ان کا مشن ہوتا ہے۔

آیئے _____ اللہ کے داست کی باتیں کریں۔ انسانیت نواز، پاکیزہ کردار، نور حق، عارف باللہ، ابدال حق سیدنا حضور قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی باتیں کریں۔

تاکہ قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی آواز کی لہروں سے ہمارے مادی اجسام میں زندگی دوڑ جائے۔ ہماری بے نور آنکھوں کہ روشنی مل جائے۔

_____ اور ہمارے بہرے کان اس آواز سے مانوس ہو جائیں جو اللہ کی آواز ہے۔

قلندر کا مقام

]

۳] قلندر ایسا مرد آزاد ہوتا ہے جس کا باطن مصفیٰ اور مجلی ہوتا ہے۔ اس کے اوپر تخلیقی فارمولے کھل جاتے ہیں۔ مرد آزاد قلندریت کے مقام پر پہنچ کر زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارے ذی روح اس کے ماتحت کر دیئے جاتے ہیں۔ مخلوق جب اس کی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہے تو وہ اس کو سنتا بھی ہے اور اس کا تدارک بھی کرتا ہے کیوں کہ قدرت نے اسے اسی کام کے لیے مقرر کیا ہے۔

ابدالِ حق سلسلہ عظیمیہ کے بانی مرشد کریم سیدنا حسن اخریٰ محمد عظیم برخیار حمتہ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کا ذکر جمیل پیش کرنے سے پیشتر مناسب ہے کہ لفظ "قلندر" کی وضاحت کر دی جائے۔

قلندر ایسا مرد آزاد ہوتا ہے جس کا باطن مصفیٰ اور ملی ہوتا ہے اس کے اوپر تخلیقی فارمولے کھولے جاتے ہیں۔ وہ علم الاسماء کے علوم کا عالم ہوتا ہے۔ قلندر شے کی صفات اور خالق سے مخلوق کے صفاتی اور ذاتی رشتے کے اسرار و رموز سے واقف ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے جسم مثالی کی پر انوار روشنیاں اسے فیڈ کرتی ہیں۔ مشاہدہ اس کا شیوہ ہوتا ہے۔ قلندر کا مقام محبوبیت ہے۔ ایک عاشق دوسرا معشوق ہوتا ہے۔ مرد آزاد قلندریت کے مقام پر پہنچ کر زمان و مکان (Time And Space) کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارے ذی روح اس کے ماتحت کر دیئے جاتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے غرض، طمع، حرص اوت لالچ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ مخلوق جب ان کی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہے تو وہ اس کو سنتے بھی ہیں اور اس کا تدارک بھی کرتے ہیں کیوں کہ قدرت نے انہیں اس کام کے لیے مقرر کیا ہے۔ یہی وہ پاکیزہ بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے بولتے ہیں۔ میرے ذریعے سنتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔"

ان نیک بندوں کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہر بندہ کا اللہ کے ساتھ محبوبیت کا رشتہ قائم ہے۔ ایسا رشتہ جس میں بندہ اپنے اللہ کے ساتھ راز و نیاز کرتا ہے۔

حضور قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ایسے محبوب بندے ہیں کہ جتنی قربت اللہ نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ جس قوم یا جس فرد پر حضور ﷺ کے اعلا اوصاف اور روحانی اقدار کی چھاپ نہ ہو اس کا یہ کہنا کہ میں حضور ﷺ کا امتی ہوں۔ حضور ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی ہے جو خود عارف نہیں کو کسی کو عارف کیسے بنا سکتا ہے۔ جو خود قلاش اور مفلوک الحال ہے وہ کسی کو کیا خیرات دے گا۔ اس پاکیزہ کردار عارفِ حق نے ہمیں بتایا کہ آج ہم کفر و شرک

کے طوفان سے اگر بچے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ وہ آواز ہے جو پیدا ہوتے ہی ہم اپنے بچوں کی حق آشناس ماعت میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اذان کے معنی اور مفہوم پر تفکر کرنے سے یہ بات مشاہدہ بن جاتی ہے کہ پیدا ہونے والے ہر بچے کے دماغ کی اسکرین پر پہلا نقش یہ رقم ہوتا ہے کہ ہمارا پیدا کرنے والا اللہ ہے وہ اللہ ہمیں زندہ رکھتا ہے اور ہمارے لیے زندگی کے وسائل فراہم کرتا ہے۔

فی زمانہ ماحول کے اثرات سے لوگوں کے اعصاب کمزور ہو گئے ہیں۔ ان کی مصروفیات میں حد درجہ اضافہ ہو گیا ہے چناں چہ آج لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ پرانے طریقۂ ہائے ریاضت پر عمل کر سکیں۔ آج کے سائنسی دور میں کوئی بات اس وقت قابلِ قبول ہوتی ہے جب اسے فطرت کے مطابق اور سائنسی توجیہات کے ساتھ پیش کیا جائے۔ سلسلہ عظیمیہ کا مشن بھی یہی ہے کہ لوگوں کے اوپر تفکر کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ چناں چہ حالات حاضرہ کے پیشِ نظر سلسلہ عطیمیہ کے اسباق و اذکار بہت مختصر اور آسان مرتب کیے گئے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر سالک کو حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مشن کو تمام عالم میں پھیلانے کے لیے عرفان خداوندی نسیب ہوتا ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے مرکزی مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن کراچی اور جامعہ عظیمیہ لاہور بہت جلد روحانی اسکول کام شروع کر دے گا اور اسی طرح بتدریج روحانی علوم کا یہ سلسلہ ایک جامع اور مکمل پروگرام کے ساتھ پاکستان اور بیرونِ ملک امریکہ، برطانیہ اور دوسرے ممالک میں شروع ہو جائے گا۔

قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ء کی شب ایک بجے جب کہ شب بیدار، خدا رسیدہ بندے اپنے اللہ کے حضور حاضری دیتے ہیں مستقل حضوری میں اللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس برگزیدہ ہستی کی نماز جنازہ میں انسانوں کے علاوہ لاکھوں فرشتے صف بستہ تھے اور حدِ نظر تک اولیاء اللہ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے روحانی مشن کی پیشِ رفت اور اپنے روحانی خاندان کے لیے ورثہ میں ایک کتاب "لوح و قلم" چھوڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا [القمر ۲۲]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ہر چیز کو جوڑے میں بنایا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

اس آیت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کی آیت **ومن کل شی خلقنا زوجین لعلکم تذکرون** میں دراسل اللہ تعالیٰ نے زمانیت اور مکانیت کا راز بیان فرمایا ہے۔ کسی چیز کے دو قسم ہونے سے مراد اس کے دو رخ ہین۔ یہ دونوں رخ ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں۔ یہ دونوں رخ متضاد ہونے کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل متصل بھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایک دوسرے سے متضاد ہونے کا سبب صفت کا امتیاز ان دونوں رخوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ کر دیتا ہے تاہم ان دونوں رخوں کا مجموعہ ہی وجود شے کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب یہ دونوں رخ ایک جگہ ہوتے ہیں تو ان ہی کی اجتماعیت محسوس شے بن جاتی ہے۔ شے کا ایک رخ "محسوس" کرنے والا یعنی حساس ہوتا ہے اور شے کا دوسرا رخ وہ ہے جو محسوس کیا جاتا ہے ان دونوں رخوں کے مجموعہ کو مذہب کی زبان میں امر ربی کہا جاتا ہے۔ چناں چہ امر ربی کے دو رخ یا دو اجزاء ہوئے ایک رخ یا جزو جو صفت اور صلاحیت کا جاننے والا یا استعمال کرنے والا۔ دوسرا رخ وہ ہے جسے صفت یا صلاحیت کہتے ہیں۔ یہ دونوں اجزاء مل کر ایک امر ربی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ دونوں اجزاء متصل ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ یہی علاحدگی وہ فعل ہے جو تنزل کے بعد ایک اعتبار سے زمان اور دوسرے اعتبار سے مکان کہلاتے ہیں۔ جب یہ فعل حدودِ ذہن کے اطراف میں واقع ہوتا ہے تو اس کا نام

زمان ہے اور جب یہ فعل شکل وصورت کے اطراف میں ہوتا ہے تو اس کا نام مکان ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے والے کے ذہن میں جب نماز کی حس پیدا ہوتی ہے تو اس کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک رخ نماز کی ہیت اور دوسرا رخ نماز کا احساس کرنے والا ذہن۔

اگر اللہ تعالیٰ کا وجود اشیاء کو جوڑے جوڑے نہ بناتے تو یہ درمیانی فصل جو زمان و مکان بنتا ہے، پیدا نہ ہوتا۔ یہ فعل اس وقت تخلیق ہوتا ہے جب وجود شے میں ابعاد یعنی (Dimension) پیدا ہو جاتے ہیں۔ ابعاد عالم مثالی یعنی ناسوتی دنیا میں ہوتا ہے۔ یہ عالم ارواح میں نہیں ہوتا۔ اسی لیے عالم ارواح میں زمان و مکان نہیں ہوتے۔ وہاں موجود شے صرف امر مشکل ہوتا ہے امر متحرک نہیں ہوتا۔ زمان و مکان کا تعلق صرف عالمِ ناسوت تک محدود ہوتا ہے۔

قلندر بابا اولیاء کے روحانی مدارج

[۴] اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو پیدا کیا پھر نسل آدم کو پھیلانے کے لیے زمین پر بھیج دیا۔ رب زوالجلال کی مرضی کے مطابق تخلیق کا یہ سلسلہ برابر جاری و ساری ہے۔ جوں جوں آبادیاں بڑھتی گئیں آدمی کی ضرورتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو معبوث فرمایا پھر جب قبیلے اور قافلے والے زیادہ پھیلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے صحائف، توریت، زبور، انجیل اور آخر میں قرآن مجید کا نزول فرمایا۔ یوں ہدایت خداوندی کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آچکے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں حضور ﷺ تشریف لائے اور سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ آپ کے بعد کسی نبی کو نہیں آنا کیوں کہ نبوت آپ پر تمام کر دی گئی۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ کی سنت میں نہ تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی تعطل واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کے تحت اللہ کی سنت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ مخلوق خدا کی ہدایت کے لیے پہلے انبیاء مبعوث ہوتے رہے چوں کہ آنحضرت ﷺ خاتم اللانبیاء ہیں۔ اس لیے اب کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن اسی فریضہ کو اس فیضان نبوت کو جاری رکھنے کے لیے سیدنا حضور ﷺ کے وارث اولیاء اللہ کا ایک سلسلہ قائم ہوا جو کہ رہتی دنیا تک رہے گا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون"

اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غم آشنا زندگی سے مانوس ہوتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا جاتا ہے:

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"

انہیں اولیاء اللہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو قلندر کہلاتے ہیں۔

قلندر کون لوگ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قلندر اللہ کے وہ بندے ہیں جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے تابع فرمان ہوتا ہے لیکن اللہ کے یہ نیک بندے غرض، طمع، حرص اور لالچ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ مخلوق جب ان کی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہیں۔ تو وہ اس کو سنتے ہیں اور اس کا تدارک بھی کرتے ہیں۔ کیوں کہ قدرت نے انہیں اسی کام کے لیے مقرر کیا ہے۔

قلندر کا مقام محبوبیت سے بھی اعلا ہے کیوں کہ محبوبیت کے مقام پر پھر بھی دوئی باقی رہتی ہے کہ ایک عاشق اور دوسرا معشوق جب کہ مقام قلندری میں دوئی کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

من تو شُدم تو من شُدی، من تن شُدم تو جاں شُدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

[امیر خسرو]

والا معاملہ بن جاتا ہے۔ یہی وہ پاکیزہ بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں میرے ذریعے چیزون کو پکڑتے ہیں۔

ان ازلی سعید بندوں کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہر بندہ کا اللہ کے ساتھ محبوبیت کا رشتہ قائم ہے ایسی محبوبیت کا رشتہ جس میں بندہ اپنے اللہ کے ساتھ راز و نیاز کرتا ہے۔

حسن اُخریٰ سید محمد عظیم برخیا حضور قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ بند گان خدا کی اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں حضور قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ اکیس سلاسل کے مربی و مشفی ہیں اور گیارہ سلاسل کے خانوادہ ہیں۔ خانوادے کی تعریف یہ ہے کہ جسے امام سلسلہ کا ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام میں شامل ہیں۔ اور اس وقت ابدال حق حضور قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہیں۔ صدر و الصدور کا عہدہ وہ عہدہ جلیلہ ہے جہاں پہنچ کر سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے اور اس کے جواب میں تمام حاضر اور غیر حاضر اولیاء اللہ نے اپنے اپنے مقامات پر اپنی گردنیں جھکادی تھیں۔ یہ مقام وہ مقام ہے جو کہ تمام تکوینی نظام کو کنٹرول کرتا ہے۔

قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی مخلوق خدا کی خدمت کے لیے وقف رکھی۔ نوع انسان کی خدمت کے لیے انہوں نے جو شمع روشن کی وہ سلسلہ عظیمیہ کی صورت میں مخلوقِ خدا کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہے۔

سلسلہ عظیمیہ کی بنیاد رکھنے کے لیے حضور بابا رحمتہ اللہ علیہ نے بارگاہِ سرورِ کائنات فخر موجودات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ واسلام کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے درخواست قبول فرمانے کے بعد سلسلہ عظیمیہ کے قائم کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ یوں جولائی ۱۹۶۰ میں سلسلہ کی بنیاد قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ کے دست کرم سے رکھی گئی اور سلسلہ کا نام بھی آپ کے نام عظیم سے ہی منسوب ہے یعنی [عظیم] چوں کہ آپ گیارہ سلاسل کے خانوادہ ہیں اس لیے سلسلہ عظیمیہ میں طالب کو اسی روحانی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ جس رنگ میں اس کی افتاد طبع ہے۔ چون کہ قلندر بابا اولیاء مرتبہ قلندریت کے اعلا مقام پر فائز ہیں اور آپ کی ذات بابرکات کا رنگ بھی قلندریہ ہے۔ اس لیے سلسلہ عظیمیہ کا رنگ بھی قلندریہ ہے۔

ہر سلسلہ کے کچھ اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اسی طرح سلسلہ عظیمیہ کے بھی اغراض و مقاصد ہیں۔ سلسلہ عظیمیہ کے اغراض و مقاصد کچھ یوں ہیں۔

۱۔ صراط مستقیم پر گامزن ہو کر دین کی خدمت کرنا۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر صدق سے عمل کر کے آپ کے روحانی مشن کو فروغ دینا۔

۳۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا۔

۴۔ علم دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روحانی اور سائنسی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دینا۔

۵۔ لوگوں میں ایسی طرز پیدا کرنا جس سے وہ روح اور اپنی روحانی صلاحیتوں سے باخبر ہو جائیں۔

۶۔ تمام بنی نوع انسان کو اپنی برادری سمجھنا۔ بلا تفریق مذہب و ملت ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش انا اور حتی المقدور ان کے ساتھ ہمدردی کرنا۔

قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا تکوینی عہدہ اور مقام

حسن اخری سید محمد عظیم برخیا المعروف حضور قلندر بابا اولیاء علمی و روحانی دنیا میں کس مقام پر فائز ہیں وہاں تک ہماری رسائی نہیں شاید آئندہ نسلیں جب ان کا شعور ترقی کر جائے تو قلندر بابا کے مقام و مرتبے سے آشنا ہو جائیں۔ تاہم حضور قلندر بابا اولیاء کے مقام اور مرتبے کو جاننے کے لیے نظام تکوین کو سمجھنے کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے۔ تاکہ ہم اپنے فہم و ادراک کو اس قابل کر سکیں کہ وہ آپ کی شخصیت سے آشنا ہو سکے۔

جس طرح دنیا میں کسی حکومتی نظام کو چلانے کے لیے مختلف شعبے اور قائم کی جاتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالی نے بھی اپنا انتظام چلانے کے لیے باقاعدہ ایک سیکریٹریٹ ٹائم کیا ہوا ہے اسے نظام تکوین کہتے ہیں۔ اس نظام میں مختلف عہدے ہوتے ہیں جیسے جیسے نجباء، نقیا، ابرار، اخیار، اوتاد، مخدوم، شاہ ولایت، صاحب خدمت، اہل نظامت، اہل تفصیل، غوث، مدار تفہیم، قطب، قطب عالم، قطب تفہیم، قطب تعلیم، قطب مدار، قطب الاقطاب، قطب کوچک ابدال، ابدال حق، ممثلین، صدور الصدور وغیرہ۔۔۔

اولیاء اللہ کا نہایت برگزیدہ گروہ "اقطاب" کہلاتا ہے۔ یہ گروہ تکوین عالم کی ذمہ داریوں کو سرانجام دیتا ہے قطب عالم ایک ہوتا ہے، عالم غیب میں اس کا نام عبد اللہ ہوتا ہے۔ ہر بستی اور ہر شہر میں ایک قطب ہوتا ہے۔ قطب کے معاون اولیاء اللہ کا گروہ "ابرار" کہلاتا ہے۔ تکوین عالم کے کاموں میں مصروف اولیاء اللہ کی تعداد 7 بتائی جاتی ہے۔ نظام تکوین میں جو حضرات اللہ تعالی کی طرف سے ملنے والے حکم ااور پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے والے لوگ "اہل نظام" کہلاتے ہیں۔ اہل نظامت کی مرتب کردہ پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے والے لوگ ہیں "اہل تفصیل" کہلاتے ہیں نظام تکوین میں یہ حضرات اہم کردار ادا کرتے ہی۔

اسی طرح نظام عالم پر مقرر اولیاء اللہ کا طبقہ "ابدال" کہلاتا ہے۔ ان کی تعداد ۷۰ ہوتی ہے۔ ان کا کام نظام عالم کی نگرانی ہے۔ ان کی تقسیم کچھ اس کس طرح ہوتی ہے۔

بیس کوچک ابدال ہوتے ہیں، جن میں چھے حضرت خضر اور ۱۴ حضرت الیاس کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ چار بڑے ابدال جنھیں ممثلین کلیات یا صدر کہا جاتا ہے۔ انھیں میں سے ایک صدر الصدور کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوتا ہے۔ باقی تین صدر ابدال بھی اس کی زیر نگرانی میں ہوتے ہیں۔ صدر الصدور تکوینی نظام کا کنٹرولر ہوتا ہے اس وقت ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء صدا الصدور کے مقام پر فائز ہیں۔

قلندر بابا اولیاء اللہ تعالی کے نظام تکوین کے تحت کائنات کی ایک حضیرے کا بجٹ بنا کر اللہ تعالی کو پیش کرتے اور آئندہ سال کے لیے ہدایات لیتے ہیں۔ تکوین کا کام کرتے وقت چالیس سوالوں کو سننا، سمجھنا اور فوراً جواب دینا ۲۵ سے ۳۵ فرشتوں کی بیک وقت آواز سننا اور آرڈر دینا جب کہ کائنات کا فائل ورک کرتے وقت ایک گھنٹے میں ایک کروڑ فائل کو دیکھنا اور پڑھ کر دستخط کرنا آپ کا معمول تھا۔

حضور قلندر بابا اولیاء تمام اولیاء کی تاریخ میں واحد بزرگ جو ۲۱ روحانی سلاسل کے مربی و مشفی ہیں اور گیارہ روحانی سلاسل کے خانوادہ ہیں، اسی طرح تمام اولیاء میں حضور قلندر بابا اولیاء کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ انہوں نے روحانی اور آسمانی علوم کو محفوظ کرنے کے لئے باقاعدہ دستاویز (کتاب لوح و قلم نقشہ جات) کی صورت میں نوع انسانی کے لیے مرتب کیا۔

آپ درج ذیل روحانی سلاسل کے خانوادہ ہیں۔

1) سلسلہ نوریہ
2) سلسلہ قلندریہ
3) سلسلہ فردوسیہ
4) سلسلہ چشتیہ
5) سلسلہ قادریہ
6) سلسلہ نقشبندیہ
7) سلسلہ سہروردیہ
8) سلسلہ ملامتیہ
9) سلسلہ تاجیہ
10) سلسلہ جنیدیہ
11) سلسلہ سیفوریہ

کچھ یادیں کچھ باتیں

انکی نسبت بھی ہے، نام بھی، افکار بھی عظیم
گفتار بھی، اخلاق بھی، کردار بھی عظیم
روشن روشن راہوں والی سرکار بھی عظیم
شمس ہمارے رہبر ہیں ، دربار بھی عظیم

1958ء کا ذکر ہے دفتر کے ایک ساتھی محترم یوسف علی خان ترین صاحب سے ان کی علالت کے دوران ربط ضبط بڑھا- ان کی بیگم صاحبہ نے ایک دن تذکرہ کیا کہ وہ لوگ ایک بڑے بزرگ کے پاس جاتے ہیں- ترین صاحب کا مکان ناظم آباد کے بلاک نمبر تین میں تھا- قریب ہی ایک اور صاحب عین الدین رضوی رہتے تھے جو ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے- ترین صاحب کے گھر میں ان بزرگ کا تذکرہ اکثر ہوا کرتا تھا جن کو وہ بھائی صاحب کہتے تھے- مجھے بھی ملنے کا اشتیاق ہوا چنانچہ ایک روز میں بھی ان لوگوں کے ہمراہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا- مجھے زندگی میں پہلے کسی بزرگ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب نہ ہوئی تھی - چنانچہ عجیب گومگو کی حالت تھی کہ پتہ نہیں کیسے ہوں گے اور کیسے نہ ہوں گے-

گرمی کا زمانہ تھا- ون ڈی ون سیون کی پہلی منزل پر جہاں اب وقار یوسف عظیمی کا دفتر ہے وہاں دیوار کے پاس ایک لکڑی کے تخت پر جس پر نہ کوئی بستر تھا نہ چادر، ایک صاحب تشریف فرما تھے- میرے ساتھیوں نے عرض سلام کے بعد مصافحہ کیا اور خاتون سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئیں- میں نے بھی سلام کیا اور مصافحہ کے بعد سامنے پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا- میرا تعارف کرایا گیا- سن کے تبسم فرمایا- بیگم ترین اپنے ہمراہ پان بنا کر لے گئیں تھیں- وہ ڈبیہ میں منتقل کئے- پھر آپ نے سب کی فرداً فرداً مزاج پرسی کی اب میں سمجھا کہ آپ ہی بھائی صاحب ہیں-

بیٹھنے کے بعد میں نے آپ کو دیکھا- آپ صرف لنگی پہنے ہوئے تھے- اوپر کے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا- مجموعی تاثر ایک عام معمر شخصیت کا تھا- نہ کوئی طمطراق، نہ کوئی تقدس صرف اور صرف محبت اور شفقت کا احساس- گفتگو میں دھیما لہجہ اور لبوں پر مسکراہٹ، چہرہ پر سنجیدگی، آنکھوں میں سوچ اور فکر کی گہرائی- نشست میں انفرادیت تھی- دونوں پیروں کی ایڑیاں ران سے لگی ہوئی اور پنڈلیوں کے اوپر گھٹنوں سے نیچے دونوں ہاتھ اس طرح آئے ہوئے کہ دائیں ہاتھ کی پشت کو پکڑا ہوا- آپ کو بعد میں بھی ہمیشہ اسی نشست میں بیٹھے دیکھا-

اس زمانہ میں آپ بیڑی پیتے تھے- جب بھی پان یا بیڑی استعمال کرتے حاضرین کو پہلے پیش فرماتے- چنانچہ میں نے پان بھی کھایا اور بیڑی بھی پی- اتنے میں کھانے کا وقت ہو گیا- کھانا آگیا اور ہم سب نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا- تیسرے پہر اجازت طلب کر کے ہم لوگ واپس ہوئے- اس کے بعد آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا- عظیمی صاحب اور بچوں سے مانوس ہوا-

اگست 1960ء میں غلامی کی درخواست پیش کی - قبول فرمائی - حضرت خواجہ صاحب سے فرمایا کہ سبق دیدو - اس طرح مجھے غلامی کا شرف حاصل ہوا لیکن صورت یہ تھی کہ نہ میں آداب غلامی سے واقف اور نہ غلام سے کسی مشقت کا تقاضہ - صرف ذوق وشوق کے جذبے کی تزئیں پر زور - بیعت کے بعد ایک خاص تعلق خاطر وجود میں آیا - مراقبہ ہمیشہ سے جمعہ کو ہوتا تھا - میں نے پہلا مراقبہ 2 ستمبر 1960ء کو کیا - اس کے بعد حاضری میں اضافہ ہوا اور حضور بھائی صاحب کے ارشادات سننے ، اوصاف حمیدہ دیکھنے اور ان کے معمولات کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

استعمال کی ہر چیز کی ایک جگہ مقرر تھی۔ پان کھانے کی وجہ سے دانت لال ہو جاتے تو کوئلے سے دانت اچھی طرح صاف کرتے صفاءی کے بعد دانت ایسے چمکتے جیسے موتی۔ یہ کام اکثر عثمان آباد کے مکان میں ہوتا۔ بات نہایت واضح اور نرم لہجے میں کرتے۔ مزاح خود بھی فرماتے اور دوسرے کی شگفتہ بات کو پسند فرماتے۔ تبسم فرماتے یا ہنستے لیکن کبھی قہقہہ نہیں لگایا۔ کھانے میں کبھی تکلف نہیں کیا جو سامنے آیا کھالیا لیکن کبھی اچھے کھانے سے شوق بھی کرتے۔ ارشادات اور واقعات تو بے شمار ہیں جو ذہن میں گردش کر رہے ہیں۔ لیکن ان سب کو ترتیب دینا اور بیان کرنا مشکل ہے۔ صرف چند اہم واقعات ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔

ہمارے پیر و مرشد کا نام شمس الدین انصاری ہے۔ حضرت قلندر بابا اولیاء نے ہمارے پیر و مرشد کو خواجہ کا لقب عنایت فرمایا اور ہمیشہ اسی نام سے بلایا اور یاد کیا۔ سب سے پہلے ہمارے پیر و مرشد نے ہی اپنے پیر و مرشد کے نام نامی اسم گرامی "عظیم" کی نسبت سے عظیمی لکھا۔ پیر و مرشد کا انصاری ہونا اس طرح بھی مسلم اور معتبر ہے کہ جب آپ کو قلندر بابا اولیاء نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا "اے ابو ایوب انصاری کے بیٹے میں نے تجھے قبول کیا"۔

قلندر بابا اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب کو میں نے تیار نہ کرنا ہوتا تو دنیا کو میرے روحانی علوم کے بارے میں ہوا بھی نہ لگتی۔

1961ء کے اواخر میں ساری دنیا میں شور برپا ہوا کہ آئندہ سال پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے شاید قیامت ہی آجائے۔ تاریخ انسانی میں ایسی گھڑی کبھی نہ آئی تھی کہ سارے ستارے ایک ہی برج میں ایک قطار میں جمع ہو جائیں۔ ہندوستان میں بڑے بڑے جیوتشی، جوگی اور پنڈت اس گھڑی کو ٹالنے کے جتن کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ یورپ کے ممالک میں بھی کافی اضطراب پھیلا۔ لوگ قیامت کی تباہی سے محفوظ رہنے کے لئے پہاڑوں کی کھوئیں تلاش کرنے لگے۔ یہ سارا ہنگامہ 5 فروری 1962ء کے دن سے تعلق رکھتا تھا جب ستاروں کی یہ ترتیب رونما ہونے والی تھی۔ آشنائے راز ہائے کائنات قبلہ حضور بھائی صاحب (قلندر بابا اولیاءؒ) نے فرمایا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ اب ہماری کہکشاں ایک نئے کائناتی زون میں داخل ہو گئی ہے جس میں سرخی کا عنصر غالب ہے، چنانچہ اب ایسے حالات رونما ہوں گے جو اس کرہ ارض کے لئے اجنبی ہیں۔

15 شعبان (شب برأت) کے بعد قبلہ حضور کی مصروفیات میں بے اندازہ اضافہ ہو جاتا دراصل ۱۵ شعبان کو پوری کائنات کا اگلے سال کا بجٹ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جاتا ہے جو پالیسیوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ قبلہ حضور قلندر بابا اولیاء بحیثیت صدر الصدور اپنے حضیرے کا بجٹ پیش فرماتے۔ ہمارے کہکشانی نظام میں ایک ارب سورج، ایک ارب آباد کرات اور آٹھ ارب غیر آباد کرات (یہ غیر آباد کرامت اور ان کے ذیلی چاند آباد زمینوں کے اسٹور کا کام دیتے ہیں جہاں سے وسائل لہروں کی شکل میں آباد کرات یا زمینوں کی ضرورت کو پورا کرتے رہتے ہیں) ہیں۔ شعبان میں ان پالیسیوں کی تفصیل (جزئیات) کا کام شروع ہو جاتا ہے جیسے جیسے یہ پالیسیاں نزول کرتیں ہیں تکوین کے صاحبان خدمت پروگراموں کو آخری شکل دیتے ہیں۔ جہاں مشکلات سے دوچار ہوتے وہ قبلہ حضور بھائی

صاحب قلندر بابا اولیاءؒ سے رجوع کرتے۔ قبلہ فرمایا کرتے کہ چالیس سوالوں کو سننا، سمجھنا اور فوراً جواب دینا ان کا معمول تھا۔ لیکن جب استفسارات بڑھ جاتے تو آہستہ آہستہ شعور کو سنبھالنا مشکل ہوتا جاتا یہاں تک کہ وہ سو جاتے۔ اس دوران پنڈلیوں میں اتنی شدید تکلیف ہوتی کہ ان پر اپنی فوجی پٹیاں کس کر باندھ لیتے۔ اس دوران کمرے کا ماحول اس قدر چارج ہو جاتا کہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہماری آنکھیں بند ہونے لگتیں اور ہمیں جھونکے آنے لگتے۔ پیر و مرشد فرماتے ہیں کہ ایسی ہی کیفیت ان پر اس وقت طاری ہوتی جب حضور قبلہ ان کو "لوح و قلم" لکھواتے۔ اور اسی قسم کی کیفیت ہم دونوں پر اس وقت طاری ہوتی جب "لوح و قلم" کے مسودے کی دوسری کاپی بنانے کے لئے پیر و مرشد بولتے اور میں لکھتا یا میں بولتا اور پیر و مرشد لکھتے۔ اس دوران ہمیں غنودگی ختم کرنے کے لئے بار بار اٹھ کر منہ دھونا پڑتا۔ ارشاد فرماتے کہ چائے بناؤ۔

1965ء کی جنگ ہوئی تو مشرقی پاکستان سے پان آنا بند ہو گئے۔ کراچی والوں نے پان کے بدلے بے شمار پتے آزمائے، کبھی امرود کے تو کبھی پالک کے۔ قبلہ حضور اگر چاہتے تو ان کے لئے پان دستیاب ہونا مشکل نہیں تھا۔ لیکن آپ نے ہمیشہ عوامی قدریں اپنائیں۔ شہتوت کے پتوں پر کتھا چونا لگوا کر خود بھی کھایا اور آنے جانے والوں کو بھی بڑے شوق سے پیش کیا۔ جنگ بندی ہونے تک تمام دن کراچی کی فضائیں نیوی کی توپوں سے لرزتی رہتی تھیں۔ شام کو بلیک آؤٹ ہو جاتا تھا اور رات کے سناٹے کو پاک فضائیہ کے طیارے چیرتے رہتے۔ کبھی کبھی آسمانوں پر فضائیہ اور دشمن کے طیاروں کے درمیان جھڑپ میں پھلجھڑیاں چھوٹتیں یا شعلے لپکتے لیکن قبلہ حضور کے چہرہ مبارک پر کبھی تردد نہ دیکھا۔ چنانچہ جنگ بندی ہونے تک قبلہ حضور اور ہم لوگوں کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس زمانہ میں تکوینی نظامت کے ایک صاحب خدمت کو کراچی کی حفاظت کے لئے بطور خاص مقرر کر دیا گیا تھا۔ ان کا قیام گاندھی گارڈن کے قریب تھا۔ 24 گھنٹوں میں ان کو صرف چند پیالی چائے پینے کی اجازت تھی وہ بھی اگر کوئی پلا دے تو۔ جس روز ہندوستانی ہوائی جہازوں کا حملہ کراچی پر ہوتا اس کے دوسرے روز صبح کے وقت وہ صاحب قبلہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مٹھی بھر دانے حضور کی خدمت میں پیش کیے۔

جنگ سے پچھلا سال خصوصاً اپریل 1964ء قبلہ حضور کا بے انداز تکوینی مصروفیات کا زمانہ تھا- حضور قبلہ نے صاحبزادے کو بلا کر سمجھایا کہ ہمارے خاندان میں شکار پر پابندی ہے اس لئے تم کل صبح اپنے دوستوں کے ساتھ مت جانا- آفتاب میاں 14 اپریل 1964ء کو اپنی والدہ سے اصرار کر کے فجر کے وقت گھر سے نکل کر دوستوں کے ساتھ ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہو گئے- دس بجے جس گاڑی پر یہ سب لڑکے بیٹھے تھے حادثہ کا شکار ہو گئی- حادثہ میں صاحبزادے اور ان کے ایک دوست کا انتقال ہو گیا- اتوار کا دن تھا اس خبر کا اس قدر اثر ہوا کہ کمر کے دو تین مہرے اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور کمر جھک گئی اور ساتھ ہی دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی- ایک آنکھ کی بینائی تو تھوڑی دیر میں واپس آ گئی لیکن آپ پھر سیدھے نہ چل سکے- آفتاب میاں کے لوح مزار پر بجا طور پر "نور بصر" لکھوایا- کچھ عرصہ کے بعد فرمایا کہ یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ ایک دفعہ میرے ذہن میں خیال آیا کہ آفتاب اب بڑا ہو گیا ہے- میں اس کی شادی کر دوں گا اور میری ذمہ داریاں ختم ہو جائیں گی- بس اس بات کی پکڑ ہو گئی کہ تو کون ہوتا ہے کہ کچھ کر سکے- اللہ اکبر بڑے لوگوں کے معاملات بھی بڑے نازک ہوتے ہیں جب کوئی اللہ کا ہو جاتا ہے تو ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ کی ایما کے بغیر کچھ کرنے کا ارادہ بھی کر سکے-

عالی مرتبت بادشاہ

8اگست 1978ء کی وہ مبارک گھڑی مجھ کو آج بھی یاد ہے جب میرے آقا و مولا حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے مجھ سے فرمایا کہ آیئے آج آپ کو حضور قلندر بابا اولیاؒء سے ملوائیں۔ میں بصد شوق تیار ہو گیا اور ہم حضور قلندر بابا اولیاؒء کے آستانے کی طرف روانہ ہوئے۔ میں راستے بھر اپنے ذہن میں طرح طرح کے تصور قائم کرتا رہا کہ قلندر بابا ایسے ہوں گے ان کی اتنی بڑی داڑھی ہو گی۔ اس لئے کہ بچپن ہی سے ہمارے ذہن میں یہ بات تھی کہ بزرگ لوگ بہت موٹے ہوتے ہیں جتنی بڑی ان کی داڑھی ہوتی ہے اتنے ہی بزرگ ہوتے ہیں۔

قصہ مختصر ہم حضور قلندر بابا اولیاؒء کے آستانے پہنچے۔ وہاں پہنچ کر میرے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ میرے تصور کے بالکل برعکس دبلے پتلے، نورانی چہرہ سفید مگر چھوٹی داڑھی۔ ایک شاہانہ انداز سے پلنگ کے اوپر میرے حضور قلندر بابا اولیاؒء جلوہ افروز تھے۔ چہرے سے بے پناہ نرمی اور شفقت ٹپکتی تھی۔ میرے پیر و مرشد نے فرمایا کہ حضور یہ ہی ہیں ہمارے نسیم صاحب۔ حضور قلندر بابا اولیاؒء نے انتہائی پیار بھری مسکراہٹ سے مجھے دیکھا اور نہایت شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور دعا فرمائی۔ آپ کی مسکراہٹ اتنی حسین اور پر شفیق تھی کہ وہ ہمیشہ کے لئے میرے ذہن میں نقش ہو گئی۔ میں آج بھی گاہے گاہے اس مسکراہٹ کے تصور سے ان کے پیار کا رس نچوڑتا رہتا ہوں۔ میرے بابا جی تو اندر چلے گئے اماں جی سے ملنے اور قلندر بابا کے حضور میں اکیلا رہ گیا۔

میں نے حضور سے سوال کیا کہ تصوف کا کیا مطلب ہے؟

آپ نے قدرے توقف کے بعد فرمایا... "تصوف دراصل نور باطن ہے یعنی ایسا خالص ضمیر جس میں آلائش قطعاً نہ ہو..."۔

حضور قلندر بابا اولیاؒء کے اس فرمان پر جب غور کیا تو اللہ کی طرف سے جو رہنمائی حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر نور کا ایک نقطہ ہوتا ہے جو نوع انسانی کے لئے مشعل راہ ہے۔ لیکن جب ہم دنیا کے اندر مستغرق ہو جاتے ہیں اور دنیا کی آلائشیں اپنے اندر بھرنا شروع کرتے ہیں تو یہ آلائشیں اس نقطہ نور کے سامنے ایک دبیز پردے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں چونکہ آلائش نور کے اندر شامل نہیں ہو سکتی اس لئے نور اپنی جگہ برقرار رہتا ہے اور برابر رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن ہم صحیح رہنمائی حاصل نہیں کر پاتے کیونکہ ہماری سوچ اور ہماری فکر تک میں یہ آلائش شامل ہو چکی ہوتی ہے اس لئے ضمیر کی رہنمائی ہم تک اس آلائش میں سے آلودہ ہو کر پہنچتی ہے نتیجتاً ہم زندگی بھر بھٹکتے رہتے ہیں۔

ایک اور سوال کے جواب میں حضور قلندر بابا اولیاؒء نے فرمایا کہ

"انسان کی یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھتا رہتا ہے وہ یہ نہیں سوچتا کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اس کی پیشانی پر سامنے کی طرف کیوں دی ہیں۔ اگر پیچھے دیکھنا مقصود ہوتا تو اللہ کے لئے کیا مشکل تھا کہ وہ آنکھیں سر کے پچھلے حصے پر ہی لگا دیتے..."۔

حضور قلندر بابا اولیاؒء کے اس فرمان کی وسعتیں اتنی ہیں کہ انہیں چند اوراق میں نہیں سمیٹا جا سکتا۔ مختصراً یہ کہ ہمارے سامنے تاریخ بکھری پڑی ہے۔ تمام انبیاء متقدمین جب تشریف لائے اور قوموں کو ہدایت دی تو سب نے پلٹ کر یہی جواب دیا کہ ہم آپ کی بات کیسے مان لیں جبکہ ہمارے بڑوں نے اس کے برعکس کہا اور کیا ہے۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ وہ پیچھے پلٹ کر اپنے بزرگوں کی ہی

نقش پا دیکھتے رہے انہوں نے اپنے سامنے سچائی کے اس پیکر کو نہیں دیکھا اس کی بزرگی اس کے اعمال کو نہیں دیکھا- نتیجتاً وہ خسارے میں رہے- لیکن جنہوں نے ماضی میں دیکھنے کے بجائے اپنے آپ کو حال سے منسلک کر لیا وہ فائدے میں رہے-

میں ضمناً اس بات کا تذکرہ کرتا چلوں کہ مجھے پامسٹری کا بہت شوق تھا اور میں نے بے شمار ہاتھ دیکھے تھے لہٰذا حضور کا ہاتھ دیکھنے کی خواہش ایک قدرتی بات تھی- لیکن میں یہ گستاخی کیسے کر سکتا تھا- میری کسی طور ہمت نہیں پڑی کہ میں اپنی اس خواہش کا اظہار کر سکتا- لیکن میں نے دیکھا کہ حضور قلندر باباؒ نے پہلو بدلا اور اپنے دونوں ہاتھ اس انداز سے گود میں رکھ لئے کہ میں انہیں بآسانی پڑھ سکتا تھا- میں دور ہی سے اپنے شوق کی تسکین کرتا رہا- ایسا ہاتھ میں نے کبھی نہیں دیکھا بلاشک وشبہہ وہ ایک عالی مرتبت شہنشاہ کا ہاتھ تھا ایسا شہنشاہ جس کی دنیاوی اعتبار سے حکومت کی حدود نہ ہوں-

ان کے ہاتھ میں دماغ کی لکیر ایک مثالی لکیر تھی ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی، انتہائی گہری، ہاتھ میں Mystic Cross کر اس اس بات کا اعلان ہے کہ روحانیت کاملیت کی حدوں کو چھو رہی ہے- ہاتھ میں دل کی لکیر کی لمبائی اور ساخت اس بات کا اشارہ ہے کہ دل کسی کے عشق میں گم ہے مدہوش ہے۔

میرا یہ مشاہدہ ہے کہ یہ وصف دراصل عطا ہے اور ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہی نہیں بلکہ اس کی مخلوق کے بھی عاشق ہوتے ہیں- یہ لوگ محبت و عشق کا پیکر ہوتے ہیں- ان کی محبت سے حجر، شجر، چرند، پرند اور جن و انس سب یکساں طور پر مستفیض ہوتے ہیں-

ماورائی دنیا

قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ سے حیات جاودانی میں کی گئی ملاقاتوں کا احوال

[۸] حامل علم لدنی، واقف اسرار کن فیکون، ولی کامل، ابدال حق حضور قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کی بابرکت اور باکرامت ذات والا صفات مجھ ناقابل تذکرہ شے کے بیان سے باہر ہے۔ اتنی جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستی کی شان میں قلم اٹھانا چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہے لیکن ادب، عقیدت اور محبت کا تقاضا ہے کہ اپنے ولی کی شان میں اپنے کم مایہ ہی سہی لیکن دلی جذبات کا اظہار کروں۔ حضور قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کی نوازشیں اور کرم نوازیاں تو مجھ پر سلسلہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی سے جاری تھیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ عظیمیہ تک ان ہی کی نظر کرم نے مجھے پہنچایا ہے۔ شاید یہ وجہ ہے کہ مجھ پر ہمیشہ لطف و کرم کی بارش ہوتی رہی ہے اور کیوں نہ ہو؟ عظیمی شجر مبارک کی بنیاد اور جڑ تو وہ ہی ہیں۔ ایک مضبوط اور تناور تنے [حضور اباجی] اور ہم سب شاخوں، پتوں، پھولوں، پھلوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ پورے درخت کو مضبوطی سے سنبھالے رکھنا درخت کے تمام حصوں کی آبیاری کرنا ان کو ہرا بھرا رکھنا۔ مرجھانے نہ دینا یہ سب جڑ ہی کا تو کام ہے۔ اسی لیے میری جڑ بھی میری دیکھ بھال میری تکلیف و آرام سے کبھی غافل نہیں رہی۔ کبھی تسلی تشفی، کبھی کچھ اشارے، کچھ رہ نمائی، چاہے میں سمجھی نہ سمجھی لیکن میرے رہ نما، میرے جدا اعلا میرے ولی کی طرف سے برابر جاری و ساری ہے۔

ا۔ ایک بار مراقبہ میں دیکھا کسی محفل میں حضور قلندر باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ صدر محفل بنے ایک تخت کے شروع سرے پر جو گیا رنگ کا کرتا پاجامہ زیب تن کیے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے براجمان ہیں۔ کچھ دوسری خواتین بھی محفل میں شریک ہیں۔ میں زمین پر حضور قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کے پیروں کے پاس بیٹھی ان کے گھٹنوں پر اپنے دونوں ہاتھ اور سر رکھے رو رہی ہوں اور پوچھ رہی ہوں:

"بتایئے میں کیا کروں۔"

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

"چالیس مرتبہ سورۃ یٰسین پڑھو"

پڑھنے کے طریقہ کار کے بارے میں میں نے پوچھا تو فرمایا:

[نام لے کر جو کہ مجھے بالکل یاد نہیں رہا تھا] "صاحبہ تمہیں بتائیں گی۔"

کسی صاحب کو نام سے پکار کر فرمایا "انہیں صاحبہ کے پاس لے جاؤ۔"

وہ صاحب مجھے وہاں سے لے کر چلے بہت دیر تک پیدال ان صاحب کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ رات بہت ہوتی جارہی تھی جگہ اور راستے میرے لیے نئے اور انجانے ہیں۔ لیکن میں بے خوف و خطر قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کے حکم پر راستے طے کرتی رہی آخر کافی دیر چلنے کے بعد ان صاحبہ تک پہنچے۔ دیکھا ایک صاحبہ سیاہ فریم کا نظر کا چشمہ لگائے سانولے سے رنگ کی، سفید لباس، سفید موٹا سا چادر نما دوپٹہ اس طرح اوڑھے ہوئے ہیں کہ صرف ایک طرف کا تھوڑا سا چہرہ اور تھوڑے سے گھنگریالے بال نظر آرہے ہیں۔ مراقبہ کی سی

کیفیت میں سر جھکائے بیٹھی ہیں۔ چوں کہ شکل صاف نظر نہیں ارہی ہے اس لیے عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہو پارہا لیکن زیادہ عمر رسیدہ نہیں ہیں۔ سلام عرض کرنے پر انہوں نے نظریں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور سورۃ یٰسین کی تفصیل اور طریقہ بتایا جو کہ مراقبہ کے اختتام پر میں بھول گئی۔ تفصیل اور طریقہ معلوم کر لینے کے بعد اپنے رہبر کے ساتھ واپس ہولی۔ میں نے ان صاحب سے اس جگہ کا نام پوچھا تو بتایا کہ ڈرگ روڈ ہے تو میں بہت ڈری کیوں کہ میرے گھر سے تو ڈرگ روڈ بہت دور ہے۔ پیدل جارہے ہیں۔ گھر پہنچنے تک تو رات اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔ شوہر آفس سے آگئے ہوں گے۔ وہ تو مجھے بہت ڈانٹیں گے کہ اتنی رات میں اتنی دور ڈرگ روڈ اکیلی کس لیے گئی تھیں۔" ذہن میں سارے اندیشے تو آرہے ہیں لیکن دل مطمئن ہے کہ میں خود تھوڑی گئی تھی۔ حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ نے بھیجا تھا" ساری ذمہ داری ان کے اوپر ڈال کر خود بے فکر ہو کر راستے طے کرتی رہی، آخر مراقبہ ختم ہو گیا۔ دو تین دن تک مراقبہ کی کیفیت کا اثر بھی زہن سے نکل گیا چون کہ اس وقت تک میں عظیمیہ سلسلہ میں باقاعدہ داخل نہیں ہوئی تھی، لہذا مراقبوں کی کیفیات کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی۔ لیکن ایک بات ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے کے مراقبے آج تک حافظہ میں محفوظ ہیں۔ جب کبھی پچھلی کیفیات کے بارے میں سوچتی ہوں تو ذہن اور دماغ میں ایک فلم چلنے لگتی ہے اب یہ اور بات ہے کہ نام وغیرہ یاد نہیں رہے، یا مراقبوں ہی میں میں نے ناموں پر کچھ توجہ نہ دی جس کی وجہ سے وہ حافظہ سے نکل گئے۔ مراقبوں کی کیفیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے حضور اباجی کی خدمت میں بھی کبھی ان کی تفصیل پیش نہیں کی۔ حالاں کہ میں برابر ہی اباجی کی خدمت میں حاضری دیتی رہتی تھی۔ اکثر بہنوں سے حضور اباجی کے یہاں ملاقات ہوتی رہتی تھی ان سے جان پہچان ہو گئی تھی۔ بیعت ہونے کے بعد جب سلسلہ کی بہنوں سے تعارف ہوا تو کئی بہنیں پرانی شناسا نکلیں کافی عرصے بعد جب حضرت سعیدہ باجی سے پہلی ملاقات ہوئی تو ان سے مل کر ان کو دیکھ خوشی تو بہت ہوئی لیکن پہلی مرتبہ ملنے کا وہ ذوق وشوق اور اشتیاق میں نے اپنے جذبہ میں نہ پایا جو کہ دوسری بہنوں میں پایا جارہا تھا۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ ملاقات اور رشتہ تو بہت پرانا ہے بس یہ ملاقات کافی عرصہ بعد ہوئی ہے۔

ایک دن باجی صاحبہ نماز سے فارغ ہو کر وظائف میں مشغول تھیں۔ میری نظر ان کی طرف اُٹھ گئی۔ اچانک ذہن میں کرنٹ لگا ان کی شکل وصورت، ان کے بیٹھنے کا انداز، ان کا جھکا سر چہرے کا رخ، زاویہ۔ یہ سب تو پرانی فلم تھی۔ جو برسوں پہلے حضور قلندر بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھیج کر ان سے میرا رشتہ قائم کیا تھا۔ ورنہ تو انجانی اور نئی شکل میں مراقبہ میں کیوں دیکھتی۔ اب مجھے ان کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ وہ حقیقتیں نظر کے سامنے جیتی جاگتی چلتی پھرتی موجود تھیں۔

ایک دن میں نے "لوح وقلم" کی کلاس کے بعد حضور اباجی کی جناب میں اپنا مراقبہ گوش گزار کیا۔ اباجی نے فرمایا اگلے ہفتہ اپنی کلاس کے بعد یہاں اپنی بہنوں کے ساتھ غالباً ۱۷ بار [تعداد یاد نہیں رہی] پڑھ لینا" اگلے ہفتے کلاس ختم ہونے کے بعد ختم شریف کا اہتمام کیا گیا۔ میری انتہائی خوش نصیبی کہ اس محفل میں میں اور اباجی بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ پڑھائی مین بھی اور پھر ختم شریف کے بعد دعا بھی حضور اباجی نے فرمائی۔ باباصاحب حضرت قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ کا میرے لیے ختم شریف کا حکم کیوں تھا۔ یہ معلوم کرنے کی میں نے ضرورت محسوس نہ کی۔

۲۔ مراقبہ میں ایک دن دیکھا "لوح وقلم" کی کلاس ہو رہی ہے۔ کلاس ختم ہونے کے بعد حضور اباجی زمین پر بچھی دری پر کچھ دیر آرام کی غرض سے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے ہیں اور آنکھیں بند کر لی ہیں۔ جب اباجی کو لیٹے کچھ دیر ہو گئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھ

کر ان کے پاس گئی۔ اس وقت میں نے اپنے آپ کو تین یا چار سال کی بچی کے روپ میں دیکھا۔ اباجی کے پاس جا کر میں نے کہا اٹھیے۔
اباجی بڑے نرم اور دھیمے لہجے میں فرماتے ہیں: "ہاں ابھی اٹھتا ہوں"
لیکن مجھے بے چینی ہو رہی ہے اور یہ فکر ہے کہ اباجی سو نہ جائیں۔

اباجی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرتی ہوں اپنی ساری طاقت صرف کر کے بھی میں اباجی کو نہیں اٹھا سکی۔ چوں کہ چار پانچ سال کی بچی ہوں اس لیے تھک کر ہار مان لی اور سرہانے کی طرف جا کر بیٹھ گئی۔ اباجی لیٹے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بچی پریشان ہو گئی ہے تو اس طرح سے مسکراتے ہوئے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"لو بھئی اٹھ گئے۔ تم نے تو ذرا دیر بھی نہیں لیٹنے دیا۔ چلو۔"

اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیئے۔ میں خوشی خوشی ان کے ساتھ جا رہی ہوں۔ اندر بڑے کمرے میں ایک طرف بڑی ساری فرشی دری پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ بہت سی عورتیں بھی بیٹھی ہیں۔ ایک طرف صوفہ لگا ہے۔ میں جا کر ابا کے ساتھ فرش پر کونے ہی میں بیٹھ جاتی ہوں۔ اتنے میں حضور قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ تشریف لاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بڑے سائز کی گہری ہرے رنگ کی پلاسٹک کور والی "لوح و قلم" ہے میری طرف بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:
"لو بھئی یہ لو اور اس کو اچھی آواز سے کوئی پڑھے۔"

میں نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے کتاب پکڑ لی اور بہت خوش ہو کر اپنے پاس رکھ لی۔ قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور صوفہ تک لائے۔ ایک طرف حضور اباجی صوفہ پر بیٹھے۔ بیچ میں مجھے بٹھایا اور دوسری طرف خود بیٹھ گئے۔ میں بہت اپنائیت بہت بے تکلفی سے خوش خوش دونوں بزرگوں کے درمیان اس طرح بیٹھی ہوں کہ ایک طرف میرے کندھے پر حضور اباجی ہاتھ رکھے ہیں دوسرے کندھے پر قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ۔ میں چاروں طرف دیکھ رہی ہوں اور یہ محسوس کر رہی ہوں کہ میں اپنے دادا یا نانا اور والد کے درمیان بیٹھی ہوں۔ اتنے میں کسی آواز سے مراقبہ ختم ہو گیا۔

۳۔ ایک مرتبہ دیکھا کوئی تقریب ہے اور اس کا اختتام ہو چکا ہے۔ رات کا وقت ہے۔ صرف دو چار مہمان رہ گئے ہیں۔ جن کو رخصت کرنے حضور قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ گیٹ پر کھڑے ہیں۔ میں بھی رخصت ہونے کی اجازت لینے کے لیے وہیں کھڑی ہوں۔ میرے قریب دو انگریز دلہنیں بھی کھڑی ہیں۔ اچانک اباجی حضور اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں۔
"تم کیسے جاؤ گی۔"
[اباجی روزمرہ بھی اسی طرح ہم سب سے گھر واپس آتے وقت فرداً فرداً پوچھتے ہیں اور واپسی کے لیے انتظام کرتے ہیں]
قبل اس کے میں کوئی جواب دیتی حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "اس کو ہم لے جائیں گے۔"

۴۔ ایک رات نیم بیداری کے عالم میں دیکھا حضور اباجی میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ بہت جلدی میں ہیں۔ فرمایا "فوراً چل آ" میں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ چلتے چلتے ایک ویران سی غیر آباد جگہ پہنچے۔ وہاں صرف ایک کمرہ بنا ہوا ہے۔ جس میں نہ کوئی کھڑکی ہے نہ اندر داخل ہونے کا کوئی دروازہ۔ پھر بھی پتہ نہیں کیسے ہم دونوں اندر کمرے میں پہنچ گئے۔ اندر جاتے ہی اباجی نے فرمایا: "لاؤ بھئی بس اب جلدی کرو"

میں بہت اچھا کہہ کر کمرے میں کچھ تلاش کرنے لگی۔ جب کہ کمرہ ویران اور خالی پڑا تھا۔ اب پتہ نہیں کس طرح اس میں میرا سامان رکھا ہے۔ میں اپنی کتابیں میز پر تلاش کر رہی ہوں جو وہاں نہیں۔ اتنے میں میری نظر اٹھی تو دیکھا اباجی کے قریب حضور قلندر بابا عجمتہ اللہ علیہ کھڑے۔ اباجی نے پھر اپنا جملہ دہرایا: "جلدی کرو بہت دیر ہو رہی ہے۔"

میں عظیم المرتبت دو بزرگوں کی موجودگی میں نروس ہوتے ہوئے تلاش میں زیادہ مستعد ہوں لیکن جو چیز میں تلاش کر رہی ہون وہ نہیں مل رہی۔ تیسری مرتبہ اباجی نے فرمایا۔ "بھئی جلدی دو کوئی چیز حضور اکرم ﷺ کے دربار میں دیر نہیں کی جاتی۔ حضور اکرم ﷺ دیر ناپسند فرماتے ہیں۔"

میں نے عرض کی: "اباجی بس ایک منٹ میں اپنا رجسٹر ڈھونڈ رہی ہوں۔ پتہ نہیں کہاں رکھ کر بھول گئی۔"

ابھی یہ الفاظ اچھی طرح سے میرے منہ سے ادا بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ حضور قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ علیہ اباجی کے درمیان میں اوپر کندھے کی طرف سے ایک ہاتھ آگے ایا اور اس ہاتھ نے میرے چشمہ کے کور پر جو وہاں رکھا تھا، مہر لگا دی۔ مہر لگنے پر مجھے خوشی تو بے حد ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی مہر لگا دی۔

۵۔ مراقبہ میں دیکھا بہت سے لوگ بہت نظم وضبط اور خاموشی کے ساتھ جلوس میں جا رہے ہیں۔ سب سے آگے اور پہلی لائن میں سیدھے ہاتھ پر پہلے صاحب سر پر سلیٹی رنگ کا بڑا سا صافہ باندھے، ہاتھ میں بہت بڑا موٹا براؤن رنگ کا چمڑے کی جلد کا رجسٹر لیے وزیر حضوری پیرانِ پیر حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ دوسرے صاحب سفید کرتے پاجامہ میں ملبوس حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ اور تیسرے صاحب مرشد کریم اباجی ہیں۔ آپ تینوں حضرات ایک ہی لائن میں تیزی سے چلے جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے دوسری لائن میں اسی طرح دوسرے تین آدمی ہیں۔ اسی ترتیب سے ساری لائنیں ہیں۔ سب سے پہلی لائن کے تینوں بزرگ اللہ کے دوست حضرات بہ ظاہر ایک لائن میں جا رہے ہیں لیکن قدم دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تینوں میں فاصلہ ہے جو کہ غور سے دیکھنے پر نمایاں ہوتا ہے۔

۶۔ ایک رات بعد نماز عشاء جائے نماز پر بیٹھی اسباق پڑھ رہی تھی۔ درود شریف پڑھتے پڑھتے آنکھیں بند ہو گئیں۔ بیداری کا علام تھا۔ درود شریف کا ورد جاری تھا کہ دیکھا ایک دم میرے سیدھے ہاتھ کی طرف حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ ہی دو حضرات اور ہیں۔ بہت لمبی جسمات کے دبلے جسم کے دونوں حضرات سر سے پیر تک کالے لباس میں ملبوس ہیں۔ جتنی لمبی جسامت کے دونوں حضرات ہیں اتنے ہی قد و قامت کے قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ کا قد اتنا لمبا کیسے ہو گیا کہ قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے اٹھنے کا حکم دیا۔ حکم سنتے ہی میں خوف زدہ ہو گئی کہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی جو مجھے اٹھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ تو دونوں حضرات فرشتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں آئے ہیں۔ لیکن حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے میرا خوف ختم ہو گیا۔

دوسری دفعہ قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ کا حکم سنتے ہی دونوں حضرات نے میرا بازو کندھے سے پکڑ کر کہا: "اٹھو چلو۔"

ان کے کہنے اور اٹھانے سے مجھے ڈر محسوس ہوا اور سوچا یہ فرشتے نہیں ہیں جنات ہیں چوں کہ سلسلہ عظیمیہ میں جنات بھی شامل ہیں۔ اس لیے حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ آئے ہیں۔ چوں کہ جنات کی تخلیق نسمہ مفرد پر ہوتی ہے اس لیے یہ حضرات لمبے قد کے ہیں پتہ نہیں مجھے کہاں لے کر جائیں یہ سوچ کر بہت ہمت کر کے انہیں جواب دیا کہ میں درود شریف پڑھ رہی ہوں۔ میں کہیں

نہیں جاؤں گی اور جائے نماز پر اچھی طرح جم کر بیٹھ گئی ت کہ یہ حضرات مجھے اٹھانا چہیں تو اٹھا نہ سکیں۔ سکڑتے سکڑتے ایک دم ہوشیار ہو گئی۔ مزے کی بات کہ جس طرح بیٹھ کر درود شریف کا ورد کر رہی تھی نشست کی وہ صورت نہیں تھی۔ میں باقاعدہ سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ کہاں تو مراقبہ میں ڈر لگ رہا تھا اور سمٹ جانے والی پوزیشن اسی ڈر کا نتیجہ تھی لیکن ہوشیار ہونے کے بعد اپنے آپ کو اس کیفیت میں دیکھ کر خود بخود ہنسی آ گئی۔

تعلیمات

باب پنجم

سوچ

(یہ مضمون حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جنبش قلم کا نتیجہ ہے جو جنوری ۱۹۹۰ میں روحانی ڈائجسٹ کے صفحات کی زینت بنا۔ اس مضمون کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔)

میرے مرشد کریم حضور قلندر باباولیاءؒ اکثر فرماتے تھے کہ.....

"انسان کی یہ عادت ہے کہ وہ گفتگو میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی اور استعارے سے کام لیتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی آدمی کی تعریف کرنا مقصود ہو گی تو اسے عرش تک پہنچادے گا اور جب اس سے ناراض ہو جائے گا تو اسی آدمی کو فرش نہیں بلکہ تحت الثریٰ میں لے جانے کی کوشش کرے گا"--

یہاں میں اپنا ایک واقعہ بیان کروں..... میرے ایک پیر بھائی تھائی لینڈ میں مقیم ہو گئے اور انہوں نے وہاں سے حضور قلندر باباولیاءؒ کو اپنے پاس بلانے کے لئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیج دیا مجھے جب اس بات کا علم ہوا تو مجھے خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں قلندر باباولیاءؒ میرے پاس سے چلے نہ جائیں...

اس خیال کے نتیجے میں مجھ پر بہت زیادہ رقت طاری ہو گئی اسی صدمے کی کیفیت میں میں نے انہی پیر بھائی کے متعلق چند سخت الفاظ کہے میں اس سوچ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھا کہ اگر قلندر باباولیاءؒ یہاں سے چلے جائیں گے تو ہم یہاں کیا کریں گے... اسی رات میں نے ایک خواب دیکھا...

دیکھا کہ میں سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوں.. میں نے بارگاہ رسالت مآب میں ہدیہ درود و سلام پیش کیا- سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تھائی لینڈ میں مقیم پیر بھائی کا نام لے کر مجھ سے پوچھا... "یہ کیسے آدمی ہیں؟ میں نے کہا.. بہت اچھے آدمی ہیں... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا....

"بہت اچھا آدمی، خراب آدمی کیسے ہو سکتا ہے"--

حضور صلیاللہ علیہ وسلّم کے اس فرمان سے مجھ پر رعب کی کیفیت اتنی زیادہ طاری ہوئی کہ میں گھبرا کر بیدار ہو گیا-میرے ذہن پر اتنا وزن پڑا کہ میں پھر رات بھر سو نہ سکا- صبح سویرے مرشد کریم حضور قلندر باباولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد انہیں رات کا خواب سنایا... خواب سننے کے بعد مرشد کریم نے فرمایا... "ایک طرف تو آپ ان کو اچھا آدمی کہتے ہیں دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا آپ کی کس بات کا یقین کیا جائے...

بھئی ایک بات ہونی چاہئیے اگر آدمی اچھا ہے تو اچھا ہے اور اگر برا ہے تو پھر برا ہے ایک ہی آدمی اچھا اور برا کیسے ہو سکتا ہے... اس خواب کے ذریعے سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے آپ کی اصلاح فرمائی ہے "--

مرشد کریم حضور قلندر باباولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ...

"آدمی گفتگو میں مبالغہ بہت کرتا ہے اور یہ بشری کمزوری ہے"-

باباصاحب نے اس کمزوری سے بچنے کے لئے ایک طریقہ بتایا ہے کہ...

" کبھی کسی آدمی کو برا نہ کہو"- اگر وہ برا بھی ہے تو وہ جانے اور اللہ تعالیٰ جانے اگر آپ کسی کو اچھا کہیں گے اور اس میں مبالغہ بھی شامل ہو گیا تو اس کی جزا نہیں ملی تو سزا بھی نہیں ملی-اس لئے سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ کوئی آدمی برا ہو یا اچھا ہو اسے اچھا ہی سمجھا جائے لیکن یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ کسی فرد کے ساتھ آپ نے خلوص، محبت کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اس کے کام آئے لیکن اس کے بدلے میں اس نے آپ کو پریشان کیا، اب اس فرد کے اس سلوک پر آپ اسے برا کہتے ہیں لیکن یہ بھی تو سوچئے کہ آپ اس سے قبل ایک مرتبہ اس کو اچھا کہہ چکے ہیں--

یاد رکھئے کسی بھی مذہب کے بڑوں یا بزرگوں یا رہنماؤں کو کبھی برا نہ کہیں جب آپ کسی مذہب کے بڑوں کو برا نہیں کہیں گے تو ظاہر ہے اس مذہب کے افراد آپ کے مذہب کے بڑوں کو بھی برا نہیں کہیں گے... یہی وہ اخلاق حسنہ ہے جس کی تعلیم سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں دی ہے--

حضور قلندر بابا نے فرمایا ہے

"انفرادی سوچ بے کار ہے جب کہ اجتماعی سوچ انسان کا حاصل ہے جس کے زریعے کوئی انسان Gravity کو توڑ سکتا ہے اس کے بر عکس انفرادی سوچ سے آدمی کشش ثقل کو نہیں توڑ سکتا"-

مرشد کریم حضور قلندر باباولیاؒء نوع انسانی کے ہر فرد کو بالعموم اور سلسلہ عظیمیہ کے افراد کو بالخصوص یہ سبق اور پیغام دیتے ہیں کہ انفرادیت سے آزاد ہو جاؤ اور انفرادیت سے آزاد ہو کر اپنی فکر کو اجتماعی بنالو-

باباصاحب فرماتے تھے....

"فقیر کی عجب شان ہے" ...

میں نے عرض کیا، حضور کیا شان ہے؟

فرمایا..

"لوگ بے وقوف بناتے ہیں آخر تک بنتا رہتا ہے.. فقیر یہ سمجھتا ہے کہ مجھے بے وقوف بنا کر یہ خوش ہو رہا ہے تو چلو اسے خوش ہونے دو.. وہ بے وقوف بنتا چلا جاتا ہے تاوقتیکہ وہ بندہ خود ہی بھاگ جائے یا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے"--

پھر فرمایا.. "سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں..

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے "-

مومن کا دیکھنا بھی عام انسانوں کی ہی طرح سے ہوتا ہے لیکن عام انسان کی نگاہ پر محدود شعور کا چشمہ لگا ہوتا ہے اور مومن کی آنکھ پر اللہ کے نور کا چشمہ لگا ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کے نور کے ذریعے جو کچھ دیکھتا ہے اس کا اظہار نہیں کرتا --

قلندر بابا نے مزید فرمایا:

"عام حالات میں آدمی تمہاری تعریف اس لئے کرتا ہے کہ اسے تمہاری ذات سے کوئی توقع ہے کہ اس کا کام ہو جائے..

مثلاً اس نے ایک توقع قائم کر لی ہے کہ مجھے اس آدمی سے کسی بھی وقت ایک ہزار روپے مل جائیں گے چونکہ اس نے توقع قائم کی ہوئی ہے لہٰذا اس بنیاد پر وہ موقع ملے تو خوشامد بھی کر لے گا..

حضور قلندر بابا فرماتے ہیں:

"کسی کی تعریف سے کیا خوش ہونا اور کسی کی برائی سے کیا دل برا کرنا"--

فرمایا..

"----- کوئی اچھا کہے یا برا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ فروعی چیزیں ہیں انہیں کبھی خاطر میں نہیں لانا چاہئے.. بس اپنی طرف سے جس کے ساتھ بھلائی کرنا ممکن ہو کرو، اگر بھلائی نہ کرسکتے ہو تو کوئی مجبور تو نہیں کر رہا.. یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ ایسے آدمی کو جو فٹ پاتھ پر پڑا ہے اسے محل دے دے.. اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے لوگوں کے ساتھ آپ جو کچھ کرسکتے ہیں کر دیں"-

اگر آدمی محدود سوچ سے آزاد ہو جائے تو اس کے اندر سے خوشی، غم دونوں نکل جاتے ہیں--خوشی، غم کے بعد جو کیفیت ہوتی ہے اس کا نام لغت کی کتابوں میں نہیں ہے.. اسے سرور کہنا بھی اس لئے مناسب نہیں ہے کہ سرور جب ٹوٹتا ہے تو انسان کے اوپر اذیت ناک کیفیت ہوتی ہے.. لہٰذا اس کو ہم سرور نہیں کہہ سکتے..

حضور قلندر باباولیاؒء نے مجھ سے فرمایا کہ....

"اس کو "کیفیت" بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ خوشی، غم دونوں سے نجات حاصل کرلیتا ہے.. اسے آپ لنگوٹی بندھوا دیں تو مطمئن ہے.. اسے اطلس و کمخواب کے کپڑے پہنا دیں تو ٹھیک ہے..

اسے مرغی کھلا دیں تو بھی ٹھیک ہے اور روکھی روٹی کھلا دیں تب بھی اطمینان ہے اس لئے کہ وہ خوشی اور غم دونوں سے ماوراء کیفیت میں ہے...

ایسے بندوں کو اللہ اپنے پاس سے کھلاتا ہے.. اپنے پاس سے پہناتا ہے اور وسائل کو اس کے تابع کر دیتا ہے جبکہ بندہ وسائل کے تابع نہیں رہتا"--

ارشادات

[۲] قلندر باباولیاءجب کسی موضوع پر تبصرہ فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے ان کا ذہن ایک دریائے ناپیدا کنار اور ذخیرہ انوار ہے اور یہ انوار الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں، حاضرین مجلس ان کی گفتگو سے مبہوت ہو جاتے۔

اولیائے کرام اور عارف باللہ کشف اور الہام سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مراقبے کے ذریعے کشف اور الہام کی طرزیں ان کے ذہنوں میں اتنی مستحکم ہو جاتی ہیں کہ وہ مظاہر کے پس پردہ کام کرنے والے حقائق سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ذہن مشیت الٰہیہ کے اسرار و رموز کو بہ راست دیکھتا اور سمجھتا ہے اور پھر وہ قدرت کے راز دار بن جاتے ہیں۔ ان روحانی مدارج کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ان حضرات کا ذہن، ان کی زندگی اور زندگی کا ایک ایک عمل مشیت اور رضائے الٰہیہ کے تابع ہو جاتا ہے۔

مرشد و مکرم، منبع رشد و ہدایت، شیخ طریقت، عالم علم لدنی، ابدال حق حضرت سید محمد عظیم برخیا المعروف قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ کی ذات گرامی علم و عرفان کا ایسا سمندر ہے جس کے کنارے نور نبوت سے ملتے ہیں۔ آپ کی ہستی ایک ایسا ہیرا ہے جس کی تراش و خراش خاتم النبیین حضور علیہ الصلوۃ وسلام کے فیض و کرم سے عمل میں آئی ہے۔ آپ کی شخصیت ایک ایسا آفتاب ہے جس کی ضیاء پاشی نور الٰہی اور نور نبوت کے فیضان سے قائم دائم ہے۔

جن لوگوں نے باباصاحب کو دیکھا ہے اور رموزِ حکمت سے لبریز ان کے ارشادات سنے ہیں ان پر یہ حقیقت روشن ہے کہ باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ قدرت کے معاملے میں کتنا دخل رکھتے ہیں۔ اکثر اوقات گفتگو کے دوران وہ ایسے بنیادی نکات بیان کر جاتے تھے۔ جو براہ راست قوانین قدرت کی گہرائیوں سے متعلق ہیں اور جنہیں سن کر سننے والے کے ذہن میں کائنات میں جاری و ساری اصول و قوانین کا نقشہ آجاتا تھا۔

قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ جب کسی موضوع پر تبصرہ فرمایا کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کا ذہن ایک دریائے ناپیدا کنار اور ذخیرہ انوار ہے اور انوار الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر باباصاحب کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں۔ حاضرین مجلس اکثر ان کی گفت گو سے مبہوت ہو جاتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ نظامت کائنات سے متعلق قدرت کے قواعد و ضوابط اور ان پر عملدرامد کے قانون کو عام فہم زبان میں اس طرح بیان کرنا باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ جیسے عالم علمِ لدنی ہی کا وصف ہو سکتا ہے۔ باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات اور ملفوظات پیش کرنے کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کے ذہن، ان کی طرزِ فکر اور ان کی تعلیمات سے عوام متعارف ہو جائیں اور ان کے سامنے یہ بات آجائے کہ اولیاء اللہ کی طرزِ فکر کیا ہوتی ہے۔ وہ کس طرح سوچتے ہیں اور ان کے روز و شب کس طرح گزرتے ہیں۔

زمان و مکاں:

ایک نشست میں بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے زمانیت اور مکانیت کی حقیقی طرزوں پر روحانی نقطہ نظر سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ہر تخلیق دو رخوں کی شکل وصورت میں وجود رکھتی ہے۔ چناں چہ زندگی کے بھی دو رخ ہیں ایک وسیع تر رخ [لاشعور] اور دوسرا محدود تر رخ [شعور] زندگی کا وسیع تر پہلو [لاشعور] زمان ہے جس کی حدود ازل تا ابد ہیں اور محدود تر پہلو [شعور] مکان ہے جو دراصل زمان [لاشعور] کا تقسیم شدہ جزو ہے۔ سوال یہ ہے کہ زمان فی الحقیقت ہے کیا؟ اور زمان کی تقسیم یعنی مکانیت کیا ہے؟ اور کس طرح وجود میں آتی ہے؟

فرمایا:

"عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ گزرتا رہتا ہے حالاں کہ فی الحقیقت زمان ریکارڈ [ماضی] ہے۔ حال اور مستقبل علاحدہ وجود نہیں رکھتے بلکہ ماضی کے ہی اجزاء ہیں۔ حضور علیہ الصلواۃ وسلام نے فرمایا: "جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا۔"

یہاں تک گفتگو کے بعد بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ایک کتاب ہے جو کہ لکھی جا چکی ہے یعنی ماضی [ریکارڈ] ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کی طرزیں مختلف ہیں۔ اگر کتاب شروع سے ترتیب و تسلسل سے پڑھی جائے یعنی ایک لفظ پھر دوسرا، ایک سطر، پھر دوسری سطر، ایک صفحہ پھر دوسرا صفحہ پھر تیسرا صفحہ علی ہذا القیاس اس طرح پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ مطالعے کی یہ طرز وہ ہے جو بیداری [شعور] میں کام کرتی ہے۔ انسان کا شعوری تجربہ یہ ہے کہ ایک دن گزرتا ہے پھر دوسرا، ایک ہفتہ گزرتا ہے پھر دوسرا۔ اسی طرح ماہ و سال اور صدیاں اسی ترتیب اور اسی طرز سے یعنی ایک کے بعد ایک کر کے گزرتی رہتی ہیں۔ منگل کے بعد جمعرات کا دن، اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ بدھ کا دن نہیں گزر جاتا۔ اسی طرح شوال کا مہینہ اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ رمضام اور اس سے پہلے کے مہینے نہیں گزر جاتے۔ یہی طرز انسان کی شعوری طرز [بیداری] ہے۔ اسی طرز کو روحانیت زمان متواتر یا زمان مسلسل [Serial Time] کہتے ہیں۔

اس کے بعد خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ماضی اور مستقبل: مطالعہ کی دوسری طرز وہ ہے جو خواب میں کام کرتی ہے۔ ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ ابھی لندن میں ہے اور ایک لمحے بعد دیکھتا ہے کہ وہ کراچی میں ہے۔ یہ بات ذہن کی اس کیفیت سے متعلق ہے جس کا نام غیر متواتر زمان

Non-Serial Time لاشعور ہے۔ غیر متواتر زمان [لاشعور] دراصل کتاب کے مطالعہ کرنے کی وہ طرز ہے جس میں زمان متواتر کی ترتیب حذف ہو جاتی ہے۔ خواب میں انسان کے ذہن کی رفتار اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ لاشعور میں داخل ہو جاتا ہے اور جو کچھ خواب میں نظر آتا ہے وہ زیادہ تر مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہوتا ہے۔

بعض اوقات خوابوں کے ذریعے انسان کو ان حادثات سے محفوظ رہنے کے لیے ارشادات ملتے ہیں جو مستقبل میں پیش آنے والے ہوتے ہیں اور ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کر کے ان حادثات سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ جیسے بعض اوقات ایسی اطلاعات فراہم ہوتی ہیں جو مستقبل سے متعلق ہوں جیسے یوسف علیہ اسلام کا خواب کہ سات سال کھیتی باڑی اچھی ہو گی اور سات سال زمین پر غلہ نہ اُگے گا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات لوگوں کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں۔ ان سب کی توجیہہ یہ ہے کہ ذہن ایک لمحے کے لیے زمان متواتر [شعور] سے نکل کر غیر متواتر زمان [لاشعور] کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے اور آنے والے واقعہ کو محسوس کر لیتا ہے۔ لیکن یہ چیز غیر ارادی طور پر وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اگر اس واردات پر مراقبہ کے ذریعے غلبہ حاصل کر کے ارادے کے ساتھ وابستہ کر لیا جائے تو بیداری کی حالت میں بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ [متواتر زمان کی حدود میں] جو کل ہو گا۔ وہ [غیر متواتر زمانے کی حدود میں] آج بھی موجود ہے اور کل [ماضی میں] میں بھی موجود تھا۔

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ صرف ماضی [ریکارڈ] ہے۔ حال اور مستقبل صرف کتاب کے مطالعے کے طرزوں میں اختلاف سے وجود میں آتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص سینما میں فلم دیکھ رہا ہے۔ فلم کے مناظر ایک ترتیب کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے آ رہے ہیں۔

جو منظر آنکھوں کے سامنے ہے اسے وہ حال [Present] سے اور گزرے ہوئے منظر کو ماضی [Past] سے اور آنے والے منظر کو مستقبل [Future] سے تعبیر کرتا ہے۔ حالاں کہ ساری فلم ماضی ہے۔ لیکن چوں کہ ماضی اور مستقبل شعوری طور پر انسان کے سامنے نہیں ہوتے اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ زمانہ گزر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سارا زمانہ ماضی کی فلم ہے۔ فرق صرف زمانہ کا مطالعہ کرنے کی طرزوں میں ہے۔ پہلی طرز اپنے اندر ایک ترتیب رکھتی ہے۔ یہ طرز زمان متواتر ہے۔ دوسری طرز میں لمحات یکے بعد دیگرے واقع نہیں ہوتے بلکہ یکایک ذہن ایک لمحے سے جست کر کے کئی لمحے بعد کے زمانہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ طرز زمان غیر متواتر ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ازل سے ابد تک کا زمانہ ماضی [ریکارڈ] ہے اور جو لمحہ اس سارے زمانے کا احاطہ کرتا ہے اس کو اہل روحانیت لمحہ حقیقی یا زمان حقیقی [Real Time] کہتے ہیں۔ اسی زمانہ کا تذکرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حدیث میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا۔ یعنی زمانیت [لمحہ حقیقی] کی حدود میں ہر چیز مکمل طور پر ہو چکی ہے "جو کچھ ہو رہا ہے وہ ماضی کا حصہ ہے۔"

حواس کیا ہیں؟

قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے رنگا رنگ صفات اور کشف و الہامات کا خزانہ بنایا ہے۔ تجلیات کے سمندر میں سے نور میں دھلے ہوئے موتیوں سے آپ بھی فیض یاب ہوں:

باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:-

"بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان غیر حقیقی کہہ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور واہمہ یا خواب و خیال کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے حالاں کہ کائنات میں کوئی شے فاضل اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ ہر خیال اور ہر واہمہ کے پس پردہ کوئی نہ کوئی کائناتی حقیقت ضرور کار فرما ہوتی ہے۔"

وہم کیا ہے؟

خیال کہاں سے آتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔ اگر ہم ان سوالات کو نظر انداز کر دیں تو کثیر حقائق مخفی رہ جائیں گے اور حقائق کی زنجیر جس کی سو فیصد اس مسئلے کے سمجھنے پر منحصر ہیں انجانی رہ جائیں گی۔ جب ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو اس کا کوئی کائناتی سبب ضرور موجود ہوتا ہے۔ خیال کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی۔ یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت نہیں ہو سکتی۔ اس کا تعلق کائنات کے ان تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں۔ مثلاً جب ہوا کا جھونکا آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کرہ ہوائی میں کہیں کوئی تغیر واقع ہوا ہے۔ اس ہی طرح جب انسان کے ذہن میں کوئی چیز وارد ہوتی ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان کے لاشعور میں کوئی حرکت واقع ہوئی ہے۔ اس سمجھنا خود ذہن انسانی تلاش پر ہے۔ ذہن انسانی کی دو سطح ہیں ایک سطح وہ ہے جو فرد کی ذہنی حرکت کو کائنات حرکت سے ملاتی ہے یعنی یہ حرکت فرد کے ارادوں اور محسوسات کو فرد کے ذہن تک لاتی ہے۔

ذہن کی دونوں سطحیں دو قسم کے حواس تخلیق کرتی ہیں۔ اگر ایک سطح کی تخلیق کو مثبت حواس کہیں تو دوسری سطح کی تخلیق کو منفی حواس کہہ سکتے ہیں۔ دراصل مثبت حواس ایک معنی میں حواس کی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم بیداری کی حالت میں واقع ہوتی ہے اس تقسیم کے حصے عضائے جسمانی ہیں چناں چہ ہماری جسمانی فعلیت میں یہی تقسیم کام کرتی ہے ایک ہی وقت میں آنکھ کسی ایک شعبدہ دیکھتی ہے اور کان کسی آواز کو سنتا ہے۔ ہاتھ کسی تیسری شے کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں اور پیر کسی چوتھی چیز کی پیمائش کرتے ہیں۔ زبان کسی پانچویں شے کے ذائقہ میں اور ناک کسی اور چیز کے سونگھنے میں مشغول رہتی ہے اور دماغ میں ان چیزوں سے الگ کتنی ہی اور چیزوں کے خیالات آرہے ہوتے ہیں۔ یہ مثبت حواس کی کار فرمائی ہے۔ لیکن اس کے برعکس منفی حواس میں جو تحریکات ہوتی ہیں ان کا تعلق انسان کے ارادے سے نہیں ہوتا۔

مثلاً خواب میں باوجود اس کے کہ مذکورہ بالا تمام حواس کام کرتے ہیں، اعضائے جسمانی کے سکوت سے اس بات کا سراغ مل جاتا ہے کہ حواس کا اجتماع ایک ہی نقطہ ذہنی میں ہے۔ خواب کی حالت میں اس نقطہ کے اندر جو حرکت واقع ہوتی ہے وہی حرکت بیداری میں جسمانی اعضاء کے اندر تقسیم ہو جاتی ہے۔ تقسیم ہونے سے ہم ان حواس کو منفی کا نام دے سکتے ہیں۔ لیکن جسمانی اعضاء میں تقسیم ہونے کے بعد ان کو مثبت کہنا درست ہو گا۔ یہ بات قابلِ غور کہ منفی اور مثبت دونوں حواس ایک ہی سطح متمکن نہیں رہ سکتے۔ ان کا قیام ذہن کی دونوں سطحوں میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ تصوف کی اصطلاح میں منفی سطح کا نام نسمہ، مفرد اور مجبت سطح کا نام نسمہ مرکب لیا جاتا ہے۔ نسمہ مرکب ایسی حرکت کا نام ہے جو تواتر کے ساتھ واقع ہوتی ہے یعنی ایک لمحہ، دوسرا لمحہ، تیسرا لمحہ اور اس طرح لمحہ بہ لمحہ حرکت ہوتی رہتی ہے۔ اس حرکت کی مکانیت لمحات ہیں جس میں ایک ترتیب پائی جاتی ہے جو مکانیت کی تعمیر کرتی ہے۔ ہر لمحہ ایک مکان ہے گویا تمام مکانیت لمحات کی قید میں ہے۔ لمحات کچھ ایسی بندش کرتے ہیں جس کے اندر مکانیت خود کو محبوس پاتی ہے

اور لمحات کے دور میں گردش اور کائناتی شعور میں خود کو حاضر رکھنے پر مجبور ہے۔ اصل لمحات اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر ہیں اور جس علم کا یہ عنوان ہے کائنات اس ہی علم کی تفصیل اور مظہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے ہر چیز کو دو رخوں پر پیدا کیا ہے۔ چناں چہ تخلیق کے یہی دو رخ ہیں۔ تخلیق کا ایک رخ خود لمحات ہیں یعنی لمحات کا باطن یا شعور یک رنگ ہے اور دوسرا رخ لمحات کا ظاہر یا شعور کل رنگ ہے۔ ایک طرف لمحات کی گرفت میں کائنات ہے اور دوسری طرف لمحات کی گرفت میں کائنات کے افراد ہیں۔ لمحات بیک وقت دو سطحوں میں حرکت کرتے ہیں۔ ایک سطح کی حرکت کی حرکت کائنات کی ہر شے میں الگ الگ واقع ہوتی ہے۔ یہ حرکت اس شعور کی تعمیر کرتی ہے جو شے کو اس کی منفرد ہستی کے دائرے میں موجود رکھتا ہے۔ دوسری طرح کی حرکت کائنات کی تمام اشیاء میں بہ یک وقت جاری و ساری ہے۔ یہ حرکت اس شعور کی تعمیر کرتی ہے جو کائنات کی تمام اشیاء کو ایک دائرے میں حاضر رکھتا ہے۔ لمحات کی ایک سطح میں کائناتی افراد الگ الگ موجود ہیں یعنی افراد کا شعور جدا جدا ہے۔ لمحات کی دوسری سطح میں کائنات کے تمام افراد کا شعور ایک ہی نقطہ پر مرکوز ہے۔ اس طرح لمحات کی دونوں سطحیں دو شعور ہیں۔ ایک سطح انفرادی شعور ہے اور دوسری سطح اجتماعی شعور ہے۔ عام اصطلاح میں مرکزی شعور کو ہی لاشعور کہا جاتا ہے۔

اپنا عرفان:

عرفان نفس، معرفت الٰہیہ کا دروازہ انسان پر کھول دیتا ہے اور عرفان نفس کے حصول کے سلسلے میں اہلِ روحانیت کو جن مدارج سے گزرنا پڑتا ہے ان میں سے پہلا درجہ "لا" ہے یعنی سب سے پہلے انسان کو روایتی معلومات اور شعوری علم کی نفی کرنی پڑتی ہے اور پھر اس کے بعد روحانیت کے اسی راستے پر چلتے ہوئے انسان ایسے درجے پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر اپنی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ یعنی نفس عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے سالک کو ایک معینہ اور مقررہ راستے پر سفر کرنے کے لیے شیخ یا مرشد کی رہنمائی لازمی ہے۔ ذیل میں اسی مضمون سے متعلق شیخ طریقت مخزن علم و آگاہی، قلندر بابا اولیا رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد رقم کیا جا رہا ہے۔

صحیح بات سمجھنے کے لیے جو کچھ ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہے اس کو آیندہ کے لیے بالکل بھلا دیا جائے۔ بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ انسان کیا ہے؟ انسان صرف خیالات کی لہریں ایک ترتیب میں جمع ہو جانے کا نام ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ایک دریا بہہ رہا ہے اس کا پانی جب تک دونوں کناروں کے بیچ میں بہتا رہتا ہے اس وقت تک انسانی احساس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ پانی کی لہروں میں کیا کیا چیزیں بہتی چلی جا رہی ہیں۔ ایک حالت میں دریا کے اندر طوفان اجاتا ہے پانی کناروں سے باہر اچھلنے لگتا ہے اب انسانی احساس کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ کچھ خیالات پر گندہ قسم کے ابتر، بے ترتیب اور تقریباً بے معنی یورش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ انسان ان تمام خیالات کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ گزرتا رہتا ہے۔ گزرنے کی وجہ خاص طور سے یہ ہوتی ہے کہ وہ ان خیالات میں ترتیب قائم نہیں کر سکتا۔ خیالات کی دوسری قسم ایک اور بھی ہے وہ قسم یہ ہے کہ انسانی احساس، دریا کے پانی میں بہتی ہوئی چند چیزیں اٹھاتا رہتا ہے اور ان کو ایک خاص پیرائے میں مرتب کر لیتا ہے۔ اس ترتیب سے جو مفہوم نکلتا ہے اس کو وہ اپنی تصنیف قرار دیتا ہے۔ یہی وہ کا ہے جس کو دنیا کے ذہین و ذی ہوش انسان کسی خاص علم کا نام دیتے ہیں۔

خیالات کی قسموں سے بحث کرنا یہاں مقصود نہیں ہے اس لیے ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ انسان کے اندر دو قسم کے خیالات کام کر رہے ہیں۔ نمبر ایک وہ خیالات جو دریا کے طوفانی ہونے سے کناروں سے باہر اچھل جاتے ہیں۔۔ نمبر دو، وہ خیالات جن کو انسانی شعور اپنی مطلب بر آری کے لیے انتخاب کرتا ہے۔ دریا کا ماخذ کیا ہے دریا میں طوفان کیوں آتا ہے۔ انسانی شعور بہتی ہوئی چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ چیزیں جو اس کے ہاتھ آتی رہتی ہیں کیوں اٹھاتا رہتا ہے؟

انسانی سائنس کے علوم اب تک اس بات سے واقف نہیں ہو سکے ہیں حالاں کہ جو سوالات اوپر کیے گئے ہیں ان کے جوابات آسمانی صحائف میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ جب انسان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تو اس کو دو یونٹ کی حیثیت دی جائے گی۔ ایک یونٹ وسیع تر یونٹ ہے اور اسی یونٹ کی رسائی دریا کے مخرج تک ہے۔ دوسرا یونٹ محدود تر ہے اس یونٹ کا تمام کارنامہ ماضی کے متعلق جاننا اور ماضی کو حافظے میں رکھنا ہے۔ یہی یونٹ انسانی شعور کی ساری حدود کا احاطہ کرتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں حضور قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے لاشعور کو وسیع تر یونٹ اور شعور کو محدود تر یونٹ کا نام دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ لاشعور کی رسائی دریا کے ماخذ تک ہے یہی وہ منبع اور ماخذ ہے جہاں سے ہر لمحہ اور ہر آن پوری کائنات کو زندگی کی تحریکات ملتی ہیں۔ اسی منبع کی بنیاد [Base] امر ربانی ہے۔

کن فیکون: ایک بار کن فیکون کی وضاحت کرتے ہوئے حضور قلندر باباولیاء رحمتہ علیہ نے فرمایا:

> اللہ تعالیٰ نے کہا: ہو جا وہ ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ماضی میں چلی گئی نہ ہی یہ مطلب ہے کہ وہ چیز ہو رہی ہے اور نہ مکمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز نافذ العمل ہے اور مکمل ہے۔ یعنی مکمل صورت میں نافذ العمل ہے وضاحت اس کی یہ ہوئی کہ وہ چیز لازمانیت میں مکمل ہو چکی ہے اور زمانیت میں نافذ العمل ہے۔

گفت گو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

> صرف ایک سیکنڈ ہے جو حقیقی ہے اور اس ایک سیکنڈ کی تقسیم سے ازل تا ابد تک وجود صادر ہوا ہے۔ یعنی وہی ایک حقیقی سیکنڈ [وقفے کا چھوٹے سے چھوٹا یونٹ] تقسیم ہو کر وقت کے لامتناہی یونٹوں میں رونما ہو رہا ہے۔ اس ایک سیکنڈ کے تکوینی مراحل کا اظہار اس عمل پر مبنی ہے کہ اس کی تقسیم لامتناہی یونٹوں کی شکل و صورت اختیار کر لے۔ اس شکل و صورت کا نام مظاہر کائنات یا عالم ناسوت و جبروت و لاہوت ہے۔

دوسری نشست کے دوران کن فیکون پر تکوینی نقطہ نظر سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

> "کن کے چار تکوینی شعبے ہیں۔ پہلا شعبہ ابداء ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ظہور موجودات کے کوئی اسباب و وسائل موجود نہیں تھے لیکن موجودات بغیر اسباب و وسائل کے مرتب اور مکمل ہو گئے۔ یہ تکوین کا پہلا شعبہ ہے۔ تکوین کا دوسرا شعبہ خلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ موجودات کی شکل و صورت میں ظاہر ہوا اس میں حرکت و سکون کی طرزیں رونما ہو گئیں اور زندگی کے مراحل یکے بعد دیگرے وقوع میں آنا شروع ہو گئے۔ یعنی موجودات کے افعال زندگی کا آغاز ہو گیا۔ تکوین کا تیسرا شعبہ تدبیر ہے۔ یہ موجودات کے اعمالِ زندگی کی ترتیب اور محل وقوع کے ابواب پر مشتمل ہے۔

حکمت تکوین کا چوتھا شعبہ تدلّی ہے۔ تدلّی کا مطلب حکمت تکوین کا وہ شعبہ ہے جس کے ذریعہ قضاوقدر
کے نظم وضبط کی کڑیاں اور فیصلے مدون ہوتے ہیں۔ انسان کو بہ حیثیت خلیفہ علم اسماء[علم قلم] کی
حکمت تکوین کے اسرار ورموز اس لیے عطا کیے گئے کہ وہ نظامت کائنات کے امور میں نائب کے
فرائض پورے کر سکے۔"

تعلیمات قلندر بابا اولیاء

[۳] صدیوں کی تحقیقات کے بعد سائنس دانوں نے زمین پر موجود تمام تر اشیاء کو جان دار اور بے جان کے نام سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے مطابق تمام بے جان اشیاء[Non Living things] دھاتیں، مٹی، پتھر، گیسیس[Gases] اور دیگر تمام عناصر میں سے ہر چیز بہت سے مالیکیول سے مل کر بنتی ہے۔ یہ مالیکیول بہت سے ایٹموں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ ان ایٹموں میں سے ہر ایک ایٹم دراصل بہت سے ذرات سے مل کر وجود پاتا ہے۔ جنہیں پروٹان، نیوٹران، الیکٹران اور دیگر ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ البتہ ایٹم میں موجود الیکٹران کے بارے میں یہی رائے قائم کی گئی ہے کہ مادی اشیاء کی ساخت کی تشکیل اور حرکت میں الیکٹران کا مرکزی کردار ہوتا ہے۔ دوسری طرف جان دار اشیاء [Living Things] کا تجربہ کیا گیا اور جان دار اشیاء حیوانات، انسان اور نباتات کو قرار دیا گیا۔ ان تینوں اشیاء کے ہر حصے کا تجزیہ کر کے سائنس دان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر جان دار واجوس کی اکائی[Unit] ایک خلیہ [Cell] ہے۔ جب خلیفہ کا مزید تجزیہ کیا گیا تو اس کی گہرائی میں کرموسومز کے کردار کو نہایت نائٹروجن آکسیجن وغیرہ کو بنیاد کے طور پر پایا گیا۔ چناں چہ فیصلہ یہ ہوا کہ جان دار اور بے جان اشیاء در حقیقت عناصر کی مختلف ترتیب کا نتیجہ ہیں۔ جب کہ تمام عناصر کی تہہ میں الیکٹران ہی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ سائنس دان الیکٹران کو اب تک دیکھ سکے ہیں نہ ہی آیندہ دیکھنے کی توقع ہے۔ ان کے نزدیک الیکٹران نظر نہ آنے والی ایک لہر ہے جو تمام تر عناصر اور ان کے مختلف اجسام کو ہر لمحہ حیات عطا کرتے ہیں۔

اتنا کچھ کرنے کے باوجود سائنس دان ابھی تک یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ جب زندگی کی ابتداء یا انتہا الیکٹران یا لہریں ہیں تو الیکٹران کس بنیاد پر قائم ہیں۔ کون سی ہستی الیکٹران اور ان کے اندر کام کرنے والی توانائیوں کو حیات فراہم کر رہی ہے؟ لیکن سائنس دانوں نے اپنی تحقیق و تجس کے بعد کچھ فوائد ضرور حاسل کیے ہیں۔ مثلاً رفتار کو بڑھا کر فاصلے کم کر دیئے گئے ہیں۔ خلا میں چہل قدمی کا دعویٰ کیا گیا۔ بیماریوں کے علاج میں پیش رفت کی گئی۔ مواصلاتی نظام قائم کیا گیا۔ دوسری طرف سائنس دانوں کی کاوشوں کا یہ انداز تسلسل کائنات میں کسی قسم کی آسانی فراہم نہیں کرتا جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ وحی اور الہام کی بنیاد پر دنیا میں رائج تمام مزاہب کا جائزہ لیا جائے تو سوائے اس کے کوئی اور چیز نظر نہیں آتی کہ مزاہب کا اجراء اس لیے ہوا ہے کہ انسان کسی نہ کسی طرح روئے زمین کی مخلوقات سے عظیم اور بلند تر ہو جائے۔ وہ زندگی کے ہر لمحے اور ہر شے پر برتری اور فوقیت رکھتا ہو۔ مذاہب کا مطالعہ کرنے سے یہ اہم تر حقیقت سامنے آتی ہے کہ جتنے بھی پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے ان کی تعلیمات کا بنیادی مقصد اور نقطہ مشترک یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانتے ہوئے کسی بھی طرح مادے کے مفروضہ حواس سے آزاد ہو جائے اور اپنی روح کو جلا بخشے۔ اس مرحلے میں تمام پیغمبروں کی تعلیمات اور کوششیں ایک سی ہیں۔ پیغمبروں کی تعلیمات کا دوسرا باب یہ ہے کہ انسان اپنی روح سے واقف ہونے کے بعد اپنی روح کے ذریعے علوم کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ کرے۔ یہ ذخیرہ پیغمبروں نے بھی کیا اور ان کے شاگردوں نے بھی۔ علوم کے اس ذخیرے کی بنا پر ہی قرآن کے مطابق ایک پیغمبر اور اس کی امت دوسرے پیغمبر اور اس کی امت سے بزرگی اور فضیلت میں آگے ہو جاتی ہے۔

تلک الرسول فضلنا بعضهم على بعض

آقائے نامدار سیدنا حضور الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں پوری فرما کر رحمت للعالمین کے خطاب سے مشرف فرمایا۔ یعنی نوع انسان جس حد تک علوم کا ذخیرہ اپنے ذہن اور فہم و ادراک میں کر سکتی ہے وہ تمام علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطا فرما دیئے گئے۔ حضور علیہ اصلوٰۃ والسلام کی ماچورہ دعاؤں میں کہیں کہیں ان علوم کا تذکرہ ملتا ہے جن میں ایک دعا تصوف کی کتب میں بھی پائی جاتی ہے۔ "یا اللہ میں تجھے تیرے ان ناموں کا واسطہ دیتا ہوں جن کو تو نے مجھ پر ظاہر کیا جن کو تو نے اپنے علم میں اپنے لیے محفوظ کیا اور تجھے تیرے ان ناموں کا واسطہ دیتا ہوں جو تو میرے بعد کسی پر ظاہر کرے گا۔"

بہ حیثیت رحمت للعالمین حضور کا فیض و اکرام نہ صرف آپ کی امت کے لیے ہے بل کہ آپ کا فیض یعنی علوم کی بخشش جو کسی بھی نوع یا انسان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں، ہر ایک کے لیے عام ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری آنکھوں سے پردہ فرمانے کے بعد علوم کے یہ خزانے ایک تسلسل کے ساتھ آپ کے ورثاء میں منتقل ہوتے رہے۔ علوم کا یہ لامتناہی ذخیرہ ہی نور محمدی ہے۔ یہی ذخیرہ ازل میں آدم کی پیشانی پر چمکا۔ اسی نور نے موسیٰ علیہ اسلام میں جلال پیدا کیا۔ اسی نور نے ابراہیم علیہ اسلام کو عاشق بنا دیا۔ یہی ذخیرہ عیسیٰ علیہ اسلام کے عشق میں گرمی کا باعث بنا۔ چناں چہ حیات انسانی کے ارتقاء کے ساتھ اس ذخیرے نے خود کو ایک سانچے میں ڈھال کر "محمد" ﷺ کی شکل میں پیش کر دیا۔ نہ جانے اس ازلی نور کو اپنے اصل قالب میں ڈھلنے کے لیے کتنے لاکھوں، کروڑوں سال کے ارتقاء کا انتظار کرنا پڑا ہو تب جا کر الیوم اکملت لکم دینکم کی تفسیر بنا۔

کیا وہ نور "یعنی ذاتِ الٰہی کی معرفت کے علوم کے عظیم ذخائر" آپ کے جسم اطہر کے ساتھ زمین میں چھپ گئے۔ جب کہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اے محمد ﷺ اگر ہم تمہیں پیدا نہ کرتے تو کائنات نہ بناتے۔ چناں چہ اگر یہی نور چھپ جاتا تو اب روئے زمین پر کچھ بھی نہ ہوتا۔ بہ حیثیت رحمت للعالمین آپ ﷺ نے اس دولت سرمدی کو اپنے ورثاء کے حوالے کر دیا۔ اسی دولت سرمدی کی بناء پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق قرار پائے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کا دروازہ بن گئے۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنی کے خطاب سے نوازے گئے۔ ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرنا اور دوبارہ اٹھنا اپنے ساتھ ٹھہرایا گیا۔ یہی نور زمانے کے ساتھ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ میں جلوہ گر ہوا۔ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اسی نور کے شرف سے معزز ٹھہرے۔ اس ہی نور سے منصور حلاج کو بقائے دوامی حاصل ہوئی۔ اسی نور کے سہارے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ بہاالحق والدین نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ جذب کی راہوں سے روشناس ہوئے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ یہی نعمت مختلف سینوں میں قیام کرتی اس بیسویں صدی میں سید محمد عظیم برخیاالمعروف حضور قلندر باباولیار حمتہ اللہ علیہ کی شکل میں جلوہ گر ہو گئی۔

> "علم حضوری کائنات کے صفاتی احساس کا مجموعہ ہے۔ علم حضوری روح کی بیداری سے میسر آتا ہے۔ علم حصولی اگرچہ محض روح کی تحریکات کا نتیجہ ہے لیکن اس کا اظہار جسم کے ذریعے ہوتا ہے۔" ایک عارف عالم ناسوت سے ترقی کر کے زینہ بہ زینہ عالم ملکوت، جبروت اور لاہوت تک جا پہنچتا ہے۔ یہ ترقی جسمانی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ اس راستہ میں صرف روح کی کوششیں کام آتی ہیں۔ انسان کی پیدائش سے لے کر حضور ﷺ تک جس قدر صحیفے نازل ہوئے ہیں ان میں اس بات کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔ یونانی فلسفہ نے بھی ان ہی صحائف سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اگرچہ یہ فائدہ انہیں

انبیاء کے شاگردوں ہی سے پہنچا لیکن ان کی اپنی عقل کی کار فرمائی نے اس کو زیادہ سے زیادہ الجھادیا اور ایسی متبدل تحریفات کیں جن سے ان کے شاگرد غلط راستوں پر پڑ گئے۔ فلسفہ کی تعلیمات کا یہ خصوصی زمانہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی پیدائش کے بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تعلیمات میں جس انا [یعنی روح] کی وضاحت کی گئی ہے اس انا یا روح کو اہل فلسفہ کی کوششوں نے مبہم ہی نہیں بلکہ مہمل کر دیا۔ بالخصوص تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں علمائے اسلام یونانی فلسفہ سے زیادہ متاثر ہوئے۔ ان کی طرزِ فکر عقل کی ایسی راہوں پر گامزن نظر آتی ہے جو فلسفہ نے نکالی تھیں۔ دراصل اس قسم کے علماء فریب میں مبتلا ہو کر اس معرفت سے دور ہو چکے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمین تابعین اور تبع تابعین کو پہنچی تھی۔"

حضور قلندر باباولیا رحمتہ اللہ علیہ کے اس فرمان سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی مذہب کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اس عالم ناسوت [مادی زندگی] میں بھی اپنے مٹی یا گوشت پوست کے جسم سے بالاتر ہو کر اپنی روح کا عرفان حاصل کرنے اور نہ صرف روح تک رسائی حاصل کرے بلکہ اپنی روح کے ذریعے زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہو کر کائنات کے قلب میں داخل ہو اور کائنات کی حقیقی اساس کو پالے۔

مذاہب کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انبیاء کی زندگی کا یہی مقصد تھا کہ انسان روح کو پالے۔ لیکن انبیاء کے پردہ فرمانے کے بعد ان کے پیروکار دو گروہ میں تقسیم ہوتے رہے۔ ایک گروہ نہایت سنجیدگی سے مذہب کو اپنی خواہشات کی قربانی دے کر کائنات کے خالق کا عرفان حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا۔ دوسرا گروہ دنیا پرستی کے ساتھ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر مذہب کو روح کی طرزوں سے ہٹ کر مادیت میں الجھا دیتا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیاوی رسم و رواج پر تو زور دیا جاتا۔ خلوص و محبت سے عاری رسمی عبادات کی پرزاور تبلیغ کی جاتی اور مذہب کے نام پر دنیاداری کے فوائد و لوازمات سے بھی پوری طرح لطف اندوز ہوا جاتا۔ مگر روح کو جس ارتقاء کے لیے انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے کو نظر انداز کر دیا جاتا۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ مذہب سے بیزاری، اضمحلال، پریشانی اور الجھنوں کی صورت میں نکلتا رہا۔ پہلا گروہ جو مذہب کو روح کے عرفان کا ذریعہ سمجھتا تھا ظاہری چکاچوند سے کچھ اس طرح ہٹ جاتا کہ عام نظریں اس کی تلاش سے دور ہو جاتیں۔ غیر مسلم افکار اور کاروباری مذہبی گروہ نے قرآن کے اوپر قدغن لگانے کی کوشش کی۔ کسی کو یہ جرات تو نہیں ہو سکی کہ قرآن میں تبدیلی کر سکے۔ کیوں کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خالق کائنات نے لیا ہوا ہے۔ لیکن تفاسیر اور معانی کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا کہ عوام رسم و رواج اور اعمال کی لاحاصل بحث و تمحیص میں تو الجھ جائیں لیکن روح جس کے بغیر جسم انسانی محض سڑاند ہے، غلاظت ہے" سے بے خبر رہیں۔

تبع تابعین کے بعد عالم اسلام میں سازش، ملوکیت، مناقبت اور جاہ پرستی نے مسلمانوں کے اذہان پر ایسے مضبوط پنجے گاڑے کہ آج کے مسلمان ان علوم کے لیے نہ پنپ سکے۔ جس کا راستہ خود حضور علیہ اصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات مبارکہ میں ایک ایک لمحہ کے ایثار سے ہموار کیا تھا۔

حضور قلندر بابااولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات ہمیں اس حقیقت کا سراغ عطا کرتی ہیں کہ قرآن ایک واحد لاشریک ہستی کی طرف سے نازل ہو۔ جس ہستی پر یہ کتاب اتری وہ صرف اور صرف ایک ہی طرزِ فکر کی حامل ہے۔

اس طرزِ فکر کی نشان دہی قرآن ہی کے الفاظ میں ہے کہ:

"اے محمد ﷺ کہہ دو میرا مرنا جینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔"

قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ قرآن دراصل کائناتی تخلیق کے فارمولوں کی دستاویز ہے۔ اس دستاویز کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان اسی زندگی میں اپنے اصل خالق تک رسائی حاصل کر لے۔ اس وقوف کی بناء پر امت محمدی کو "خیر امت" کا نام دیا گیا ہے۔

قرآن کا دوسرا رخ ہمیں مادی زندگی کے طور طریق بتاتا ہے تاکہ عرفان الٰہی کے حصول میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں فراہم ہوں کہ انسان قرآن کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر اپنے ذہن کو پُر سکون رکھے اور معاشرہ میں ہر قسم کے اضطراب اور پریشانیوں کا ازالہ کر کے ہر فرد خیالاتی انتشار سے چھٹکارا حاصل کر لے تاکہ انسان انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت و قربت سے مشرف ہو اور نور محمدی ﷺ کی اس سعادت کو حاصل کرے جو انسان کا ازلی شرف ہے۔ زندگی گزارنے کے وہ سلیقے چاہے وہ رہن سہن یا بات چیت سے تعلق رکھتے ہوں یا معیشت سے یا ازدواجی زندگی سے یا معاشرتی ادب سے ان سب کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں انتشار کم سے کم ہو کر توازن پیدا ہو جائے۔ یہی توازن اسے استغناء سے روشناس کرتا ہے اور استغناء کی منزل کسی بھی شخص کو اس کی روح سے قریب کر دیتی ہے ورنہ مادی زندگی کے تمام اعمال قبر تک کے دھندے ہیں۔ قبر کے بعد جو کچھ روح انسانی کے لیے کار امد ہے وہ یہ ہے کہ انسان نے قبر مین جانے سے پہلے تک اپنی روح کو کس قدر عروج دیا ہے اور یہ روح زمان و مکان سے آزاد و علوم کا کس قدر ذخیرہ رکھتی ہے۔ یہی ذخیرہ روح کے لیے سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات انکشاف کرتی ہیں کہ کائنات میں موجود ہر شے خواہ وہ انسان ہے یا حیوان، نباتات سے ہو یا جمادات سے یا ان کے اندر اور باہر کام کرنے والے تمام تر محرکات اور احساسات یہ سب کے سب کسی حادثے کی پیداوار نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ ایک تسلسل کا حصہ ہیں۔ یہ سب ایک باقاعدہ منصوبہ ہے۔ آپ کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کے ہر فرد کی ابتداء سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں بننے والے پروگرام سے ہوتی ہے۔ یہ پروگرام اللہ تعالیٰ کے لفظ "کُن" فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہونے کے بعد مخلوق کو اللہ کی طرف سے سماعت، بصارت اور فہم کے احساسات عطا کیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی "الست بربکم" کہہ کر مخلوق سے اپنا تعارف کروایا جاتا ہے اور پھر مخلوق سے "بلی" کہلوا کر اس کی تجدید لی جاتی ہے۔ عالم ارواح کے بعد یہ تمام پروگرام یا مخلوق ایک اور عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جسے لوح محفوظ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لوح محفوظ کے بعد تمام مخلوقات عالم جو میں منتقل ہوتی ہیں۔ اس عالم کو عالم برزخ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ پھر اس عالم کے بعد مخلوق عالم ناسوت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس عالم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسفل السافلین کے نام سے یاد کیا ہے۔ ایسا عالم جو سافلین یعنی گھٹیا ترین عالمین میں سے ہے۔ جب روح اس عالم میں یعنی مادی دنیا میں داخل ہوتی ہے تو اس عالم کے حواس اس پر اپنا تسلط جما لیتے ہیں۔ یہ حواس اس قسم کے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنی اصل کو بھول جاتا ہے۔ اپنی اصل یعنی اپنے رب کے بھولنے کی بناء پر اس دنیا کو اسفل السافلین قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس عالم میں انسان کو کچھ کرنے یا نہ کرنے کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ چناں چہ انسان کو سوائے اپنی جسمانی یا مادی

لذتوں اور اس کے بکھیڑوں کے کسی چیز کی خبر نہیں رہتی۔ وہ اپنے اختیارات کا رخ ان لذتوں کے حصول میں استعمال کر کے ان کو اپنی منزل قرار دے دیتا ہے۔ مادیت میں الجھنے کے بعد روح کے اوپر اسفل السافلین کے حواس کی مقداریں بڑھ جاتی ہیں۔ چناں چہ روح کو اسفلاسافلین کے حواس سے دور رکھنے کے لیے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا جاتا ہے۔ وہ اچھائی بُرائی کا تصور دے کر انسانی دل چسپیوں اور اختیارات کا رخ خالق کی طرف موڑنے کا پروگرام اپنے اپنے زمانے اور حالات کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ انسان کو چوں کہ اختیارات حاسل ہوئے ہیں اس لیے انسان خود کو بے بس نہیں کہہ سکتا۔ جب اپنی دل چسپیوں اور اختیارات کا رخ شہر کی طرف مرکوز کر سکتا ہے تو اپنی ہی مرضی سے خیر کے امور کی طرف بھی متوجہ ہو سکتا ہے۔ اب یہ انسان کی مرضی ہے کہ وہ اپنی روح کو عروج دے یا نہ دے۔ لیکن ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان کی مادی زندگی باقی عالمین کی زندگیوں کے مقابلے میں نہایت مختصر ہوتی ہے۔ اسے اس دنیا سے بہر حال کوچ کرنا ہوتا ہے۔ اب مرتے وقت جس قسم کے حواس کا خزانہ ہوتا ہے وہی احساسات عالم اعراف میں بھی قائم رہتے ہیں۔ ان ہی حواس کے تحت حشر نشر کی منزل طے ہوتی ہے۔ یہی احساسات اور حواس جو اس نے اپنے اختیارات سے حاصل کیے ہیں جنت دوزخ میں داخلے کی بنیاد بنیں گے۔ اگر روح میں اسفل السافلین یا مادی حواس کا غلبہ ہو جائے تو یہ مادی حواس اور ان کی دل چسپیاں اصل میں انسان میں ایسے گہرے زخم پیدا کر دیتی ہیں جو اس مادی زندگی کے بعد ناسور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

صدیوں کی پیدا کردہ انسانی مصلحتوں، جہالت اور ظلمتوں کے اس اتھاہ سمندر میں حضور بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ کی ذات مبارک ہر مذہب کے پیروکاروں کے لیے رہبر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی تعلیمات ہمیں وہ شعور عطا کرتی ہیں کہ کوئی بھی انسان اس مادی زندگی میں اپنے اختیارات کو بروئے کار لا کر کائنات کے طویل ترین سفر کو مختصر کر کے مقام حضوری حاصل کر سکتا ہے۔

یہی مقام سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطیہ ہے۔ اس مقام کو صرف انسان ہی پا سکتا ہے۔ یہ مقام کسی بزرگ سے بزرگ تر فرشتے کے شعور سے بھی ماوراء ہے۔ انسانی عظمت کا آغاز بھی اس مرحلے سے ہوتا ہے۔ اس مقام کو قرآن نے تدلّٰی کا نام دیا ہے۔

سائنس دانوں کے بہ قول اتنی ترقی کے بعد انسان نے اپنی صلاحیتوں کا محض دو یا تین فی صد استعمال سیکھا ہے۔ سائنس دان کچھ جانتے ہوئے بھی بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود وہ وحی اور الہام کی طرزوں سے قطعی ناواقف ہیں۔ اگر سائنسی ترقی اس حد تک ہے تو انہیں یہ بتانا پڑے گا کہ آج سے ہزاروں برس پہلے حضرت سلیمان علیہم السلام کے دربار میں ایک شخص بغیر کسی مادی وسیلے کے کس طرح پندرہ سو میل کی مسافت سے ملکہ سبا کا تخت لے آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کس طرح مردوں کو زندہ کرتے دیتے تھے۔ آج کا انسان چاند پر پہنچنے کا بہت واویلا کرتا ہے اسے یہ جواب دینا ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے کون سی سائنس کے ذریعے ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ واقعہ معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح کائنات کے تمام تر زون سے گزر کر بارگاہ الٰہی میں شرف ملاقات سے فیض یاب ہوئے۔ سائنس دانوں نے تو اس پر غور ہی نہیں کیا۔ لیکن جہالت میں علم کے دانش وروں نے بھی کسر نہ چھوڑی۔ وہ مادی دل چسپیوں، رسم و رواج اور فرقہ بازی کے لاحاصل شیطانی کھیل میں مصروف ہو گئے۔ سائنس دانوں کے اپنے قول کا تجزیہ کیا جائے تو وحی والہام کے مقابلے میں یہ لوگ ایک فیصد صلاحیت کے اہل واقع ہوئے ہیں۔ لامتناہیت کی طرز میں غور کریں تو قلندر بابا اولیار حمتہ اللہ علیہ کا یہ فرمان آنکھوں کے سامنے چمک اٹھتا ہے کہ:

"کچھ ہونے کے باوجود آج بھی نوع انسان کا شعور انگوٹھا چوستے بچے کا سا ہے۔"

سائنس دان کائنات کی بنیاد کے بارے میں نت نئے نظریات قائم کرتے آئے ہیں اور اپنے نظریات کو آئے دن بدلتے رہنے پر اس نعمت عظمیٰ کا دروازہ بند کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ پہلے تو یہ فیصلہ ہونا چاہیئے تھا کہ کیا حضور علیہ اصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے کیا جانا چاہیے۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام ایک برگزیدہ پیغمبر ہیں مگر کیا اس رحمت للعالمینؐ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں پوری کر دیں کا موازنہ کسی پیغمبر سے ہو سکتا ہے؟ قرآن حکیم ہی میں اس خود ساختہ مفروضہ کا جواب ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو دیدار الٰہی کی تاب نہ تھی تو یہ بات آپ پر اور آپ کی امت پر تو صادق آسکتی ہے مگر اس واقعہ کا سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی امت پر اطلاق کرنا نہ صرف حد درجہ نادانی ہے بلکہ گستاخی اور بے ادبی ہے۔

جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ کے مراتب کے بارے میں سورہ کہف میں ہے:

ترجمہ: پھر پایا ہمارے بندوں میں ایک بندہ [موسیٰ نے] جسے ہم نے اپنے ہاں سے رحمت دی تھی اور اسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ کیا میں تیری اس شرط پر پیروی کروں کہ تو مجھے سکھائے اس میں سے جو تجھے سکھایا گیا ہے۔ کہا اس بندے نے بے شک تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ اس بات پر جو تیری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ کہا [موسیٰ نے] انشاء اللہ تو مجھے صابر ہی پائے گا اور میں تیری بات میں تیری مخالفت نہیں کروں گا اور میں تیری عبادت میں تیری مخالفت نہیں کروں گا۔ اس بندے نے کہا پس اگر تو میرے ساتھ رہے۔ تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کر۔ یہاں تک کہ میں تیرے سامنے اس کا ذکر کروں۔ پس دونوں چلے اور ایک دریا پر ایک کشتی میں سوار ہوئے اور اس بندے نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے بندے سے کہا تو نے کشتی میں اس لیے سوراخ کر دیا کہ کشتی غرق کر دے۔ یہ تو نے خطرناک بات کی ہے۔ اس بندے نے کہا میں نے تجھ سے کہا نہیں تھا کہ تو صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰ نے فرمایا میرے بھول جانے پر سختی نہ کر۔ گرفت نہ کر۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ انہیں ایک لڑکا ملا۔ تو اسے مار دیا۔ پھر موسیٰ نے کہا تم نے ایک بے گناہ کا ناحق مار دیا۔ پھر اس بندے نے کہا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ تو صبر نہ کر سکے گا۔ پھر موسیٰ نے کہا کہ اب میں تجھ سے کوئی سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھ۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں میں پہنچے تو ان سے کھانا مانگا۔ انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے ایک دیوار پائی جو گرنے ہی والی تھی۔ تب اس کی مرمت کر دی اور کوئی اجرت بھی نہ لی۔ موسیٰ نے کہا بندے سے آپ کو اجرت لینی چاہیئے تھی۔ بندے نے کہا اب میرے اور تیرے درمیان جُدائی ہے۔ ہم اب ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب میں تجھے ان باتوں کا راز بتاتا ہوں جن پر تو صبر نہ کر سکا۔ جو کشتی تھی وہ بہت غریب لوگوں کی تھی جو دریا پر مزدوری کرتے تھے۔ میں نے اس میں عیب کر دیا۔ کیوں کہ دریا کے دوسری طرف ایک ایک بادشاہ تھا جو جب اچھی کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا لڑکا اس کے والدین بہت ایمان دار تھے ہم ڈرے کہ یہ تو سکش اور کافر نکلے گا۔ وہ انہیں بھی سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کر

دے۔ ان کا رب اس کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے گا جو پاکیزگی میں ان سے بڑھ کر
ہو اور جو دیوار تھی وہ اس شہر کے دو یتیم بھائیوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور
ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ پس تیرے رب نے چاہا کہ وہ جوان ہو کر اپنا خزانہ نکالیں اور یہ
کام میں نے اپنے ارادے سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے اس کی جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی لامتناہیت اور نوع انسان کو عطا کردہ علوم کی لامحدودیت کا احساس جا گزیں ہونے لگتا ہے۔ ذہن کو مختلف فرقوں اور جھوٹے عقیدوں سے آزاد کر کے یہ واقعہ سمجھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر اس شخص سے جو نبی نہیں ہے علم حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بندے کی تمام شرائط کو تسلیم کرتے ہیں اور نتیجتاً ان شرائط پر قائم نہ رہ کر اس علم سے محروم رہ جاتے ہیں جو بہ راہ راست بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے یعنی ایک صاحب وحی ہستی ایسے یعنی ایک صاحب وحی ہستی ایسے بندے سے علم حاصل کر رہی ہے جسے قرآن میں محض بندہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول یا نبی نہیں۔

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر صاحب وحی ہستی ہیں لیکن آپ انہی علوم سے متصف ہیں جو آپ کو سکھا دیئے گئے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں ہر قسم کی محدودیت سے پاک اور آزاد ہیں۔

دیدار الٰہی اور شرف گفت گو کے ضمن میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ معراج نوع انسان کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

سورۃ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ

ترجمہ: ان کو تعلیم کرتا ہے جس کی طاقت زبردست ہے۔ اصلی صورت پر نمودار ہوا۔ جب وہ افق اعلا پر
تھا۔ نزدیک آیا۔ پھر اور نزدیک آیا۔ جھکا، دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ کم پھر اس نے اپنے بندے
سے باتیں کیں جو کرنی تھیں۔ جو دیکھا اس نے جھوٹ نہیں دیکھا۔ اب کیا تم اس سے اس چیز میں جھگڑا
کرو گے جو اس نے دیکھی؟

قرآن کریم فرقان حمید کی بیان کردہ یہ آیات ہر دانش ور اور سائنس دان کو تفکر کے عظیم الشان ذخائر فراہم کرتی ہے۔ معراج کی افضلیت یہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور محض اتنے فاصلے سے جو دو کمانوں سے بھی کم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بندے سے گفتگو کی جو وہ چاہتے تھے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ سب کچھ سچ تھا۔ حقیقت پر مبنی تھا۔ کیوں کہ سب کچھ ان کی آنکھ سے دیکھا گیا اور سنا گیا۔

لاریب اور عظیم الشان کتاب قرآن کی یہ آیات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کی انتہائی بلندیوں کا پتہ دیتی ہیں۔

معراج کی عظیم نعمتوں سے سرشار، دیدار الٰہی اور قرب الٰہی کی ابدی خوشیوں سے معمور آقائے نامدار حضور علیہ الصلوٰۃ کو اپنی امت کا اس قدر خیال ہے کہ رحمت للعالمین کے فیضان اور وراثت سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔ آپ نے یہ تمام تر علوم الصلوٰۃ معراج المومنین فرما کر اپنی امت کو عطا فرما دیئے ہیں۔ جو مادی حواس کے پس پردہ دیکھتا، سنتا اور سمجھتا ہے وہ صلوٰۃ کے ذریعے معراج کی سعادتوں اور

برکتوں سے مشرف ہو جاتا ہے کیوں کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی عمل یا فرمان قرآن کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔ اس ہی نعمت کا تذکرہ قرآن نے یومنون بالغیب کہہ کر اس جانب اشارہ کیا ہے۔

کہیں پر و فی انفسکم افلا تبصرون "میں تو تمہارے اندر ہوں دیکھتے کیوں نہیں"

کہہ کر اس راز سے پردہ اُٹھایا ہے۔

کسی جگہ پر صلوٰۃ میں حضور قلب کو امر لازم قرار دیا ہے اور کسی مقام پر "ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی صلوٰۃ سے غافل ہیں" کہہ کر نماز کے حقیقی مفہوم سے روشناس کرایا ہے۔ اس ہی لیے حضور پاک کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت میں ایسے افراد بھی ہوں گے جو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے برابر ہوں گے اور ان پر فوقیت رکھیں گے۔

خیر البشر، علم ذات کے امین باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کے وارث حضور قلندر بابا اولیا رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات یہ حقیقت منکشف کرتی ہیں کہ فرقہ ورایت اور جھوٹ کے جتنے بھی عقیدے گھڑ لیے جائیں نہ تو قرآن حکیم کی عظمت میں کسی قسم کی کمی ہو سکتی ہے اور نہ ہی قرآن کے حقیقی مفہوم کو بدلا جا سکتا ہے اور نہ ہی حضور کی بزرگی اور تقدس پر کوئی حرف آ سکتا ہے۔

حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ لیاء کا شعور ہمیں اس فہم سے روشناس کرتا ہے کہ کسی بھی پیغمبر کی حیثیت اپنی امت کے لیے ایک باپ کی ہوتی ہے۔ جو ماں کی ممتا کے جذبوں سے بھی مالا مال ہوتا ہے۔ جس کے پاس کائنات کی تسخیر کے فارمولے بہ طور امانت ہوتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ میں ہر رسول کے درجات علوم کی بنیاد پر مخصوص ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لامتناہی علوم کے خزانوں کے امین ہیں۔ اب یہ امت کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو سعادت مند اور نیک بخت ثابت کر کے تسخیر کائنات کے فارمولوں کے علوم حاصل کریں۔ فرقہ پرست، جھوٹا، فریبی، ریاکار، مذہب فروش سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقرب نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص کا خود کو آپ کا امتی کہنا نہ صرف جھوٹ ہے بلکہ آپ کی شان کے اقدس میں حد درجہ گستاخی اور بے ادبی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیا رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات ہمیں اس حقیقی شعور کا ادراک کراتی ہیں جس کی بنیاد پر جان لیا جاتا ہے کہ انسان دو حواس سے مرکب ہے۔ ایک حواس مظاہر میں کام کرتے ہیں جنہیں ہم مادی حواس کہتے ہیں۔ یہ حواس صرف اور صرف مادیت سے دل چسپی رکھتے ہیں۔ کیوں کہ مادے کو قرار نہیں ہے۔ یہ فنا ہونے والی چیز ہے۔ مادی حواس بھی مادے کی طرح عارضی اور مفروضہ ہیں جب کہ دوسرے حواس ان مادی حواس کا بالکل الٹ ہوتے ہیں۔ عرف عام میں انہیں روحانی حواس کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ حواس مادے کی نفی کرتے ہیں۔ ان میں داخل ہو کر مادے کی حقیقی روح کا ادراک ہوتا ہے۔ ان حواس سے انسان جو کچھ دیکھتا ہے وہ ہی حقیقی نظر ہے۔ یہی نظر اس کو اس کے رب سے متعارف اور دیدار کا ذریعہ بنتی ہے یہی حواس اس مشروب تک رسائی کرا دیتے ہیں جسے پی کر انسان حیات جاودانی حاصل کر لیتا ہے۔

قلندر باباولیاء کا طرز تفہیم

عمرہا در کعبہ بت خانہ می نالد حیات
تا زبزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری و معنوی زندگی موجودہ اختتام پذیر صدی میں فیضانِ الٰہی کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ قلب وذہن اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ آپ کا ذکرِ مسعود زمانہ ماضی میں کیا جائے۔ یعنی سرمایہ ہے کی جگہ سرماہ تھی لکھا جائے۔ حضور قلندر بابا الیاء کا وجود زندگی کی بے چین فریاد کی تسکین ہے جسے کائنات کی بزمِ عشق سے دانائے راز کی صورت میں قدرت نے ایک معنی خیز آب و گِل کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ اقبال تو جُنوں کے سکھائے ہوئے حرفِ راز کو بیان کرنے کے لیے نفَسِ جبرئیل کا انتظار کرتے رہے اور جب، ان کے جُنوں نے ان کا قلم روک دیا تو انہیں صرف اتنا کہنے کا حوصلہ ہوا۔

وہ حرف راز جو مجھ کو سکھا گیا ہے جُنوں
خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں

مگر حضور قلندر باباولیاء نے اس بھری بزم میں اسی راز کو برملہ بیان کر کے عقل و خرد کے لیے سامانِ فکر و نظر مہیا کر دیا۔

آپ کی ہدایت وارشاد کا ممتاز وصف یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا۔ لکھایا، تلقین فرمائی اس کا تخاطب براہ راست ذہن انسانی ہے۔ یہی اسی مضمون کا مدعا و مقصود ہے کہ آپ کی زبان و قلم سے نکلے ہوئے ملفوظات سخن فہمی کی ہر صنگ میں یکساں موجود ہیں اور جو نثر شعر و اشعار بن کر سرِ محفل دھیمے لہجے میں پند و نصائح یا بزلہ سنجی سمیت ہلکے پھلکے متبسم اندازِ تکلم میں پیش کئے جاتے رہے۔ وہ اپنے اندر معنوی نکات کا بیش بہا خزانہ لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنھیں سنتے تو تمام حاضرینِ مجلس تھے یا پڑھنے والے پڑھتے تھے مگر ان کے ادراک و فہم آفرینی کا لطف وہی لوگ اٹھاتے تھے جن کا ذہن حضور قلندر باباولیاء کے قرب ذہنی سے ہم آہنگ ہوتا تھا۔

ایک دفعہ آپ نے واشگاف انداز میں فرمایا تھا۔

"ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ ہم ذہن پڑھتے ہیں، الفاظ اور ان کے معنے ہمارے سامنے نہیں ہوتے۔ ہمارے مرشد ہمیں خلافت یونہی نہیں دے دی تھی۔"

آپ بھی حضور کے ماورائی لہجے میں کہے گئے ارشاد "ہم ذہن پڑھتے ہیں" کو بار بار پڑھیں گے تو آپ کے ذہن کی گرہیں ایک ایک کر کے کھلتی جائیں گی۔ اور اگر آپ اس قولِ فیصل کی گہرائیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو آپ کا ذہن بھی حضور قلندر باباولیاء کے ذہن مبارک کے زیر سایہ دوسروں کا ذہن پڑھنے کی صلاحیت حاصل کر لے گا۔

آپ کی طرز تفہیم کا وصف یہ تھا کہ کسی واقعہ، تمثیل، لطیفہ، شعر وغیرہ بیان کرنے میں صرف کلیدی کلمات استعمال کرتے تھے۔ طول بیان، اور تشریح و توضیح کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ توقع کرتے تھے کہ اس گورکھ دھندے میں آپ کے سامعین بھی مبتلا نہ ہوں۔ اور براہ راست الفاظ کی روح کو اپنے فہم کی روح میں داخل کر لیں۔ اور فیض ربی کا تماشا دیکھیں۔

اُسے عمرِ خضر سے کیا غرض جسے اک نظر میں وہ مل گیا
وہی لمحہ بھر کی تھی جستجو جو ہزار سال کی بات ہے

حضور قلندر بابا اولیاء اکثر و بیشتر عمومی افہام و تفہیم کے لیے اپنے ساتھ یا اپنے سامنے والے واقعات کو بنیاد بنا کر کسی خیال یا نکتہ کو پیش کیا کرتے تھے۔ اس حقیقت بیان اور صداقتِ نظریہ و خیال کے متعلق کوئی ابہام یا عدم صداقت کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً نمود و تفاخر کو زندگی سے ملوث نہ کرنے کا عہد اس واقعہ کے ضمن میں پیش آیا جب ایک دفعہ بمبئی کے ایک سیٹھ نے بابا تاج الدین ناگپوری (حضور قلندر بابا اولیاء کے محترم نانا) کو کمخواب کا قیمتی لباس اراہِ عقیدت پیش یا۔ حضور فرماتے ہیں کہ نانا تاج الدین نے سیٹھ کے سامنے اس لباس کو پہن لیا اور کچھ دیر تک اس کی دلجمعی کے لیے کٹیا میں ٹہلتے رہے۔ سیٹھ کے جانے کے بعد آپ نے اس کٹیا کی کچی زمین کی گیلی مٹی کو جو کیچڑ بن گئی تھی، ہاتھ میں لے کر اس قیمتی لباس پر جگہ جگہ ملنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے کہ کیا میں اس کپڑے کی خاطر اپنی زندگی خرچ (ضائع) کر دوں۔ باباجی (حضور قلندر بابا اولیاء) فرماتے ہیں کہ اسی دن سے میری نظر میں قیمتی اشیاء کی حیثیت ختم ہو گئی۔ یہ حضرت بابا قلندر کے بچپن کا واقعہ ہے۔ آپ نے ہی حضرت نانا کے طرز عمل پر اعتراض کیا تھا۔ اسی نشست میں حضور قلندر بابا اولیاء نے نانا کے جلال کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے پُر اسرار کلمات کو یوں بیان کیا۔۔۔ "کیا ہم نے جیلیں یوں ہی بنائی ہیں۔ (یعنی ان میں لوگ تو آئیں گے)"۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان لمحات میں ماضی، حال اور مستقبل کا کونسا بیزار کن منظر پیش نظر تھا جس نے اس خوفناک وعید کی صورت میں بابا تاج الدین کے پاک و شفاف ذہن کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ حضرت قلندر بابا اولیاء نے یہ نہیں بیان کیا۔ اور نہ کسی کو اس مجلس میں یہ سوال کرنے کی جراءت ہوئی کہ حضرت نانا تاج الدین نے ایسے جلالی کلمات کس واقعاتی پس منظر میں کہے تھے۔ اس دو طرفہ خاموشی سے افہام و تفہیم کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ اگر اس کی توضیح کی واقعی ضرورت ہوتی تو حضرت قلندر بابا اولیاء استفسار کا انتظار کیے بغیر کود ہی بتلا دیتے۔ دوسرا پہلو یہ سامنے آتا ہے اور یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ بیان کرتے وقت حضرت قلندر بابا اولیاء نے خود اپنے ذہن میں اس واقعہ کی تمثیل کو باطن میں بالالتزام دیکھا اور ان پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو بچپن میں واقع ہوئی تھی۔

ایک اور موقع پر فرمایا: دوزخ جنت ہے اگر اس میں ڈالا جانے والا گناہ گار اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکم جان کر بخوشی اور اطاعت کے ساتھ قبول کرے۔ اور جنت دوزخ بن جائے گی اگر اس میں بھیجا جانے والا اسے اپنا حق سمجھے۔۔۔ روز حشر اللہ تعالیٰ صرف دوزخیوں کو حکم دے گا کہا انہیں جہنم میں لے جاؤ۔ اس مقام پر اہل جنت کے متعلق کوئی حکم نہ ہو گا۔ کیونکہ جنتی اسے اپنا حق سمجھتے ہوئے جنت میں جانا چاہتے ہیں۔ اور یہی دوزخ ہے۔

ایک نشست میں سود کے متعلق ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ دنیا کی ساری برائی سود کی وجہ سے ہے۔ اگر سود کا خاتمہ نہ ہوا تو دنیا خراب و ختم ہو جائے گی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میرے نزدیک بہترین عمل سود سے اجتناب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ والا کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ آپؐ دنیا کے عظیم ترین اور کامل ترین انسان ہیں کہ آپؐ نے دنیا میں سب سے پہلے سود کی حرمت (حرام قرار دینے) کا اعلان کیا۔

توبہ کے متعلق استفسار پر چند بیش بہا باتیں فرمائیں: انسان فطرتاً اپنی پیدائش ہی سے کچھ اچھے کچھ برے اعمال کا تصور لے کر آتا ہے اچھے عمل پر کاربند رہنے سے اس کے دل کو اطمینان رہتا ہے اور اپنی عقیدت کے تحت بُرے عمل سے بچتا رہتا ہے۔ اگر کوئی کام سہواً

سرزد ہو جائے تو دل میں کسک محسوس کرتا ہے، پچھتاتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے کہ یہ نادانستہ غلطی ہو گئی۔ اور توبہ مقبول ہو جاتی ہے تو یہ اللہ کو پسند ہے۔ مگر جب کسی گناہ کو قصداً کیا جائے تو جب تک اس گناہ یا برے کام سے بچنے کا حتمی اقرار نہ کیا جائے اور اس پر سختی سے عمل بھی نہ کیا جائے تو یہ توبہ قبول نہیں ہوتی۔

حضور کے مزاج میں شگفتگی اور بزلہ سنجی کی کمی نہ تھی۔ بعض دفعہ ایسے اشعار بھی بے تکلف سنا جاتے تھے کہ حاضرین محفل حدِ ادب و احترام میں رہتے ہوئے ان کی داد بھی دیتے تھے اور جواباً حضور صرف زیرِ لب مسکراتے تھے۔ ان اشعار کو موقع محل کی مناسبت سے پیش کر دینا ہی تہذیب و اخلاق کا عملی درس کا درجہ رکھتا ہے اور مزاح کی بندش کے خلاف عدم پسندیدگی کا اظہار بھی۔ آپ بھی اس ضمن میں پیش کیے گئے (ذاتی کلام سے ہٹ کر) چند شگفتہ و شستہ اشعار سے لطف اندوز ہوں۔

جام ہے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

اس نے دیوانہ سمجھ کر نہ کیا مجھ سے حجاب
چاک ہو کر تو بڑے کام گریباں آیا

یہ کالی کالی بوتلیں ہیں جو شراب کی
راتیں انہی میں بند ہیں عہدِ شباب کی

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آیا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

گوہر جاں (کلکتہ کی مشہور خوش ذوق، اور خوش ادا مغنیہ) کے متعلق اکبر الہ آبادی کا تناہی فی البدیہہ اور شگفتہ شعر

خوش ادا کون ہے کلکتہ میں گوہر کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

ہماری روزمرہ کی زندگی میں دو امور بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ یعنی (۱) خواہش یا ارادہ کی تکمیل اور (۲) نامساعد حالات سے کامیابی سے گزرنے کے لیے صبر و استقلال کا فقدان۔

ا۔ ہم بسا اوقات ذکر و شمار سے کام لے کے تسبیح کے دانوں کی طرح اپنے ارادہ، اپنی خواہش یا اپنی دعا کو دہراتے رہتے ہیں مگر نتیجہ عموماً صفر ہی رہتا ہے ارادہ کی تکمیل کے سلسلہ مین حضور قلندر باباولیاء فرماتے ہیں:

ارادہ کی تکرار (بار بار دہرانا) ارادہ کی قوت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ارادہ سوالاکھ بار ہی دہرایا جائے۔ لیکن ارادہ میں اتنی قوت ہونی چاہیئے، جو سوالاکھ بار دہرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ قوت موجود ہے تو ایک حرکت کافی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا اور زیادہ تر اس زمانہ میں ۹۹۹ فی ہزار ایسا ہی ہوتا ہے کہ سوالاکھ بار دہرایا ہوا ارادہ بھی ایک بار کی قوت سے آگے نہیں بڑھتا۔ دراصل ارادہ دہرایا ہی نہیں جاتا کیونکہ جن الفاظ کے ذریعہ ارادہ کو دہرانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ الفاظ دہرانے والے انسان کے ذہن میں اپنی کوئی تصویر یعنی معنی کے خدوخال پیدا نہیں کرتے۔ ارادہ دراصل کوئی نہ کوئی شکل و صورت رکھتا ہے۔ جس مطلب کا ارادہ ہو مطلب اپنی پوری شکل و صورت کے ساتھ ارادہ میں مرکوز ہونا ضروری ہے بغیر شکل و صورت کے کسی ارادہ کو ارادہ نہیں کہہ سکتے۔۔

۲۔ نامساعد حالات میں پیش آنے والی مشکلات اور پابندیوں کو صبر اور خوشی سے برداشت کرنے اور ان سے کامیابی سے گزرنے کے لیے دلکش پیرایہ میں اظہارِ خیال کرتے ہیں، کا مفہوم یہ ہے کہ کم ہمتی اور بے عقلی کے دباؤ میں آکر پیش آنے والی پابندیوں سے فرار ڈھونڈنا ہے۔ کم ہمتی دہرے نقصان کا سبب بنتی ہے یعنی ناکامی بھی ہوتی ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

قلندر باباولیاء فرماتے ہیں: اگر کوئی پابندی اس نے (جو حالات کا شکار ہے) رضاکارانہ برداشت کی تو اس کا فائدہ اس کو ملتا ہے۔ اور وہ فائدہ اس کا انعام ہے۔ لیکن اگر کوئی مجبوراً پابندی برداشت کرتا ہے (کیونکہ اس سے مفر نہیں) تو اس کے لیے وہی پابندی سزا ہے۔ غور طلب یہ ہے کہ وہ انعام سے تو انکار کرتا ہے اور سزا کے لیے ہر وقت آمادہ ہے۔ اور سزا برداشت کرتا ہے۔ اس لیے کہ سزا برداشت کرنے کے لیے مجبور ہے۔ اگر وہ طرز فکر میں تبدیلی کر دے اور رضاکارانہ پابندی برداشت کر لے تو وہ سزا نہیں رہتی بلکہ انعام بن جاتی ہے۔ یہ وہ بد عقلی ہے جو انسان کو ہمیشہ پریشان رکھتی ہے۔

ارشادات عالیہ

یوں تو آپ کے ارشادات مبارک اتنے ہیں کہ ان پر کئی جامع کتابیں بھی تحریر کی جائیں تو بھی ان میں کمی واقع نہ ہو یہاں پر چند ارشادات مبارکہ پیش خدمت ہیں جو نوع انسانی کے لیے ایک پیغام ہیں،

- اصل رشتہ روحانی رشتہ ہے۔
- سکون ایک کیفیت کا نام ہے جو یقینی ہے اور جس کے اوپر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔
- آدمی آدمی کی دوا ہے۔
- استغناء بغیر یقین کے پیدا نہیں ہو سکتا اور یقین کی تکمیل بغیر مشاہدے کے نہیں ہوتی۔
- کسی کو اپنا بنانے کے لیے اپنا بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔
- قرآنی پروگرام کے دونوں اجزاء نماز اور زکوۃ روح اور جسم کا وظیفہ ہیں۔ وظیفے سے مراد حرکت ہے جو زندگی کو قائم رکھنے کے لیے انسان پر لازم ہے۔
- آیات الٰہی سے مراد ایسی نشانیاں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں توجہ دلائی ہے۔
- اپنے نفس کا عرفان انسان پر معرفت الٰہیہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔
- ایمان سے مراد ذوق ہے، ذوق وعادت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔
- ایک مرتبہ مرید اور مرشد کے آپس کے تعلق کے حوالے سے بتایا کہ:

"مرید اور مرشد کا رشتہ استاد شاگرد، اولاد اور باپ کا ہے۔ مرید مرشد کا محبوب ہوتا ہے۔ مرشد مرید کی افتاد طبع کے مطابق تربیت دیتا ہے۔ اس کی چھوٹی بڑی غلطیوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ نشیب و فراز اور سفر کی صعوبتوں سے گزر کر اس مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ جہاں پر سکون زندگی اس کا اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔"

آپ کا یہ ارشاد مبارک ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے: "میری روحانی اولاد مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہے تو اس کے اوپر فرض ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔ تصور شیخ اور مراقبہ کے ذریعے اپنی روح کا عرفان حاصل کیا جائے۔ دنیاوی معاملات میں پوری کوشش کی جائے لیکن نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دیا جائے۔ کوشش کی جائے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، نہ اپنی نہ دوسروں کی۔ بڑوں کا احترام اور بچوں پر شفقت سلسلہ عظیمیہ کے افراد پر لازم ہے۔، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ کسی کو برا نہ کہو۔ اس لیے کہ آدمی خوس سب سے برا ہے۔ مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دل میں ایمان داخل ہو۔"

کشف و کرامات

باب ششم

کشف و کرامات

خرق عادت یا کرامت کا ظہور کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ جب کسی بندہ کا شعوری نظام لاشعوری نظام سے خود اختیاری طور پر مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عام طور سے نہیں ہوتیں۔ اور لوگ انہیں کرامت کے نام سے یاد کرنے لگتے ہیں جو سب بھان متی ہے۔ روحانی علوم اور روحانیت بالکل الگ ہے۔۔۔ اعمال و حرکات میں خرق عادت اور کرامت خود اپنے اختیار سے بھی ظاہر کی جاتی ہے اور کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ خرق عادت آدمی کے اندر ایک ایسا وصف ہے جو مشق کے ذریعے متحرک کیا جا سکتا ہے۔

جاپان سے ڈپلومہ

سلسلہ عظیمیہ کے صاحب دل اور صاحب مقام بزرگ ڈاکٹر عبدالقادر صاحب جب حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے تو ان کے پیش نظر دو باتیں تھیں۔ ایک یہ کہ جاپان جا کر ٹریننگ حاصل کریں اور وولن اسپننگ ماسٹر (Woollen Spinning Master) کا ڈپلومہ حاصل کریں۔ چنانچہ حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی گئی۔ حضور باباجیؒ نے فرمایا "آپ کو ٹریننگ کے لئے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ بس آپ اسپننگ ماسٹر ہیں۔"

بابا صاحبؒ کے فرمانے کے بعد حالات کچھ اس طرح سے پیش آئے کہ ولیکا مل میں جو جاپانی اسپننگ ماسٹر کام کرتا تھا وہ ملازمت چھوڑ کر چلا گیا اور ہمارے یہ بزرگ اسپننگ ماسٹر کے عہدے پر کام کرنے لگے اور عرصہ دراز تک کام کرتے رہے۔ دوسرا مسئلہ شادی تھا۔ جس لڑکی سے ڈاکٹر صاحب شادی کرنا چاہتے تھے وہ ہندوستان میں تھی۔ تقسیم کے بعد یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے۔ اٹھارہ سال کے طویل انتظار کے بعد ان صاحب کا خط موصول ہوا۔ خط لے کر یہ بزرگ عثمان آباد، لارنس روڈ والے گھر میں حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضور بابا صاحبؒ نے خط پڑھا اور پڑھنے کے بعد صرف اتنا فرمایا کہ:

آپ فلاں دن لاہور چلے جائیں۔ وہاں شادی کریں۔ اسلام آباد اور مری میں ہنی مون منا کر واپس آ جائیں۔

لاہور کی روئیداد بھی عجیب روئیداد ہے۔ جب یہ بزرگ لاہور میں بتائے ہوئے مقام پر پہنچے تو پہلی ملاقات لڑکی کے والد سے ہوئی۔ یہ وہی صاحب تھے جن کی وجہ سے شادی نہیں ہو سکی تھی۔ نہایت اخلاق سے پیش آئے اور گھر میں اندر لے گئے۔ لڑکی سے گفتگو ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ اب ان صاحب سے شادی نہیں کرے گی کیوں کہ اب وہ ٹی بی اور سل جیسے مرض میں مبتلا ہو چکی ہے لیکن سچی محبت کبھی کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتی۔ ہمارے محترم بزرگ نے شادی کر لی۔ شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے نہایت خوش حال زندگی گزارتے رہے۔ ابھی اٹھارواں مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بیوی اچانک داغ مفارقت دے گئی۔ یہ بھی قدرت کا عجیب راز ہے کہ اٹھارہ سال کی مدت کے انتظار کی تشنگی اٹھارہ مہینوں میں ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ پھر جدائی کی دیوار بیچ میں آ گئی۔ اس المیہ کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ ڈاکٹر صاحب تقریباً دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئے اور عشق مجازی میں جو ذہنی یکسوئی حاصل ہوئی تھی وہ

سب حضور باباصاحبؒ کی طرف منتقل ہوگئی کہ حضور باباجیؒ اور ڈاکٹر صاحب میں دوری نہیں رہی۔ جس زمانے میں یہ المناک واقعہ پیش آیا، ڈاکٹر صاحب کی آسائش و آرام کی زندگی پر بڑے بڑے لوگ رشک کرتے تھے اور جب حضور قلندر باباولیاءؒ کی زلف کے اسیر ہوئے تو تمام دنیوی آسائش کے سامان خود سے الگ کر دیئے۔ جس وقت اس عالی مقام بزرگ نے اپنا دنیاوی چولا بدلا، اس وقت ان کے پاس تقریباً ڈیڑھ سو ٹائیاں تھیں اور اسی مناسبت سے سوٹ، مغرب کی دل دادہ ہستی نے اب جو روپ اختیار کیا وہ یہ ہے۔ ایک کرتا، ایک لنگی، اللہ بس، باقی ہوس۔ حضور قلندر باباولیاءؒ کی نظر کرم کا فیض ان کے اوپر اتنا محیط ہوا اور اس بزرگ ہستی نے اتنا ریاض کیا کہ اب وہ سلسلہ عظیمیہ میں ایک عظیم مقام پر فائز ہیں۔

خون کی قے

ایک رات دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دو صاحبان کھڑے ہیں اور حضور قلندر باباولیاءؒ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اس وقت حضور باباصاحبؒ سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ رات زیادہ ہوگئی ہے۔ میرے یہ کہنے پر ایک صاحب نے اپنا منہ کھول دیا۔ میں یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ ان کا منہ خون سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے زمین پر خون تھوک دیا۔ حالت کیوں کہ غیر معمولی تھی اس لئے میں نے ان صاحب کو باباجیؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

باباصاحبؒ کی خدمت میں پیش ہونے کے بعد وہی صورت پیش آئی کہ ان صاحب نے اپنا منہ کھول کر دکھایا تو اتنی دیر میں منہ پھر خون سے بھرا ہوا تھا۔ باباصاحبؒ کے پوچھنے پر ان کے ساتھی نے بتایا کہ ایک ہفتے سے یہ بیماری لاحق ہوگئی ہے کہ منہ میں خون آجاتا ہے اور یہ پانی کی طرح خون کی کلیاں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خون کی بوتل چڑھاتے رہتے ہیں اور منہ سے خون خارج ہوتا رہتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی خون کی بوند (Drop) ختم ہوئی تھی کہ میں اِنہیں وہاں سے اُٹھالایا۔ حضور باباصاحبؒ نے آدھ منٹ کے لئے غور کیا اور جو علاج تجویز فرمایا وہ یہ ہے :

"پرانے سے پرانا ٹاٹ لے کر اس کو جلا دیا جائے۔ جب ٹاٹ اچھی طرح آگ پکڑے تو اس کے اوپر توا اُلٹا دیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد ٹاٹ راکھ بن جائے گا۔ اس جلے ہوئے ٹاٹ کو کھرل میں پیس کر شہد میں ملایا جائے اور صبح، شام، رات، تین وقت یہ شہد مریض کو چٹایا جائے۔ "

وہ دونوں صاحبان شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔ میں کئی دن تک یہ سوچتا رہا کہ اس مریض کا کیا بنا اور اس بات پر بار بار افسوس کرتا رہا کہ اگر میں پتہ پوچھ لیتا تو خیریت معلوم ہو جاتی۔ چوتھے روز وہ دونوں صاحبان پھر تشریف لائے۔ اب ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ اور حضور باباصاحبؒ کے گلے میں ڈالنے کے لئے گلاب کا ہار تھا۔

خواجہ غریب نوازؒ اور حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ

جس زمانے میں حضور قلندر باباولیاءؒ رسالہ نقاد، کراچی میں کام کرتے تھے، میرا یہ معمول تھا کہ شام کو چھٹی کے وقت حاضر خدمت ہوتا اور حضور باباصاحبؒ قبلہ کو اپنے ساتھ لے کر نقاد کے دفتر سے کچھ دور رتن تالاب پر واقع اپنے جھونپڑے میں لے جاتا۔ وہاں ایک بہت خوبصورت نشست ہوتی تھی۔ غیر تعلیم یافتہ مگر بہت مخلص، تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے دوست تشریف لاتے تھے۔ ایک

روز کا واقعہ ہے کہ میں دوپہر کو گھر آیا تو ایک صاحب جن کا نام زبیر احمد انصاری تھا، مجھے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ حضور قلندر بابا صاحبؒ قبلہ اور دو اور بزرگ کمرے میں تشریف رکھتے ہیں اور اندر سے کنڈی لگالی ہے۔ دروازے کے پاس میں نے بزرگوں کی سرگوشی سنی لیکن کوئی لفظ میرے کان میں نہیں اترا۔ سوچا کہ بازار سے دودھ لے آؤں اور چائے بنالوں۔ چولھا جلا کر پانی رکھا اور دودھ لینے چلا گیا۔ دودھ لے کر واپس آیا تو تینوں صاحبان تشریف لے جاچکے تھے۔ بہت افسوس ہوا۔ بہر حال، شام کو جب میں حضور بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو لینے کے لئے نقاد کے دفتر پہنچا تو میں نے پوچھا۔ "حضور! دوپہر کے وقت آپ چلے آئے۔ میں چائے پیش کرنا چاہتا تھا اور آپ کے ساتھ وہ بزرگ حضرات کون تھے؟"

فرمایا، "بو علی شاہ قلندرؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ تشریف لائے تھے۔ کچھ قانون کے اوپر تبادلۂ خیال کرنا تھا۔"

مجھے آج تک اس بات کا ملال ہے کہ میں نے دودھ لینے کے لئے زبیر کو کیوں نہیں بھیج دیا! کاش ایسا ہو جاتا اور اس خاکسار کو حضور خواجہ غریب نوازؒ اور بو علی شاہ قلندرؒ کی جسمانی زیارت ہو جاتی!

شاہ عبد الطیف بھٹائیؒ

ہمارے ایک دوست تھے مظفر صاحب یہ حضور بابا صاحبؒ کی حیات میں ہی بروک بانڈ کمپنی میں سیلز ڈائریکٹر تھے۔ حضور بابا صاحبؒ ہر اتوار کی شام کو ان کے گھر تشریف لے جاتے اور بہت سارے لوگ جمع ہو کر اپنے مسائل پیش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مظفر صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دیں اور بہت سی نعمتیں عطا کریں۔ حضور بابا صاحبؒ کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے۔ ایک روز پروگرام بنا کہ حضرت لعل شہباز قلندرؒ اور شاہ عبد الطیف بھٹائیؒ کے مزارات پر حاضری دی جائے۔ شاہ عبد الطیف بھٹائیؒ کے مزار مبارک میں جب سب لوگ اندر تشریف لے گئے اور فاتحہ پڑھی تو حضور بابا صاحبؒ تیزی کے ساتھ مزار سے متصل مسجد میں چلے گئے۔ مسجد کے ایک گوشے میں بہ نفس نفیس و بہ تمام کمال جسمانی طور پر اللہ کے دوست حضرت شاہ عبد الطیف بھٹائیؒ موجود تھے۔ حضور بابا صاحب قبلہؒ نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان سے مصافحہ کیا اور عرض کیا۔

"شاہ صاحب! میرے ساتھ اور بھی لوگ ہیں، وہ ڈر جائیں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی شاہ صاحبؒ بجلی کے کوندے کی طرح نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

نمک کی مقداریں

ایک دفعہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ روشنی کی لہروں کے اتار چڑھاؤ، لہروں کے ردوبدل اور لہروں کی مقداروں میں کمی بیشی سے قانون تخلیق کی وضاحت فرما رہے تھے۔ آپ یہ بتا رہے تھے کہ مقداروں کے ردوبدل سے تخلیق میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور کائنات میں موجود ہر شئے ان ہی لہروں کے تانے بانے سے بنی ہوئی ہے۔ جب نورانی لہریں نزول کر کے روشنی بنتی ہیں تو مختلف مظاہر وجود میں آجاتے ہیں۔ مادہ دراصل روشنیوں کا خلط ملط ہے۔ مثال میں جب نمک کا تذکرہ آیا اور نمک کے اندر کام کرنے والی روشنیوں کا عمل دخل زیر بحث آیا تو میں نے عرض کیا۔

"حضور! اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی کے اندر نمک کی لہریں ہر وقت مشترک رہتی ہیں۔ نمک کی لہریں آتی رہتی ہیں۔ ذخیرہ ہوتی رہتی ہیں اور خرچ ہوتی رہتی ہیں؟"

حضور باباصاحب نے فرمایا:

"نمک جسم کے مسامات سے خارج ہوتا رہتا ہے اور جب مقداروں کے مطابق خرچ نہیں ہوتا تو بلڈ پریشر کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور مقداروں سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو (LOW) لو بلڈ پریشر لاحق ہو سکتا ہے۔"

مجھے کیا سوجھی کہ میں ایک کٹورے میں پانی بھر لایا اور عرض کیا "یا شیخ! جب مسامات سے نمک خارج ہوتا رہتا ہے تو پانی میں انگلیاں ڈالنے سے پانی نمکین ہو جاتا ہو گا۔" حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے کٹورے میں پانچوں انگلیاں ڈال دیں اور کچھ دیر کے بعد ہاتھ نکال کر فرمایا۔ "چکھو! یا بدیع العجائب! کٹورے کا پانی سمندر کے پانی کی طرح نمکین اور کڑوا تھا۔

اولاد سے محرومی

غالباً لندن یا امریکہ سے ایک خاتون تشریف لائیں اور بتایا کہ ڈاکٹروں نے ان کے پیٹ میں رسولی بتائی ہے جس کی وجہ سے وہ اولاد سے محروم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے والی بندی ہوں لیکن مشکل یہ پیش آگئی ہے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے شوہر دوسری شادی کرنے پر بضد ہیں یہ کہہ کر وہ خاتون کچھ ایسی بے قراری سے روئیں کہ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور روتے روتے انہوں نے اپنا سر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے سینے پر رکھ دیا۔ حضور باباصاحبؒ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ آنسوؤں سے قمیض بھیگی تو لگا کہ دل بھی بھیگ گیا۔ حضور باباصاحبؒ تیزی کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

خاتون سے فرمایا۔ "سیدھی لیٹ جاؤ"۔ کچھ پڑھا، پڑھ کر انگشتِ شہادت پر پھونک ماری اور انگلی سے رسولی کی جگہ ایک کراس (X) بنا دیا۔ ڈاکٹروں نے ٹیسٹ کیا تو پتہ چلا کہ رسولی ختم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خاتون کو اولاد سے بھی نوازا۔

قدرت اپنے پیغام کو پہچانے کے لئے دیے سے دیا جلاتی رہتی ہے۔ معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ صوفی، ولی، غوث، قطب، مجذوب، اوتار، قلندر، ابدال قدرت کے وہ ہاتھ ہیں جن میں روشنی کی مشعل روشن ہے۔ یہ پاکیزہ لوگ اس روشنی سے اپنی ذات کو بھی روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشنی کا انعکاس دیتے ہیں۔

ان پاکیزہ اور قدسی نفسی حضرات سے جب خرق عادت صادر ہوتی ہے تو کرامت کہلاتی ہے۔

قلندر باباولیاء کی کرامات میں سے چند کرامات پیش کی جاتی ہیں۔

کبوتر زندہ ہو گیا

مجھے کبوتر پالنے کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ ایک فاختہ آکر کبوتروں کے ساتھ دانہ چگنے لگی۔ ایک کبوتر کے ساتھ اس کا جوڑا ملا دیا گیا۔ اس کے انڈوں سے جو دو بچے نکلے وہ اپنی خوبصورتی میں یکتا اور منفرد تھے۔ پروں کا رنگ گہرا سیاہ اور باقی جسم سفید تھا۔ ان کے اندر اس قدر کشش تھی کہ جو دیکھتا تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔ شامت اعمال، ایک روز صبح سویرے بلی نے ایک کبوتر کو پکڑا اور چھت پر لے گئی۔ میں نے جب بلی کے منہ میں یہ کبوتر دیکھا تو میں اس کے پیچھے دوڑا۔ اوپر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ بلی نے کبوتر کے بال و پر الگ کر دیئے

ہیں اور بیٹھی اسے کھا رہی ہے۔ غصہ تو بہت آیا مگر پھر سوچا کہ کبوتر تو اب مر ہی چکا ہے، بلی کو ہی پیٹ بھرنے دیا جائے اور جب یہ کبوتر کھا چکے گی تو اسے سزا دوں گا۔ یہ خیال آتے ہی میں نیچے چلا گیا۔ لیکن مجھے اتنا شدید صدمہ تھا کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور بابا صاحب قبلہؒ پہلی منزل کے کمرے میں تخت پر تشریف فرما تھے۔ میں نے حضرت سے احتجاجاً عرض کیا کہ بلی نے میرا کبوتر مار دیا ہے۔ حضور بابا صاحبؒ نے فرمایا ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے بلی میرا کبوتر لے جائے، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کہنے کے بعد میں دل برداشتہ باورچی خانے میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگا۔ میرے حضور بابا جیؒ نے مجھے آواز دی لیکن غصے نے مجھے گستاخی پر مجبور کر دیا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ آواز دی۔ وہ بھی میں نے ان سنی کر دی۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب بھائی محسن صاحب بھی میرے ساتھ رہتے تھے۔ حضور بابا صاحبؒ نے بھائی محسن کو آواز دی اور میرے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ خواجہ صاحب کو کبوتر کے مرنے کا بہت صدمہ ہے اور وہ باورچی خانے میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضور بابا صاحبؒ ان کی اس بات سے متاثر ہوئے اور فرمایا

"خواجہ صاحب کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ انکا کبوتر آ گیا ہے۔"

بھائی محسن صحن میں آئے تو دیکھا کہ وہ کبوتر دوسرے کبوتروں کے ساتھ موجود تھا۔ بھائی محسن نے یہ بات مجھے بتائی تو میں نے اس کو مذاق پر محمول کیا اور سمجھا کہ یہ بات میری دل جوئی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے سنجیدگی سے کہا کہ آپ باہر جا کر دیکھیں تو سہی تو میں بے یقینی کے عالم میں اُٹھ کر صحن میں آیا۔ دیکھا تو کبوتر موجود تھا۔ کبوتر کو دیکھتے ہی میں دوبارہ دوڑا ہوا چھت پر گیا اور تخت کے نیچے دیکھا تو وہاں خون کے دھبے اور کچھ پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے شدید ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ میں نے نیچے آ کر حضور بابا صاحبؒ کے پیر پکڑ لئے اور اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔ شام ہونے سے پہلے پہلے سارے کبوتر تقسیم کر دیئے۔

گونگی بہری لڑکی

حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں ایک لڑکی کو پیش کیا گیا جو پیدائشی طور پر گونگی اور بہری تھی۔ جن لوگوں نے حضور قلندر باباولیاءؒ کو قریب سے دیکھا ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے مزاج میں احتیاط بہت تھی اور وہ کرامات سے طبعاً گریز فرماتے تھے۔

اس دن نہ معلوم کون سا وقت تھا کہ حضور باباجیؒ نے لڑکی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

ظاہر ہے گونگی بہری لڑکی کیا جواب دیتی۔ خاموش رہی۔

دوسری دفعہ آپ نے پھر فرمایا، "بتا تیرا نام کیا ہے؟"

لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

تیسری بار انہیں جلال آ گیا۔ سخت غصہ کے عالم میں مارنے کے سے انداز میں ہاتھ اٹھایا اور فرمایا، "بتا، تیرا نام کیا ہے؟"

اور لڑکی نے بولنا شروع کر دیا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت اس لڑکی کا سن سولہ، سترہ سال کا ہو گا۔

ٹائم اینڈ اسپیس

حضور باباصاحبؒ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز شام کے وقت وہ اپنے گھر جاتے تھے اور اتوار کی شام واپس تشریف لے آتے تھے۔ ایک مرتبہ اتوار کے روز مغرب سے کچھ پہلے بارش شروع ہوگئی، شدید اور موسلا دھار بارش۔ میں نے یہ سوچ کر کہ بارش بہت تیز ہے اور حضور باباجیؒ تشریف نہیں لائیں گے، گھر کے دروازے بند کر دیئے اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضور باباجیؒ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ انتظار کرتے کرتے میں سو گیا تھا، اس لئے شاید خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن جب میں چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھا تو باباجیؒ نے مجھے آواز دی۔ میں حیرت زدہ ہو کر نہایت تیزی کے ساتھ اور گھبراہٹ کے عالم میں چارپائی سے اُٹھا اور باباصاحبؒ کے قریب جا کر پوچھا۔ "اتنی تیز بارش میں آپ کیسے تشریف لائے؟" 'باباجیؒ مسکرائے اور فرمایا۔ "بس، میں آ گیا۔"

میں نے باباصاحبؒ کی شیروانی اٹھائی تاکہ اس کو کھونٹی پر لٹکا دوں تو یہ دیکھ کر مزید حیران ہوا کہ شیروانی کے اوپر پانی کی ایک بوند بھی نہیں تھی۔ میں نے پھر عرض کیا۔ "آپ اس طوفانی بارش میں لارنس روڈ سے ناظم آباد تشریف لے آئے اور آپ کی شیروانی بھیگی تک نہیں؟"

باباصاحبؒ نے تبسم فرمایا اور کہا۔ "خواجہ صاحب! ٹائم اسپیس محض مفروضہ ہے۔ یہ بات ابھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

رات بارہ بجے مچھلی

ایک رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا کہ باباصاحبؒ نے ارشاد فرمایا:

"مچھلی مل جائے گی؟"

میں نے عرض کیا، "حضور! ساڑھے گیارہ بجے ہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کسی ہوٹل میں ضرور ملے گی۔"

باباصاحبؒ نے فرمایا، "نہیں، ہوٹل کی پکی ہوئی مچھلی میں نہیں کھاتا۔ گھر میں پکی ہوئی مچھلی کو دل چاہ رہا ہے۔"

میں شش و پنج میں پڑ گیا کہ اس وقت کچی مچھلی کہاں سے ملے گی۔ اس زمانے میں ناظم آباد کی آبادی بہت کم تھی۔ بہرحال، میں نے اپنے دل میں یہ سوچ لیا کہ مچھلی ضرور تلاش کرنی چاہیئے۔

یہ سوچ کر میں نے ٹوکری اٹھائی تو باباصاحبؒ نے فرمایا، "اب رہنے دو۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ باہر جا کر دیکھا تو ایک صاحب ہاتھ میں رہو مچھلی لئے کھڑے ہیں۔ انہوں نے کہا

"میں ٹھٹھہ سے آرہا ہوں اور یہ مچھلی بابا قلندرؒ کی نذر ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ رخصت ہو گئے۔

نکاح اور حق مہر:

میرا نکاح ڈھاکہ، سابق مشرقی پاکستان میں ہوا تھا، نکاح کے وقت مہر کے مسئلے پر اختلاف ہو گیا۔ سسرال والوں کا کہنا یہ تھا کہ مہر کی رقم زیادہ ہونی چاہیئے۔ میں اس بات پر بضد تھا کہ مہر کی رقم اتنی ہونی چاہیئے جو میں ادا کر سکوں۔ جب فریقین کسی نتیجے پر پہنچنے کیلئے تیار نہیں ہوئے تو میں نے دیکھا کہ قلندر باباؒ میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ اس وقت کراچی میں تھے۔

فرمایا، "لڑکی والے جو مہر باندھ رہے ہیں اسے قبول کر لو۔"

میں نے عرض کیا، "مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے۔"

باباجیؒ نے ذرا لہجہ بدل کر فرمایا، "ہم جو کہہ رہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔" چنانچہ راضی خوشی نکاح کی تقریب پوری ہو گئی۔

مردانِ غیب:

میں اکثر رات کو قلندر باباؒ کی کمر دباتے وقت یہ دیکھتا تھا کہ چھت اور دیواروں میں سے دودھیا رنگ کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ اندھیرے کمرے میں یہ روشنی اچانک نمودار ہوتی تو میں بعض اوقات سخت خوف زدہ ہو جاتا تھا۔ ایک رات میں اتنا خوف زدہ ہوا کہ جسم لرزنے لگا۔

باباجیؒ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ مردانِ غیب ہیں۔"

پھر یہ بات تقریباً روزانہ کا مشاہدہ بن گئی کہ حضور باباصاحبؒ لیٹے ہوئے ہیں، میں کمر دبا رہا ہوں اور کوئی صاحب حضور باباصاحبؒ کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں نے اکثر یہ بھی دیکھا کہ یکایک چکاچوند روشنی ہو گئی اور کوئی فرشتہ باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باباصاحبؒ نے کچھ ہدایات دیں اور وہ چلا گیا۔

خوشبو کی لپٹیں

کبھی کبھی باباصاحبؒ کے سینے میں سے خوشبو کی لپٹیں اُٹھتی تھیں اور یہ خوشبو مشک کی ہوتی تھی۔ جب ایسا ہوتا تو میں باباصاحبؒ کے مقدس سینے پر سر رکھ کر اس خوشبو کو سونگھتا تھا اور میرے اوپر مستی اور بے خودی کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

وقت کا احساس

ایک روز حضور باباصاحبؒ گھٹنوں کو ہاتھوں کے حلقے میں لئے بیٹھے تھے۔ میں نے حضور باباجیؒ کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیا اور ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں سو گیا۔ اس وقت دن کے دس بجے تھے۔ جب میری آنکھ کھلی تو شام کے چار بج رہے تھے۔ مسلسل چھ گھنٹے تک حضور باباصاحبؒ نے اپنی نشست نہیں بدلی اور ایک ہی نشست سے بیٹھے رہے تاکہ میری نیند خراب نہ ہو۔ بیدار ہونے کے بعد جب میں نے گھڑی دیکھی تو ندامت سے میری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

چولستان کا جنگل

ایک دفعہ میں چولستان کے جنگل میں شکار پارٹی کے ساتھ شکار کیلئے گیا ہوا تھا۔ وہاں پارٹی سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گیا۔ صبح سے شام تک سرگرداں رہا اور ادھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ بالآخر بھوک سے بے تاب اور کمزوری سے نڈھال ہو کر ایک کبوتر پر فائر کر دیا۔ کیونکہ گوشت بھوننے کیلئے ماچس پاس نہیں تھی، اس لئے گوشت کچا ہی کھا گیا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح محفوظ رکھا۔

جب کہ مشہور یہ ہے کہ چولستان کے جنگل میں بھٹکے ہوئے راہی کی لاش تک نہیں ملتی۔ قصہ کوتاہ، کبوتر کا کچا گوشت کھانے سے معدہ اور آنتوں کا نظام درہم برہم ہو گیا اور پیچش کی شکایت لاحق ہو گئی جو ہر قسم کا علاج کرنے کے باوجود ختم نہیں ہوئی۔ جب تکلیف حد سے بڑھ گئی تو حضور باباصاحبؒ نے فرمایا:

"آپ میرے پاس لیٹ جائیں۔ میں آج آپ کا معدہ تبدیل کر کے پرانے معدہ اور پرانی آنتوں کی جگہ نیا معدہ اور نئی آنتیں بنا دیتا ہوں۔"

باباصاحبؒ نے ایک ہاتھ میری پیشانی پر رکھا اور دوسرا ہاتھ پیٹ پر۔ چار پانچ منٹ اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے اور پھر فرمایا۔

"بس! اب ٹھیک ہے۔ چھ مہینے تک آپ ایسی غذائیں کھائیں جو بچوں کو دی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ اب آپ کا معدہ اور آنتیں بالکل نئی ہیں۔"

حضور قلندر باباولیاءؒ کی کرامت کا اعجاز ہے کہ چوبیس سال گزرنے کے بعد بھی باباصاحبؒ کے اس غلام کو کبھی پیچش کی شکایت لاحق نہیں ہوئی۔

ہر شئے میں اللہ

ایک دفعہ آدھی رات کو میں حضور قلندر باباؒ کی کمر دبا رہا تھا اور باباصاحبؒ قرآن پاک کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حکمت مجھے سمجھا رہے تھے۔ باباصاحبؒ نے مجھ سے ارشاد کیا کہ

فلاں آیت پڑھو۔ میں نے تلاوت کی۔ پھر فرمایا "اس آیت کا سات بار ورد کرو۔"

ساتویں مرتبہ جب میں نے اس آیت کو پڑھا تو نظروں کے سامنے سے پردہ ہٹا اور یہ بات مشاہدے میں آئی کہ ہر شئے میں اللہ بستا ہے۔ دیوار کی طرف نظر اٹھی تو یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا کہ دیوار فی نفسہٖ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس دیوار کو اللہ تعالیٰ سنبھالے ہوئے ہیں۔ غسل خانے میں جا کر ٹونٹی کھولی تو یہ بات مشاہدے میں آئی کہ نلکے سے بہنے والے پانی میں بھی خدا ہی جلوہ گر ہے۔ مسلسل اور لگاتار اڑتالیس گھنٹے اس مشاہدے کے بعد مجھ پر استغراق طاری ہو گیا۔ باباصاحبؒ نے پھر توجہ کی اور آہستہ آہستہ یہ کیفیت معمول پر آ گئی۔

چلنے پھرنے سے معذور

حضور باباصاحبؒ کی خدمت میں ایک ایسا مریض لایا گیا جس کے دونوں گھٹنے جُڑے ہوئے تھے اور وہ چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ اعزا اور اقربا ان بزرگ مریض کو گود میں اٹھا کر اوپر لائے۔

خلافِ معمول حضور قلندر باباولیاءؒ نے فرمایا۔ "ان کو زمین پر بٹھادو۔

"باباصاحبؒ نے ان بزرگ مریض کے سر پر ہاتھ رکھا۔ جسم نے پہلے ایک جھرجھری لی اور پھر تیز قسم کے تین جھٹکے لگے۔

باباصاحبؒ نے فرمایا۔ "آپ کھڑے ہو جائیں۔"

مریض نے تکلف کیا اور کہا "کھڑا نہیں ہو سکتا۔"

باباصاحبؒ نے پھر فرمایا، "آپ کھڑے ہو جائیں!"

وہ صاحب میکانکی طور پر کھڑے ہو گئے اور اپنے پیروں سے چل کر سیڑھیاں اُترے اور گھر چلے گئے۔

نوع اجنہ

کبھی کبھی یہ دیکھتا تھا کہ حضور باباجیؒ کے کمرے میں ایک جم غفیر ہے۔ جس میں عورتیں اور مرد شامل ہیں۔ بار بار یہ منظر دیکھنے کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ باباصاحبؒ نے فرمایا" یہ سب تمہارے پیر بھائی اور پیر بہنیں ہیں۔ کافی عرصے بعد اس راز پر سے پردہ اُٹھا اور میں یہ سمجھنے کے قابل ہو گیا کہ یہ سب نوع اجنّہ کی مخلوق تھی۔

ایک بچہ کی پیش گوئی

اللہ تعالیٰ کے نظام ہائے تکوین سے متعلق گفتگو کے دوران ایک مرتبہ حضور باباصاحبؒ نے ایک بچہ کی ولادت کی پیشین گوئی کی جس کو جون 1960ء میں پیدا ہونا تھا۔ یہ بچہ فخر عالم، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وارث ہو گا۔

درخت سے باتیں

جس کمرے میں حضور قلندر باباولیاءؒ قیام فرماتے۔ اس کے سامنے احاطہ کی دیوار سے باہر بادام کا ایک درخت تھا۔ ایک روز باتوں باتوں میں حضور باباصاحبؒ نے فرمایا،

"یہ درخت مجھ سے اس قدر باتیں کرتا ہے کہ میں عاجز آ گیا ہوں۔ میں نے اس سے کئی مرتبہ کہا ہے کہ زیادہ باتیں نہ کیا کر۔ میرے کام میں خلل پڑتا ہے۔ مگر یہ سنتا ہی نہیں۔

"بات رفت گزشت ہو گئی۔ ایک روز صبح بیدار ہونے کے بعد دیکھا کہ درخت غائب ہے۔ بڑی حیرانی ہوئی کہ اتنا بڑا درخت راتوں رات کہاں غائب ہو گیا۔ باہر جا کر دیکھا کہ درخت کو جڑ سے کاٹ لیا گیا ہے۔ آج تک یہ بات معمہ بنی ہوئی ہے کہ اتنے بڑے درخت کو کس نے کاٹا اور کیسے لے گیا۔ نیز درخت کاٹنے میں جب اس پر کلہاڑی پڑی ہو گی تو آواز بھی ہوئی ہو گی۔ آنکھ بھی نہیں کھلی۔ میں نے اس سلسلے میں حضور باباصاحبؒ سے پوچھا تو وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

سیہون شریف

ایک مرتبہ میں نے حضور صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا،

"دل چاہتا ہے کہ میں سیہون شریف ہو آؤں۔"

فرمایا، "ابھی ٹھہر جاؤ۔" مختصر یہ کہ لعل شہباز قلندرؒ کے مزار پر جانے کی خواہش ایک تقاضہ بن گئی اور میں بے چین و بے قرار رہنے لگا۔ جب بھی جانے کی اجازت چاہتا، باباصاحبؒ یہی فرماتے "ابھی ٹھہر جاؤ۔"

ایک ہفتہ یا کچھ دن گزر گئے تو سیہون شریف پہنچنے کی خواہش دیوانگی کی شکل اختیار کر گئی۔ ایک روز بندر روڈ سے بس میں سوار ہو کر ناظم آباد انکوائری بس اسٹاپ پر اُترا تو دیکھا کہ فٹ پاتھ پر لعل شہباز قلندرؒ کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو قلندر صاحبؒ نے مصافحہ کرنے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے مجھے منع کر دیا اور فرمایا، "تم ہمیں بہت یاد کر رہے تھے۔ ہم خود ہی تمہارے پاس آ گئے۔" تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ میرے پاس رہے اور پھر تشریف لے گئے۔

۱۹۶۵ کی جنگ اور صاحب خدمت بزرگ

یہ 1965ء کا واقعہ ہے۔ پاک بھارت جنگ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ جاری تھی۔ روزانہ بھارتی ریڈیو پر یہ اعلان ہو رہا تھا کہ کراچی کے فلاں فلاں علاقوں پر بمباری کی گئی۔ کراچی کے رہنے والوں نے یہ خبر بھی سنی کہ لالو کھیت کا ہوائی اڈہ تباہ کر دیا گیا ہے۔ لوگوں میں سراسیمگی اور خوف و دہشت دیکھ کر میں نے باباصاحبؒ سے عرض کیا "اب کیا ہو گا؟"

فرمایا "اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت پاکستان کے ساتھ ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حکم ہے کہ پاکستان کی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں اہل تکوین نے ایک صاحب خدمت مقرر کیا ہے جو گاندھی گارڈن میں بیٹھا ہے۔ اس کے سپرد یہ خدمت ہے کہ کراچی کو بمباری سے نقصان نہ پہنچے۔"

میں شوق کے عالم میں اس بندے کے پاس پہنچا۔ اور سلام کیا۔

اس بندے نے سر اُٹھا کر سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا اور کہا

"یہاں سے چلے جاؤ۔"

صحیح یاد نہیں، غالباً دوسرے یا تیسرے دن وہ بندہ سورج نکلنے سے پہلے گھر پر حاضر ہوا۔

میں نے جب ان کو دیکھا تو نہایت حیرت کے عالم میں باباصاحبؒ سے عرض کیا۔

باباصاحب نے فرمایا، "عزت و اکرام کیساتھ انہیں اوپر لے آؤ۔"

یہ صاحب اوپر تشریف لائے۔ فوجی سیلیوٹ کی طرح سلام کیا اور اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔

باباصاحبؒ نے فرمایا "جلدی سے چائے لے آؤ۔"

چائے کے ساتھ میں نے ڈبل روٹی کے توس یا پاپے بھی پیش کئے۔ اس بندہ خدا نے صرف چائے پی۔

جب میں نے اصرار کیا کہ آپ ناشتہ کر لیں تو باباصاحبؒ نے فرمایا:

"ایک ہفتے تک صرف چائے پینے کی اجازت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق انہیں چائے کے علاوہ کوئی اور چیز کھانے کو نہیں دی جائے گی تاکہ پیٹ بھرا ہونے کی بنا پر انہیں نیند یا غنودگی نہ آ جائے۔"

اس ضمن میں ایک بات یہ ہوئی کہ کافی رات گزرنے کے بعد حضور باباصاحب کے بلک بلک کر رونے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں گھبرا کر اٹھااور باباصاحب کے کمرے میں آکر پوچھا:

"کیاباتاہے؟"

فرمایا:"سیز فائر ہوگیاہے۔اور یہ اچھانہیں ہوا۔"

سٹہ کانمبر

میرے ایک بہت عزیز دوست نے اصرار کرکے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں انہیں سٹہ کا نمبر بتادوں۔ رات کو اسباق سے فارغ ہونے کے بعد میں نے استخارے کی وہ دعاپڑھی جس سے بیداری میں حالات منکشف ہو جاتے ہیں۔ دیکھا کہ ایک پردہ ہے جیسے سنیما کی اسکرین ہوتی ہے اور اس پر نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ ابھی نمبروں کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کرپایا تھا کہ میرے اور پردے کے درمیان باباصاحبؒ کاہاتھ آگیانہایت غصیلی آواز میں کہا۔''کیاکرتاہے؟

''اس کے ساتھ ہی میری نظروں کے سامنے سے پردہ غائب ہوگیا۔

اسی طرح کاایک واقعہ یہ ہے کہ میرے ایک دوست مولوی صاحب نے مجھ سے اصرار کیا کہ میرے اوپر توجہ کی جائے۔ اگر کوئی مجھے دماغی نقصان پہنچے تواس کی کوئی ذمہ داری آپ کے اوپر نہیں ہوگی۔ میں نے نادانی میں ان سے وعدہ کرلیا۔

صبح فجر کی اذان کے وقت جب میں ان کی طرف متوجہ ہوااور اپنے لطیفہ قلبی اور نفسی کی روشنیاں ان کے لطیفہ اخفیٰ میں منتقل کیں تو فوراً حضور باباجیؒ کاہاتھ سامنے آگیا۔ تیز آواز میں مجھے تنبیہہ کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ

ان کے بیوی بچوں کی نگہداشت تم کروگے؟مولوی صاحب کادماغ الٹ گیاتوان کے بیوی بچوں کا کیابنے گا؟

یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے کہ آدمی جاوبے جااپنی طاقت کا مظاہرہ کرے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ کسی شخص کی تربیت کرکے اس قابل بنادیاجائے کہ وہ اس طاقت کا متحمل ہوسکے۔

نیلم کی انگوٹھی

مجھے اپنے باباجی قبلہؒ پر اتناناز تھا کہ شاید کسی کو ہو۔ جتنا یہ غلام ہمراز تھا، شاید کوئی نہ ہو۔ لطف وعنایت کی بارش جتنی اس عاجز ومسکین پر فرماتے تھے، وہ خیال وتصور اور اظہار وبیان سے بالاہے۔

ایک روز میں نے اس خواہش کااظہار کیا کہ میں انگوٹھی پہننا چاہتاہوں۔

فرمایا''بالکل ٹھیک ہے۔ آپ انگوٹھی میں نیلم پہنیں۔''

بازار میں جب نیلم کی قیمت معلوم کی تو وہ میری استطاعت سے باہر نکلی۔ روہانسا منہ بناکر عرض کیا۔''حضور! نیلم تو بہت مہنگا پتھر ہے۔"حضور باباجیؒ خاموش ہوگئے۔ دوسرے دن صبح آٹھ اور نو کے درمیان میں فیریئر روڈ پر جارہا تھا کہ نالے کے قریب کھڑے ہوئے ایک فقیر نے مجھے آواز دی۔ میں سمجھا کہ کوئی سوالی ہے۔ اسے ایک آنہ دے دیاجائے۔ جب میں قریب پہنچاتواس سے پہلے کہ میں اسے خیرات دوں اس نے میرے ہاتھ پر ایک انگوٹھی رکھ دی۔ انگوٹھی میں نیلم جڑاہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔''یہ نگینہ کتنے کا ہے؟"

اس بندہ خدا نے کہا "قیمت پوچھ کر کیا کروگے؟ تم اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔"
اللہ معاف کرے، میں سمجھا کوئی فراڈ ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ بھائی قیمت کے بغیر انگوٹھی نہیں لوں گا۔ اس نے یہ سن کر جواب دیا کہ نہیں مانتے تو سوا پانچ روپے دے دو۔ کیونکہ میں بازار سے نیلم کی قیمت معلوم کر چکا تھا اس لئے میرے اس خیال کو مزید تقویت پہنچی کہ یہ آدمی کوئی ایسا ویسا ہے۔ میں نے کہا۔ "بھائی مجھے یہ انگوٹھی نہیں چاہیئے۔"
میرا یہ کہنا تھا کہ فقیر کو جلال آ گیا۔ نہایت درشت لہجے میں بولا۔
"تو شک کرتا ہے۔ لے انگوٹھی اور چلا جا۔ اپنے بڑوں کو لے جا کر دکھا۔ کل میں اسی وقت یہاں پھر ملوں گا۔"
کام وغیرہ تو میں سب بھول گیا۔ انگوٹھی لے کر حضور باباجیؒ کے پاس آیا اور ان کی خدمت بابرکت میں ساری روئیداد سنائی۔ باباجی قبلہؒ نے میری اس گستاخی کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور فرمایا۔ "یہ سچا نیلم ہے۔"
اب تو میرے اوپر بڑی وحشت طاری ہوئی اور میں اس سوچ میں غرق ہو گیا کہ وہ فقیر کون ہے جس نے اتنی قیمتی انگوٹھی مجھے تحفے میں دے دی۔ باباجیؒ نے مجھ سے فرمایا۔
"کل صبح بہت سویرے اسی جگہ جا کر ان بزرگ کا انتظار کرنا اور کوشش کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ ناشتہ کر لیں اور ساتھ ہی عقیدت و احترام سے خمیدہ ہو کر ان کو سوا پانچ روپے نذر کر دینا۔
"قصہ مختصر میں فقیر کے بتائے ہوئے وقت سے کافی پہلے وہاں جا کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ہنستے ہوئے نمودار ہوئے اور فرمایا "خوب ڈانٹ پڑی ہے، خوب ڈانٹ پڑی ہے۔"
میں نے معافی چاہی اور سوا پانچ روپے ان کو نذر کئے۔ بہت خوش ہو کر یہ نذر سر پر رکھی اور مجھے ڈھیروں دعائیں دیں۔ میں نے عرض کیا "میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ہے۔ آپ کے ساتھ ناشتہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔
"بولے۔ "اللہ تمہیں خوش رکھے۔ یہ چار آنے لو اور میری طرف سے ناشتہ کر لو۔" تاریخ، ماہ و سال یاد رکھنے میں میرا حافظہ کمزور ہے۔ اس وقت حلوہ پوری ایک آنے کی ملتی تھی۔

نماز کا ارتکاز

ایک روز قلندر باباولیاءؒ کی خدمت میں عرض کیا "حضور! کیا آپ کو نماز میں مزہ میں آتا ہے؟"
فرمایا: "ہاں!" میں نے عرض کیا، "مجھے تو کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ بہت کوشش کرتا ہوں کہ خیالات ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں مگر ذرا سی دیر کے لئے کامیابی ہوتی ہے اور پھر ذہن بھٹک جاتا ہے۔"
فرمایا، "میں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ اس سے ذہنی مرکزیت حاصل ہو جائے گی۔"
حضور باباجیؒ نے مجھے سجدہ کی حالت میں انگلیوں کی مخصوص حرکت تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ عمل صرف عشاء کی نماز میں آخری رکعت کے آخری سجدہ میں کرنا۔
میں نے تہجد کے بعد وتروں کی آخری رکعت کے آخری سجدہ میں یہ عمل کیا تو واقعی میری پریشاں خیالی دھواں بن کر اُڑ گئی۔ میں نے فجر کی نماز میں بھی اس عمل کو دہرایا اور پھر ظہر، عصر اور مغرب اور عشاء اور تہجد میں بھی یہ عمل کرتا رہا۔ میں یہ بھول گیا کہ صرف

ایک وقت یہ عمل کرنا ہے۔ تہجد کی آخری رکعت کے آخری سجدہ میں جب میں نے یہ عمل کیا تو سجدہ کی حالت میں محسوس ہوا کہ میرے دائیں اور بائیں کوئی کھڑا ہے لیکن میں خوف زدہ ہونے کے باوجود یہ عمل دہراتا گیا اور سجدہ ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا۔ اب ڈر کے مارے میرا دم گھٹنے لگا اور میں جلدی جلدی نماز ختم کر کے پلنگ پر جا لیٹا۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب میرے غریب خانے میں بجلی نہیں تھی۔ ہُو کا عالم تھا اور ماحول کے سناٹے میں گیدڑوں کی آواز کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میرے گھر کے آس پاس کوئی مکان بھی نہیں تھا اور جو مکان تھے وہ کافی فاصلے پر تھے۔ لیمپ بھی بجھا ہوا تھا۔ گھبراہٹ میں دیا سلائی بھی نہیں ملی۔ اتفاق سے میں پورے گھر میں اکیلا تھا اور ڈر کے مارے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ جیسے تیسے پلنگ پر لیٹے لیٹے آیت الکرسی پڑھنا شروع کر دی۔ لیکن آیت الکرسی کے ورد سے دہشت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور دل کی حرکت بند ہوتی ہوئی معلوم ہونے لگی۔ پھر ایک دم دل کی حرکت تیز ہو گئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دل سینہ کی دیوار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ میں نے اب قل ہُو اللہ شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی قل ہُو اللہ شریف ختم ہوئی میرا جسم اوپر اُٹھنے لگا اور اُٹھتے اُٹھتے چھت سے جا لگا۔ میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا کہ یہ واقعی چھت ہے یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ ہاتھ سے چھو کر دیکھا تو واقعتاً میں چھت سے لگا ہوا تھا۔

مجھے یہ خوف ہوا کہ اب میں نیچے گروں گا اور ہڈی پسلی نہ بھی ٹوٹی تو بھیجا ضرور باہر آ جائے گا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ دو ہاتھ تیزی سے میری گردن کی طرف آئے۔ ایک ہاتھ نے میرے دل کو سنبھالا اور ایک ہاتھ نے میرا منہ بند کر دیا۔ مجھ پر اس نادیدہ ہاتھ کی اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ میں بے ہوش ہو گیا۔

صبح کے وقت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دادا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ، مکان کے صحن میں گھبرائے ہوئے کھڑے ہیں اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ بے چین اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ "یہ کیا ہو گیا؟

"پھر زور سے فرمایا جیسے کسی سے کہہ رہے ہوں:

"اس کو ہر حال میں زندہ رہنا ہے۔"

صبح کو جب میں اٹھا تو میرے جسم کا ایک ایک عضو دکھ رہا تھا۔ شام تک قدرے قرار آیا اور میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

فرمایا "تم نے میرے کہنے کے خلاف عمل کر کے سب کو پریشان کر دیا۔ اللہ نے فضل فرمایا نہیں تو کام تمام ہو گیا تھا۔"

علم لُدنی

ایک رات تہجد کی نماز کے بعد میں نے درود خضری پڑھتے ہوئے خود کو سیدنا حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار اقدس میں حاضر پایا اور مشاہدہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ تخت پر تشریف فرما ہیں۔ اس بندہ نے حضور ﷺ کے تخت کے سامنے دوزانو بیٹھ کر درخواست کی:

یارسول اللہ ﷺ، اے اللہ کے حبیب ﷺ، اے باعث تخلیق کائنات ﷺ، محبوبؐ پروردگار، رحمت اللعالمین ﷺ، جن و انس اور فرشتوں کے آقا، حامل کون و مکان، مقام محمود کے مکین، اللہ تعالیٰ کے ہم نشین، علم ذات کے امین ﷺ، خیر البشر ﷺ، میرے آقا ﷺ مجھے علم لُدنی عطا فرمادیجئے۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر نثار، آپ ﷺ کو حضرت اویس قرنیؓ کا واسطہ، آپ ﷺ کو حضرت ابو ذر غفاریؓ کا واسطہ، آپ ﷺ کو آپ کے رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ کا واسطہ، آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا واسطہ، آپ ﷺ کو حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور حسنینؓ کا واسطہ، اپنے اس بندے پر نظر کرم فرمادیجئے! اور علمِ لُدنی عطا فرمادیجئے!

میرے آقا! آپ ﷺ کو قرآن کریم کا واسطہ، آپ ﷺ کو اسم اعظم کا واسطہ، آپ ﷺ کو تمام پیغمبروں کا واسطہ، آپ ﷺ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا واسطہ، اور ان کے ایثار کا واسطہ، میرے آقا ﷺ! میں آپ ﷺ کے در کا بھکاری ہوں۔ آپ ﷺ کے علاوہ کون ہے جس کے سامنے دست سوال دراز کروں۔ میں اس وقت تک آپ ﷺ کے در سے نہیں جاؤں گا جب تک آپ ﷺ میرا دامن مراد نہیں بھر دیں گے۔ آقا ﷺ! میں غلام ہوں، غلام زادہ ہوں۔ میرے جد امجد حضرت ابو ایوب انصاریؓ پر آپ کی خصوصی شفقت و رحمت کا واسطہ، مجھے نواز دیجئے۔

دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ فرمایا۔ "کوئی ہے؟"

دیکھا کہ حضور قلندر باباولیاءؒ دربار میں آکر مؤدب ایستادہ ہیں، اس طرح جیسے نماز میں نیت باندھے کھڑے ہوں۔

حضور باباجیؒ نے نہایت ادب اور احترام سے فرمایا۔

"یارسول اللہؐ! میں آپ کا غلام حاضر ہوں۔

"سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "تم اس کو کس رشتہ سے وراثت دینا چاہتے ہو؟"

حضور قلندر باباولیاءؒ نے عرض کیا، "یارسول اللہؐ! اس کی والدہ میری بہن ہیں۔"

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا۔

"خواجہ ابو ایوب انصاریؓ کے بیٹے! ہم تجھے قبول فرماتے ہیں۔"

اس وقت میں نے دیکھا کہ میں حضور قبلہ باباصاحبؒ کے پہلو میں کھڑا ہوں۔

درخت میں زندگی

ایک روز تاج اولیا حضرت بابا تاج الدین ناگ پوری کے عظمت و جلال اور ماورائی علوم پر ان کی دسترس کے بارے میں گفت گو کرتے وقت حضور قلندر باباولیا نے فرمایا۔

"شکر درہ میں نانا تاج الدینؒ ایک درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ حالتِ استغراق میں نانا تاج الدینؒ کی آنکھیں کچھ کھلیں رہتی تھیں۔ حیات خاں اکثر ان کی نیم باز آنکھیں عجیب ذوق و شوق سے دیکھتا۔ ایک مرتبہ استغراق کی حالت میں حیات خاں نے مجھے اشارہ سے بلایا۔ کہنے لگا کہ اس پتہ کو دیکھو۔ میری نظر یکے بعد دیگرے کئی پتوں پر گئی۔ جس پتے کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ اس میں سے ٹانگیں چہرے کے خدوخال اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں رونما ہو رہی تھیں۔ یہ پتہ تقریباً تین انچ لمبا ہو گا، یکا ایک میری نظریں

برابر والے پتے پر جا پڑیں۔ اس میں بھی ویسا ہی تغیر ہو رہا تھا۔ یہ دونوں پتے ایک دوسرے کے پیچھے چلنے لگے۔ ایک دو منٹ میں ان کی ہیئت بھی بدلی۔ اتنی بدلی کہ پتوں کی کوئی شباہت ان میں باقی نہیں تھی۔ وہ درخت کے تنے کی طرف چلے جا رہے تھے اور نانا تاج الدینؒ کی نیم وا آنکھیں ان پر جمی ہوئی تھیں۔

کئی مہینے بعد میں نے نانا سے اس کی علمی توجیح معلوم کی۔ فرمایا:

"ارے تو سمجھ بھی سکے گا۔ دیکھ یہ درخت ہے۔ اس کے اندر زندگی کے سارے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنا، سننا، سمجھنا، جنبش کرنا، یہ سب ٹکڑے اس درخت کے اندر جھانکنے سے نظر آتے ہیں۔ اس کے ہر پتے میں سچ مچ کا منہ ہے، سچ مچ کے ہاتھ پیر ہیں، فرق اتنا ہے کہ جب تک پتہ دوسری زندگی سے ٹکراتا نہیں اسکے اندر عام لوگ یہ نیرنگ دیکھ نہیں سکتے اور جب کوئی پتہ میری زندگی سے گلے ملتا ہے تو جیتا جاگتا کیڑا بن جاتا ہے۔ یہ سمجھ کہ آنکھ سے گلے ملتے ہیں۔ یاد رکھ زندگی سے زندگی بنتی ہے۔ اور زندگی زندگی میں سماتی ہے۔"

شب بیداری اور غیبی مشاہدات

ناتاج الدین فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ساگر ڈپو میں تعینات کئے گئے تھے۔ رات کے ۹ بجے گنتی سے فارغ ہو کر بابا داؤد مکیؒ کے مزار پر تشریف لے جاتے۔ وہاں صبح تک مراقبہ اور مشاہدہ میں مصروف رہتے اور صبح سویرے پریڈ کے وقت ڈپو میں پہنچ جاتے۔ یہ مشغلہ پورے دو سال تک جاری رہا۔ دو سال بعد بھی ہفتہ میں ایک دو بار ان کے یہاں حاضری ضرور دیا کرتے تھے۔ جب تک ساگر میں رہے اس معمول میں فرق نہیں آیا۔

چلہ کشی کے ابتدائی دور میں زواٹ نام کا ایک مغلوب الغضب کرنل ڈپو کا کمانڈر مقرر ہوا۔ شدہ شدہ نانا کا رات کے وقت مزار پر جانا اس کو بھی معلوم ہو گیا۔ چنانچہ یونٹ صوبہ دار سے باز پرس کی نوبت آ گئی۔ یہ ساداتِ بارہ میں سے تھا اور مزاج کا بڑا سخت تھا۔ اس نے کمانڈر سے بالکل صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اپنے فرد کا خود ذمہ دار ہوں۔ جب تک سرکاری کاموں میں حرج واقعہ نہ ہو میں کسی کے نجی معاملہ میں دخل نہیں دے سکتا۔ رہا رات کے وقت ڈپو سے باہر جانے کا مسئلہ تو اس کے لئے ان کو پاس ملا ہوا ہے۔

اس وقعہ کو سنانے کے بعد شب بیداری سے روحانی علوم حاصل ہونے کی سند میں ایک حدیث بیان کی۔ ایک صحابیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں اپنی طویل شب بیداری کے تذکرے میں عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! میں آسمان پر فرشتوں کو چلتے پھرتے دیکھتا تھا۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو شب بیداری کو اور قائم رکھتے تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

اس روایت کی روشنی میں اگر نانا تاج الدینؒ کی مسلسل شبِ بیداری پر غور کیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ غیبی مشاہدات ان کا معمول بن گئے تھے۔ انکے کئی دوہے اسی مضمون سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔

سائے بن کی رات میں بن باسی بن جائیں
داس ملو کا ساتھ میں جاگیں اور لہرائیں

مطلب جنگل کی رات میں سائے آدمی بن جاتے ہیں۔ تاج الدینؒ ان کے ساتھ میں جاگتے رہتے ہیں۔ اور خوش گپیاں کرتے رہتے ہیں۔

لنگڑا چلنے لگا

ایک لنگڑا نوجوان شفاخانے میں آکر ٹھہر گیا۔ یہ شفاخانہ بھی مسجد اور مدرسہ کی طرح پھونس کی جھونپڑیوں پر مشتمل تھا۔ لنگڑا صبح کھا پی کر شفاخانے سے چلتا اور نانا تاج الدینؒ کے سامنے آبیٹھتا۔ سلام کر کے لنگڑی ٹانگ پھیلا کر اپنا ہاتھ پھیرنے لگتا۔ اور ایسے منہ بناتا جیسے بڑی تکلیف میں ہے۔ نانا ہوں کہہ کر چپ ہو جاتے۔ اسی طرح دو مہینے گزر گئے۔ لنگڑا تھا بڑا اڑیل۔ اپنے معمول پر قائم رہا۔ ایک روز میں بھرا ہوا آیا اور نانا کی طرف دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔

خدا نے مجھے لنگڑا کر دیا ہے جن کی ٹانگیں ہیں ان کو کچھ احساس نہیں۔ سنا تھا کہ خدا کے یہاں انصاف ہے، انصاف کو بھی جھنجھوڑ کر دیکھ لیا۔ سب ڈھونگ ہے۔ لوگ خدا خدا پکارتے ہیں اور خدا بہرہ ہو گیا ہے۔ کچھ نہیں سنتا۔ خدا والوں کو بھی دیکھ لیا۔ یہ بھی سب گونگے بہرے ہیں۔ خدا اور خدا والوں سے تو میری بیساکھی اچھی ہے۔ سہارا تو دیتی ہے۔

نانا اس کی بات سن کر جھنجھلا گئے۔ چیخ کر بولے۔ "جا دفان ہو۔ بھلا چنگا ہو کر لنگڑا بنتا ہے۔ جھوٹا کہیں کا۔

یہ کہہ کر لنگڑے کو مارنے کے لئے دوڑے۔ لنگڑا بیساکھی چھوڑ بھاگا۔ اب اس کی لنگڑی ٹانگ بالکل ٹھیک تھی۔

اس واقعہ کی روجیہ مشکل نہیں۔ یہ سمجھنا کہ کائنات ارتقائی مراحل طے کر رہی ہے غلط ہے۔ یہاں ہر چیز صدوری طور پر ہوتی ہے۔ وقت صرف انسان کی اندرونی واردات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی شے اندرونی واردات کی حد سے باہر نہیں تغیر اور ارتقا کے مرحلے اندرونی واردات ہی کے اجزا ہیں۔ یہ واردات ہی نوعی سراپا کی نقلیں افراد کی شکل وصورت میں چھاپتی ہیں۔ چھپائی کی رفتار میں کمی بیشی ہو جائے تو لنگڑا، اندھا چھپنے لگتا ہے۔ حوادث اسی طرح رونما ہوتے ہیں۔ جب عارف کا ذہن ایک آن کے لیے صدوری کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ اعتدالیاں دور ہو جاتی ہیں۔

کائنات کی وضاحت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"تمہارے سب سمندر روشنائی بن جائیں اور سارے درخت قلم، تب بھی اللہ کی باتوں کا احاطہ ممکن نہیں۔"

اس آیت کی تشریح کی درخواست پر جو کچھ حضور بابا صاحب نے ارشاد کیا اسے مختصراً ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

کائنات کی وسعت

ایک کتاب المبین

ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوح محفوظ

ایک لوح محفوظ اسی ہزار حضیرے

ایک حضیرے میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام

ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔ ہر سورج کے گرد نو۹، بارہ ۱۲، یا تیرہ ۱۳ سیارے گردش کرتے ہیں۔
یہ محض قیاس آرائی ہے کہ انسانوں کی آبادی صرف زمین (ہمارے نظام شمسی) میں پائی جاتی ہے۔ انسانوں اور جنات کی آبادیاں ہر حضیرے پر موجود ہیں۔ ہر آبادی میں زندگی کی طرزیں اسی طرح قائم ہیں جس طرح زمین پر موجود ہیں۔ بھوک، پیاس، خواب، بیداری، محبت، غصہ، جنس، افزائش نسل وغیرہ وغیرہ زندگی کا ہر تقاضہ، ہر جذبہ، ہر طرز ہر سیارہ میں جاری وساری ہے۔ ایک حضیرے پر ایک کھرب سے زیادہ آباد نظام واقع ہیں ایک آباد نظام کو قائم رکھنے کے لئے غیر مستقل نظام اسٹور کی حیثیت رکھتے ہیں غیر مستقل نظام سے مراد یہ ہے کہ پورے پورے نظام بنتے اور ٹوٹ جاتے ہیں اور اس ٹوٹ پھوٹ سے آباد، مستقل نظام فیڈ ہوتے رہتے ہیں۔
مستقل نظام سے ہماری مراد یہ ہر گز نہیں ہے کبھی ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نظام جو قیامت تک قائم رہنے والا ہے اب ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ایک حضیرہ گیارہ یا بارہ کھرب نظاموں پر مشتمل ہے۔ ان گیارہ بارہ کھرب نظاموں میں زندگی اسی صورت میں رواں دواں ہے جیسے ہم اس زمیں پر دیکھتے ہیں۔

کشف و کرامات

حضور ﷺ کی امت میں اولیاء اللہ سے جب کوئی خرق عادت صادر ہوتی ہے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اور یہی خرق عادت جب پیغمبر کے ذریعے سامنے آتی ہے تو معجزہ کہلاتی ہے۔ چوں کہ ان پاکیزہ ہستیوں کو حضور اکرم ﷺ سے خاص نسبت ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی ذات سے ایسے ایسے واقعات منظر عام پر آتے ہیں۔ جن کی عقلی تشریح ممکن نہیں۔ حضرت سید محمد عظیم سے جو کرامات وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہی ہیں۔ خواجہ شمس الدین عظیمی نے ان کا تفصیلی ذکر کتاب تذکرہ قلندر باباولیا میں کیا ہے۔

نبی سے صادر وہنے والا معجزہ ہو یا ولی سے سرزد ہونے والی کرامت سب کسی نہ کسی قانون کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ سے متعلق جو تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں کشف و کرامات کا پہلو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان حضرات کی اصل صفات چھپ کر رہ گئی ہیں اور ان کے سوچنے کی طرزوں کا خاطر اخواہ احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قلندر باباولیا نے اپنے نانا تاج الدین کا ذکر "تذکرہ تاج الدین بابا" کے نام سے لکھا۔ اس کتابچے میں باباصاحبؒ نے اپنے اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور کویں اور کس طرح ہوتا ہے۔ گو باباصاحب نے کرامات کی سائنس کو موضوع گفت گو بنایا ہے۔ اس تذکرہ میں باباصساحب نے انسان کو اس کے اندر چھپی ہوئی بہت سے صلاحیتوں کا سراغ دیا ہے۔ قلندر باباولیا اظہار کرامت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن تعلم و تلقین کے دوران اور کبھی غیر اختیاری طور پر کرامت کا صدور ہو جاتا تھا۔

اہل تکوین کے پچیس جسم ہیں:

برصغیر اور بیرون ملک ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جنہوں نے ایک دن اور ایک وقت پر قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ علیہ مختلف مقامات پر ملاقات کی ہے۔ ایک مرتبہ سوئیٹزرلینڈ سے خط آیا جس میں حضور باباصاحبؒ کی تشریف آوری سے متعلق بہت زیادہ تشکر و امتنان کا اظہار تھا اور یہ بھی تحریر تھا کہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق فلاں کام کر دیا ہے۔ جب میں نے یہ خط باباصاحبؒ کو سنایا تو ان سے عرض کیا کہ اس عرصے میں تو آپ کہیں نہیں گئے، یہ کیا لکھا ہے؟

فرمایا۔ "اہل تکوین حضرات کے پچیس (25) جسم ہر وقت کام کرتے ہیں اور جب کام کی زیادتی ہوتی ہے تو ان کی تعداد چالیس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

بٹن آف:

ایک مرتبہ جسم مثالی کے تذکرے میں قلندر بابا سے عرض کیا گیا کہ جب اصل انسان جسم مثالی ہے اور گوشت پوست کا جسم اس کا لباس ہے تو جسم مثالی سے ہر وہ کام لیا جا سکتا ہے جو گوشت پوست کا جسم کرتا ہے، کیا بجلی کا سوئچ آن آف کیا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی کٹ کی آواز آئی اور کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد کٹ کی آواز آئی اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

سچے موتی:

ایک دن آسمان ابر آلود تھا۔ بجلی چمک رہی تھی۔ اور پھوار پڑ رہی تھی۔ باہر یہ منظر تھا اور کمرے میں قلندر بابا اولیا تخلیقی فارمولوں پر گفت گو فرما رہے تھے۔۔ دوران گفتگو سچے موتیوں کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے عرض کیا:

"حضور! بارش کا ایک قطرہ جب سیپ کے پیٹ میں نشو و نما پاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے۔"

یہ کہنے کے بعد میں باہر گئے اور ایک کٹورے میں بارش کا پانی جمع کر لائے۔ بابا صاحبؒ نے ڈراپر کا پانی اٹھایا اور اس کے اوپر اپنی نگاہ مرکوز کر دی۔ اب ڈراپر میں سے جتنے قطرے گرے وہ سب سچے موتی تھے۔ ان موتیوں کو سرمے کے ساتھ پیس لیا جتنے لوگوں نے بھی یہ سرمہ استعمال کیا، ان کی نظر کو نا قابل بیان فائدہ پہنچا۔

کمر درد کا علاج:

ایک صاحب کی کمر میں درد تھا کئی سال تک علاج معالجہ سے جب فائدہ نہیں ہوا تو حضور قلندر بابا اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں سفید شفاف شیشی میں کوئی تیل تھا اور یہ تیل دم کرانے کے لیے لائے تھے۔ باباجی کے حضور انہوں نے روتے ہوئے عرض کیا۔

"حضور! کمر میں درد کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ نہ صحیح طریقہ سے بیٹھ سکتا ہوں اور نہ میں پوری نیند سو سکتا ہوں۔ اس درد نے مجھے مفلوک الحال کر دیا ہے۔ اب تو میں معاشی کام بھی نہیں کر سکتا۔ میں مختلف جگہ ٹائپ کا کام کرتا تھا۔ کمر سیدھی نہ رہنے کی وجہ سے سب جگہ سے جواب مل گیا ہے۔ کوئی دوست ایسا نہیں رہا جس سے قرض نہ لے لیا ہو۔ للہ میرے حال پر رحم کیجئے اور تیل پر دم کر دیجئے۔"

حضور قلندر بابا اولیاء نے ان صاحب کے ہاتھ سے شیشی لے کر غور سے دیکھا۔ تیل ایک دم چرخ کھا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے گہرے سرخ رنگ میں تبدیل ہو گیا۔ وہاں موجود لوگوں نے جب یہ کرامت دیکھی تو سب پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور ہر شخص ایک دوسرے کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس تیل کی مالش سے درد کافور ہو گیا اور آج تک جب کہ اس واقعہ کو پندرہ سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ ان کی کمر میں درد نہیں ہوا۔

صاحب کرامت

خالد جاوید تارڑ عظیمی نے حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی وساطت سے کچھ واقعات سنائے۔ یہ واقعات اُن کے ساتھ حضور قلندر باباولیاء کی چودہ سال کی رفاقت میں پیش آئے۔

جنات اور ٹوپی

قلندر باباولیاءؒ کے کمرے میں کبھی کبھی توع اجنہ کا ایک ہجوم رہتا تھا جس میں عورتیں اور مرد شامل ہوتے تھے۔ اکثت یہ دیکھنے میں آیا کہ حضور قلندر باباولیاءؒ کی ٹوپی غائب ہو جاتی تھی اور انہیں ناراض ہوتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ ایک دن میں نے پوچھا یہ کہ "یہ ٹوپی غائب ہو جاتی ہے۔ آخر یہ کون لے جاتا ہے؟
ارشاد ہوا: "جنات لے جاتے ہیں۔ میں ان کو سخت سست کہتا ہوں لیکن ان کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں۔"

کراچی فواروں کا شہر:

سخی حسن کی پہاڑیاں:

پان کے کتھے میں خون

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور قلندر باباولیاء کے ہمراہ پان والے کی دکان پر کھڑا تھا، دیکھا کہ دکان میں ایک تصویر لگی ہوئی تھی وہ تصویر کیلنڈر میں سے نکل کر حضور قلندر باباولیاء کے ساتھ چل پڑی۔ تصویر ان سے گفتگو کرنے کے بعد واپس پلٹ گئی۔ میں نے خوف اور حیرانگی کے عالم میں آگے بڑھ کر حضور قلندر باباولیاء سے عرض کیا کہ حضور! یہ کیا معاملہ ہے۔
حضور قلندر باباولیاء نے فرمایا تصویر نے اس پان والے کی شکایت کی ہے اور کہا ہے اس سے پان نہ خریدا کریں کیونکہ یہ خونی کتھا استعمال کرتے ہیں۔

زخم کانشان

رات کے وقت میں حضور باباصاحبؒ کی کمر دبارہا تھا۔ پسلیوں کے اوپر جب ہاتھ پڑا تو حضور باباصاحبؒ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ کرتا اٹھا کر دیکھا تو تقریباً چار پانچ انچ کا زخم تھا۔

میں یہ دیکھ کر بے قرار ہو گیا اور پوچھا کہ یہ کیسا زخم ہے، حضور؟

"فرمایا۔ "میں ایک درہ سے گزر رہا تھا۔ جگہ کم تھی پہاڑ کی نوک سے یہ زخم آ گیا۔

چونکہ رات کافی گزر چکی تھی۔ تقریباً بارہ بجے کا عمل تھا۔ اس لئے میں کوئی دوا بھی نہ لا سکا۔ جب انہوں نے مجھے پریشان "دیکھا تو کہا۔ "کوئی بات نہیں صبح مرہم پٹی ہو جائے گی، آپ نے کاہے کا غم کیا ہے؟

صبح جب میں نے کرتا اٹھا کر دیکھا تو زخم کا نشان تک ان کے جسم پر نہیں تھا۔

پولیو کا علاج

ایک صاحب ہیں، جاوید صاحب، لالوکھیت میں ان کی گارمنٹ (ملبوسات) کی دکان ہے۔ ان کے بچے کو پولیو ہو گیا۔ حضور باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بچے کو چارپائی پر لٹا دیا حضور باباصاحبؒ نے کوئی مفرد دوا بتائی اور فرمایا اس کو پانی میں پکا کر ٹانگ کو بھپارا دو۔ صرف ایک دفعہ کے عمل سے پولیو ختم ہو گیا۔

ایک لاکھ روپے خرچ ہو گئے

ایک صاحب، خدا انہیں غریق رحمت کرے، اقبال محمد صاحب کے۔ ڈی۔ اے میں ڈپٹی سیکرٹری تھے۔ ان کے ایک دوست کے بچے سے قتل ہو گیا۔ اقبال صاحب اپنے دوست کے ساتھ حضور باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فصیلی حالات سن کر حضور باباصاحبؒ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرضی پیش کروں گا۔ انشاءاللہ یہ کیس ختم ہو جائے گا۔ کئی سال مقدمہ چلنے کے بعد لڑکا بری ہو گیا۔ کامیابی پر ایک تقریب منعقد کی گئی۔ اس میں اقبال محمد صاحب بھی موجود تھے۔

اقبال صاحب نے اپنے دوست سے کہا۔

آپ نے میرے پیرو مرشد کی کرامت دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔"

اس کے جواب میں دوست نے طنزیہ انداز میں کہا کہ میں نے اس کیس (مقدمہ) پر تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ کر دیا ہے ۔اس میں حضور باباصاحبؒ کی کرامت کیا ہوئی؟

جناب اقبال صاحب کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور وہ وہاں سے اُٹھ آئے اور یہ بات جناب بدر صاحب سے جا کہی۔ بدر صاحب کا یہ معمول تھا کہ وہ صبح دفتر جانے سے پہلے حضور باباصاحبؒ کو سلام کرنے حاضر ہوتے تھے۔ پتہ نہیں کیا ہوا کہ بدر صاحب جیسے متحمل مزاج آدمی نے یہ ساری روئداد سنادی۔

یہ سن کر حضور قلندر باباولیاءؒ جلال میں آ گئے۔ نہایت غصے کے عالم میں فرمایا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیسہ ہی سب کچھ ہے۔ اور نعوذ باللہ، اللہ کچھ نہیں ہے۔ اب دیکھئے کون بچاتا ہے اور دولت کتنا کام آتی ہے۔"

نتیجے میں قتل کا یہ کیس دوبارہ شروع ہوا۔ مال وزر کا جتنا اثاثہ تھا سب ختم ہو گیا۔ جناب بدر الزماں صاحب اس واقعہ کو سناتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کاش! میں نے اس بات کا تذکرہ نہ کیا ہوتا۔!

کراچی سے تھائی لینڈ میں علاج

جناب بی زمان صاحب (ریٹائرڈ ڈپٹی سیکرٹری، فنانس) کا بیان ہے کہ تھائی لینڈ میں ان کی بیگم صاحبہ کو خون دینے کی نوبت پیش آئی۔ زمان صاحب نے حضور قلندر باباولیاءؒ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا"

حضور! بیگم کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ڈاکٹر مایوس نظر آرہے ہیں۔"

اور دیکھتے ہی دیکھتے خون کی کمی پوری ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں خون دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ خون دینے سے متعلق سارے کے سارے انتظامات بے کار ثابت ہوئے۔

آپریشن سے نجات

پیٹ میں شدید درد ہونے کی بنا پر ایک صاحب سیون ڈے ہسپتال (Seven Day Hospital) میں داخل ہوگئے۔ جب کسی طرح مرض کی تشخیص نہ ہو سکی تو ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ پیٹ کھول کر دیکھا جائے کہ کیا تکلیف ہے۔ آئندہ روز آپریشن کرنے کا وقت مقرر ہوگیا۔ رات کو ان صاحب کے والد صاحب آئے۔ حضور قلندر باباولیاءؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ "کل میرے بیٹے کا آپریشن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ آپریشن کامیاب ہو۔"

حضور بابا صاحبؒ نے ہنس کر فرمایا۔ "آپریشن کی ضرورت نہیں ہے۔ ناف ٹل گئی ہے۔ کسی جانکار سے کہیں کہ پیر کے انگوٹھے کھینچ دے تاکہ ناف جگہ پر آجائے۔"

وہ صاحب بے یقینی کے عالم میں اُٹھے اور کمرے سے باہر جاکر مجھ سے کہا "قلندر بابا نے مجھے ٹال دیا ہے۔"

میں نے کہا، "کیا حرج ہے کسی کو دکھادیں۔"

قصہ کوتاہ، صبح سویرے ایک صاحب ہسپتال گئے اور انہوں نے ناف ٹھیک کردی۔ جس وقت مریض کو آپریشن تھیٹر لے جانے کا وقت آیا تو ڈاکٹر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اب درد کا نام و نشان نہیں تھا۔

فرائڈ اور لی بی ڈو

جناب بی زمان صاحب، ڈپٹی سیکرٹری کے ساتھ ایک مرتبہ مجھے سینٹرل ہوٹل کراچی میں محترم دوست شان الحق حقی کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں فرائڈ کا تذکرہ چل نکلا حقی صاحب نے فرمایا فرائڈ نے ایک اصطلاح ایجاد کی ہے "لی بی ڈو" اس کا اُردو ترجمہ کیا ہے؟

میں کچھ نروس ہوگیا۔ اس لئے کہ میں انگریزی پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پلک جھپکنے کے عمل کے ساتھ میں نے دیکھا کہ حضور بابا صاحبؒ سامنے کھڑے ہیں۔ فرمایا "کہہ دو لی بی ڈو کا اردو ترجمہ نہیں ہوا ہے۔"

میں نے حقی صاحب سے عرض کیا کہ صاحب لی بی ڈو کا اردو ترجمہ کوئی نہیں ہے۔ حقی صاحب نے کہا کہ لی بی ڈو کا اردو ترجمہ ہے۔

میں نے عرض کیا "بتادیجئے کیا ترجمہ ہے؟" حقی صاحب نے کہا، "میں کل بتاؤں گا۔"

اگلے روز میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ لی بی ڈو کا ترجمہ معلوم کرنے آیا ہوں۔ حقی صاحب بہت خوب اور مرنجاں مرنج انسان ہیں انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ آپ کا کہنا صحیح ہے ابھی تک لی بی ڈو کا اردو ترجمہ نہیں ہوا ہے۔

شعری تخلیقات

باب ہفتم

رباعیاتِ قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوشی تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں:

"غور و فکر کے نتیجے میں یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ تصوف کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی اور حضرت آدمؑ زمین پر پہلے صوفی ہیں۔"

ایک مصری محقق ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی نے۔ "الحیات الروحیہ فی الاسلام" میں تصوف کی ابتدا کے بارے میں لکھا ہے۔" کہ اسلام میں روحانی زندگ کا آغاز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صحابہ ہر بات اور ہر عمل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اللہ ہی کی جانب متوجہ رہتے تھے، ان کا جینا مرنا سب اللہ کے لئے تھا۔"

اسلام کا پہلا دور سرکار دو عالمؐ اور ان کے صحابہ کرامؓ کا دور ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام ان کے تربیت یافتہ تھے۔ سیدنا حضور پاکؐ نے اپنے مخصوص شاگردوں کو باطنی علوم منتقل کئے۔ جن کی طرف بے شمار روایتوں میں اشارات ملتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

"تم پر ابو بکرؓ کو فضیلت نماز روزے کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس علم کی وجہ سے ہے۔ جو ان کے سینے میں ہے۔"

حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا:

"میرے بعد اگر کوئی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔" ہوا اور دریا پر حضرت عمرؓ کا تصرف اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ روحانی علوم سے آراستہ تھے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں ارشاد ہے:

"میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔" اس میں واضح اشارہ ہے کہ علیؓ تصوف یا علوم باطنیہ کا سرچشمہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ

۔ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ ہیں جو میں نے ظاہر کر دیئے ہیں اور دوسرے علوم وہ ہیں جن کو میں ظاہر کر دوں تو تم میری گردن اڑادو گے۔

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند نازل ہوتا رہتا ہے امر ان کے درمیان تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ سورہ الطلاق 11۔

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ!"اگر میں اس آیت میں موجد حقائق بیان کر دوں تو تم مجھے سنگسار کر دوگے اور کہوگے کہ میں کافر ہوں۔

بلاشبہ سرکار دوعالمؐ کے ان تربیت یافتہ حضرات کے سینے روحانیت اور علم حضوری سے لبریز تھے۔ اصحاب صفہ نے رسول ﷺ کے عشق ومحبت میں دنیا کی ہر شے کی نفی کر دی تھی۔ ان لوگوں کے لئے مسجد نبوی میں ایک چبوترہ بنادیا گیا تھا۔ یہ محترم حضرات حضور پاکؐ کی سرپرستی میں عبادت وریاضت اور مجاہدہ نفس میں مصروف رہتے تھے۔ روحانی علوم کا حصول ہی ان کی توجہ کا مرکز تھا۔ حضور پاکؐ انہیں پسند فرماتے تھے۔ اور ان کے ساتھ نشست وبرخاست کرتے تھے۔ اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ اور لوگوں کو اصحابہ صفہ کا خیال رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اصحاب صفہ نے علوم پھیلانے کے لئے مینارہ نور کا کردار ادا کیا۔ جس کی روشنی میں لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا آسان ہو گیا۔

فقراء کی اس جماعت میں شامل چند مشہور صحابہؓ کے نام یہ ہیں۔

حضرت بلالؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابو عبید اللہ، بن عامر بن عد اللہ الجراحؓ حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور ان کے بھائی حضرت عقبہ بن مسعودؓ حضرت مقداد بن اسودؓ حضرت خبابؓ حضرت مہیبؓ حضرت عمرؓ کے بھائی زید بن الخطاب، حضرت ابو درداؓ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ وغیرہ وغیرہ۔

پانچویں صدی ہجری کے ایک بزرگ ابو القاسم نے رسالہ قشیریہ میں تاریخ تصوف کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ۔ "عالمین میں حضور پاکؐ کی صحبت سے بڑھ کر کوئی اور شرف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے ساتھیوں نے اپنے لئے صحابہ کے لفظ کا انتخاب کیا۔

صحابہ کے صحبت یافتہ لوگوں نے اپنے لئے تابعین کا نام پسند کیا اور پھر ان کے بعد والوں نے اپنے لئے اسی مناسبت سے اتباع التابعین کا نام منتخب کیا۔ اس کے بعد جن لوگوں کو دینی امور کے ساتھ خاص لگاؤ ہوتا۔ وہ "زاہد" اور "عابد" کے نام سے موسوم ہوئے۔ تبع تابعین کے بعد جن لوگوں نے تزکیہ نفس سے خود کو حوادث زمانہ اور غفلت سے محفوظ رکھا اور روحانی علوم حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ وہ صوفی کے نام سے پہچانے گئے۔ ان بزرگوں کے لئے صوفی کا لقب دوسری صدی ہجری سے پہلے عام ہو گیا تھا۔ علوم باطنیہ کے بارے میں حضور پاکؐ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال وارشادات اور واقعات بہت سی کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب میں ہے کہ:

"تصوف کو صحابہ کرام اور ان کے تابعین کے زمانے میں نہایت ہی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ تصوف کے متعلق ہر دور میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جاتا رہا ہے۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ تصوف درویشی اور فقیری کا نام ہے اور صوفی وہ ہے جو تصوف کے طریق کو اپنا کر اپنی ذات سے فانی ہو کر اللہ کی ذات سے بقا حاصل کر لے۔

مشائخ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی وہ ہے۔ جو اصحاب صفہ سے محبت کرتا ہے اور ان کی تقلید میں زہد و عبادت کی راہ اختیار کرے۔ اہل باطن نے تصوف کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ کہ تصوف ایک حال ہے۔ جو روحانی ادراک سے پیدا ہوتا ہے اور اس ادراک کا محرک عشق الٰہی کی تجلیات جب روح سے متصل ہو رہی ہیں۔ تو یہ ادراک جسم مثالی میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس طرح پن چھنے سے درد کی لہر سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ اسی طرح عشق الٰہی کا سرور روح کے ادراک میں سرائیت کر جاتا ہے۔ عشق کا یہ انجذاب نفس انسانی کو جذب و مستی میں ڈبو دیتا ہے۔ یہی جذب و مستی وہ حال ہے۔ جس میں قلب کی نگاہ اپنے آپ کو دیکھ لیتی ہے۔ نگاہ کا ہر درجہ تصوف کا ایک مقام ہے۔ بلاشبہ اس حال کا طاری ہونا منجانب اللہ ہے۔

صحابہ کرام اور صحابہ کرام کی طرز فکر کو اپنانے والوں کے اندر یہ خوبیاں موجود تھیں اور ہیں کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے عشق میں سرشار رہتے ہیں۔ اللہ کا عشق رسول اکرمؐ کی صحبت اور ان کے انوار و تجلیات کو جذب کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

حضور پاکؐ کا ارشاد ہے۔

"مرجاؐ مرنے سے پہلے۔" یعنی مرنے کے بعد کی زندگی سے اسی دنیا میں واقفیت حاصل کرو۔"

"ہر نفس کو موت کے مرحلہ سے گزرنا ہے۔ (قرآن)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ موت آنے سے پہلے، موت سے واقف ہونا ضروری ہے۔

خلفائے راشدین کے دور میں تصوف کا تزکرہ اس لئے نہیں ملتا کہ اک کے لطائف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربت سے رنگین تھے قرن اول تک ان کے لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوہ حسنہ معشعل راہ بنا رہا۔۔۔ ان کے شب و روز سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گزرتے تھے۔

قرن ثانی میں مسلمانوں کی دنیاوی وروحانی زندگی میں بے شمار تبدیلیاں آناشروع ہوگئیں۔۔۔یہ دور 661ء سے لے کر 850ء تک کا ہے۔ جس میں خلافت، بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔ عیش وعشرت اور جاہ طلبی حکمرانوں کا مقصد حیات بن گئی۔ عوام الناس کو ظلم وستم کی چکی میں پیسا جانے لگا۔

اس پس منظر میں صوفیا کی پہلی جماعت کھل کر سامنے آئی بصرہ اور کوفہ، جہاں اموی خلفاء نے ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی۔ تصوف کے سب سے پہلے مرکز بنے۔ دنیا طلبی، عیش وعشرت تشدد وبربریت، غرور وبرتری چونکہ دین اسلام کے بالکل منافی باتیں تھیں۔ اس لئے اس دور کے صوفیا کرام توبہ، استغفار اور خشیت الٰہی پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ تاکہ ان کے نفوس دنیاوی لذتوں کے بجائے پیغمبرانہ طرز فکر کو اپنا کر اللہ کے راستے پر گامزن ہو جائیں۔ وہ سرکاری ملازمت اور خلفاء کی صحبت سے اجتناب کرتے تھے۔ تاکہ حکام کے ناجائز احکامات پر عمل کرنے کے سے بچے رہیں۔ وہ لوگوں کو بھی امراء اور خلفاء کی صحبت سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ تاکہ دنیا میں لوگ وظیفہ اعضاء پورا کرتے ہوئے اللہ کی جانب راغب رہیں۔

اس دور کے چند مشہور اولیاء کرام کے نام یہ ہیں:

حضرت اویس قرنیؓ حضرت داؤد طائی، حضرت حسن بصری، حضرت رابعہ بصری حضرت مالک بن دینا، حضرت محمد واسع، حضرت حبیب عجمی، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم بن ادھم وغیرہ۔

یہ بزرگ کھانا کم کھاتے۔ سادہ لباس پہنتے اور یاد الٰہی میں منہمک رہتے تھے۔ وہ مادی زندگی کی اہمیت کو سامنے رکھ کر اعتدال کے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتے تھے۔

ان قدسی نفوس حضرات نے لوگوں کی انحطاطی روش کو پہچان لیا تھا۔ کہ رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں عام لوگوں کی توجہ کا مرکز اللہ کی ذات اور پیغمبر کی ذات تھی۔ جو ان کے درمیان اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کا عملی نمونہ بن کر موجود تھے۔ مگر ان کے بعد لوگوں کی توجہ کا مرکز اللہ کی بجائے دنیا بن گئی۔ جس کی وجہ اس دور کے صوفیہ نے ان تمام چیزوں سے کنارہ کر لیا جو چیزیں اس راہ میں مانع تھیں۔ اس طرح ان کا ذہنی، قلبی اور روحانی رابطہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ قائم رہا۔ "جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔" (قرآن)

اس ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان قدسی حضرات کو اپنی ذات سے قریب کر کے انہیں اپنی صفات سے آراستہ کر دیا اور وہ وارثین انبیاء کہلائے۔ ان پر روحانی ادراک اور مشاہدات کے ذریعے معرفت الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم کا مشہور واقعہ ہے۔

کہ ایک بار آپ دجلہ کے کنارے بیٹھے اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا، شیخ ابراہیم! بلخ کی سلطنت چھوڑ کر آپ کو کیا ملا۔ آپ نے سوئی دریا میں ڈالی اور اشارہ کیا تو مچھلی دجلہ ست باہر آئی۔ اس کے منہ میں سوئی تھی۔ آپ نے اس شخص کو کہا کہ بلخ کی سلطنت چھوڑ کر جو ادنیٰ بات مجھے حاصل ہوئی وہ یہ ہے۔

روحانی علوم کے ماہرین حضرت علیؓ، امام زین العابدینؒ، امام باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ نے روحانی ادراک کے ذریعے وارد ہونے والے کشف والہام، مشاہداتِ غیبی اور وجد وکیفیات کی تشریح کر کے لوگوں کو صحابہ کرامؓ کی درجات سے آگاہ کیا۔ تاکہ لوگوں کے اندر علوم ربانی کو جاننے کا ذوق پیدا ہو اور لوگ دنیا کی جانب سمٹنے کی بجائے اپنے رب کی جانب قدم بڑھائیں۔ امام ابو بکر بن ابو اسحاق نے چوتھی صدی ہجری میں بخارا میں اپنی تصنیف میں ان وارثین انبیای کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ اہل خراساں اور اہل جبال میں سے ابو یزید طیفور یہ بنی عیسیٰ بسطامی ابو حفص حداد نیشاپوری، احمد بن خضرویہ بلخی سہیل بن قشتری یوسف بن حسین رازی، ابو بکر طیار میری علی بن سہیل الازہر دااصفہانی اور ان کے علاوہ چند اور حضرات کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے تصوف کی تعلیمات کو صحابہ کرام کے کشف والہام کی روشنی میں لوگوں تک پہنچایا۔ تقریباً دو سو پچاس ہجری تک وارثین انبیاء اپنے روحانی تصرفات اور وجدانی کلام کے ذریعے لوگوں میں روحانی شعور بیدار کرتے رہے۔ اس دور میں تقریباً پچیس فیصد لوگوں میں روحانی شعور بیدار تھا۔ پھر اس کے بعد یہ تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ کیونکہ لوگ درویشانہ سادہ زندگی کی چکاچوند اور زیب وزینت کو ترجیح دینے لگے تھے۔ زمانے کی بدلتی روش کے ساتھ ساتھ حصول علم کے تقاضے بھی تبدیل ہو گئے۔

صوفیا کی دوسری جماعت اس وقت سامنے آئی جب خلفائے عباسیہ بالخصوص مامون الرشید نے یونانی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے عربی میں کئے گئے۔ جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے میں زبردست انتشار پیدا ہوا۔ ذات وصفات باری تعالیٰ، علوم قرآنی اور معجزات، اخروی زندگی اور معراج جیسی حقیقت کو یونانی فلسفہ وحکمت کی عینک سے دیکھا جانے لگا۔

اس طوفان کے آگے اس دور کے مشہور صوفیاء حضرت جنید بغدادی حضرت بایزید بسطامی اور حضرت ذالنون مصری نے بند باندھا۔ انہوں نے عقلی وباء کا مقابلہ عشق کی دوا سے کیا۔ جہاں پہلے دور کے صوفیا نے ظلم وجور اور شقاوت قلبی کا مقابلہ خشیت الٰہی سے کیا تھا۔ وہاں ان بزرگوں نے مادی عقلیت کے بت کو عشق الٰہی سے پاش پاش کر دیا۔ اسلامی معاشرے میں ذہنی انتشار کو روحانی قوت سے ختم کیا تزکیہ قلب اور اصلاح باطنی کے لئے کتابیں تصنیف کیں۔ انہوں نے بتایا کہ شریعت وطریقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں قوانین الٰہیہ کے ذریعہ نافذ العمل ہیں۔ باطنی حواس سے ان قوانین کو سمجھا جاسکتا ہے۔

امام غزالی (406ھ 505) آپ کی تصانیف میں "احیائے العلوم" بہت اہم کتاب ہے۔ آپ نے تحقیق حق کی تلاش میں تمام مذہاب کا مطالعہ کیا۔ جب کہیں سے حقیقت حال منکشف نہیں ہوئی تو آپ نے تصوف کا راستہ اختیار کیا۔ سخت ریاضت کے بعد جب آپ حقیقت سے واقف ہوئے تو آپ نے معاشرے کے اخلاقی زوال کی اصلاح کے لئے یہ کتاب لکھی۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی

(476ھ سے 562ھ) نے سلسلہ قادریہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کی تصانیف، "غنیتہ الطالبین" "الفیوضیات الربانیہ" "فتوح الغیب" اور فتح ربانی" مشہور ہیں۔

شیخ نجیب الدین عبد القادر سہروردی علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں کے معلم تھے آپ سہروردیہ سلسلے کے بانی ہیں۔ شیخ محی الدین عربی (637ھ) دنیائے تصوف میں شیخ اکبر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ اسپین میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہیں۔ مولانا جامی کی تحقیق کے مطابق پانچ سو تصانیف ہیں۔ ان میں سے ایک سو پچاس کے قریب کتب اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ وحدت الوجود کی اصطلاح آپ کی رائج کردہ ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی ابن عربی کے ہم عصر تھے۔ آپ نے "عوارف المعارف" تصنیف فرمائی جس میں خانقاہی نظام اور تصور کی بنیادی باتوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر اپنے خاص مریدوں کو اس کتاب کا درس دیا کرتے تھے۔ شیخ سعدی آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی میں نظم و نثر کی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ بارہویں صدی عیسوی کے ان ممتاز صوفیا کے ساتھ اس صدی کے ان صوفی شاعروں کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ جن کی شاعری نے تصوف کی ترقی و ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ ان میں حکیم سنائی حضرت خواجہ فرید الدین عطار اور حضرت نظام گنجویٰ بہت زیادہ مشہور ہیں۔

عراقی حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی سہروردی کے مرید تھے۔ دمشق میں شیخ اکبر محی الدین ابن کے پہلو میں مدفون ہیں۔ آپ نے ایک مثنوی "عشاق نامہ" تحریر فرمائی ہے جو اب نایاب ہے۔ نثر میں ایک کتاب "لمحات" تحریر فرمائی۔ جو اپنی نوعیت کی ایک بے مثل کتاب ہے۔ اوحدی سات ہزار اشعار پر مشتمل آپ کی "نظم جام نجم" بہت مقبول ہوئی۔

شیخ سعدی نے طاہری تعلیم ابو الفرح جوزی سے حاصل کی اور باطنی تعلیم کے لئے شیخ شہاب الدین سہروردی کی شاگردی اختیار کی۔ اخلاقی شاعری میں آپ امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔ عالم باعمل مولانا جلال الدین رومی کو حضرت شمس تبریزی کی نگاہ التفات سے علوم باطنی حاصل ہوئے۔ مثنوی روم کی شہرت و عظمت سے تمام دنیا واقف ہے۔

تیرہویں صدی عیسوی کے بعد تصوف کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ مگر اس کے بنیادی فلسفے اور عملی پروگرام میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ حضرت امام غزالی، حضرت محی الدین ابن عربی اور حضرت شہاب الدین سہروردی نے جو کچھ مرتب فرمایا تھا۔ آئندہ کئی صدیوں تک اس میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی جب دنیا میں تشریف لائے اور آپ نے دین کے مردہ جسم میں زندگی دوڑادی۔ اللہ کے کلام کے مطابق دین کی تعریف اور معنی تلاش کئے۔ آپ نے قصائد غوثیہ میں تصوف کے اسرار و رموز واشگاف الفاظ میں بیان فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت غوث پاک کے روپ میں محی الدین کو دنیا میں بھیج دیا۔ آپ نے اس دور کے شعوری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور علمی ذوق کو مد نظر رکھ کر روحانی علوم کا زیادہ مظاہرہ کیا۔ اس طرح کہ آپ نے اپنے مشاہداتی تجربات بھی بیان فرمائے کشف و کرامات کا بھرپور اظہار بھی کیا اور اس کے ساتھ ہی روحانی علوم سے بھرپور کتابیں بھی تصنیف کیں۔ غرض یہ کہ آپ نے دین کے کسی بھی شعبے کو نظر انداز نہیں کیا اور ان کی عملی اور روحانی توجیہہ بیان کر دی۔ تاکہ دین کے کسی بھی مسئلے کا مفہوم غلط نہ سمجھا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ پانچویں صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک کا دور تصوف کا بہترین دور ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے بعد تصوف کی مقبولیت میں اضافہ ہوا اور انہی بنیادی اصولوں پر چلتا رہا۔ جو اس سے پہلے دور میں رائج تھے۔ جب ساری دنیا میں مسلمان پھیل گئے اور غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ بڑھ گیا۔ تو تصوف کے علمی ذخیرے کو بہت نقصان پہنچا۔ بغداد جو علوم کا مرکز تھا۔ تاتاریوں نے اسے آگ لگادی اور چن چن کر تصوف کی وہ نادر کتب جلاڈالیں۔ جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بننے والی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ترویج و تدوین کا کام رک گیا اور لوگوں کا رجحان تصوف و روحانیت سے ہٹ کر صرف دنیاداری کی طرف ہو گیا۔ ہم جب گزشتہ پانچ سو سال کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو یہ نظر آتا ہے کہ اس دور میں نسل انسانی نے فنون لطیفہ میں عروج حاصل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ کئی نئی ایجادات سامنے آتی رہیں۔ سیر و سیاحت اور ذرائع آمد و رفت کے نئے اور آسان ذرائع عمل میں آگئے۔ اس کے علاوہ خبر رسانی میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ جو شعوری ارتقاء کے لئے مفید ثابت ہوئیں۔ آدم کا شعور دنیاوی راحت و آرام کا متلاشی ہے۔ شعوری ارتقاء اسی وقت ہوتا ہے۔ جب ایجادات ہوں۔ نت نئی ایجادات سے لوگوں کی طرز فکر بدلنے لگی۔ دنیاوی تقاضوں کی تکمیل ہی مقصد حیات بن گئی۔ نفس کو ضرورت سے زیادہ دنیاوی آرام و راحت مل جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع نہیں کرتا۔ جب اس دور کے صوفیا نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو بادشاہوں کے درباروں میں بھی جانے سے دریغ نہیں کیا تاکہ لوگوں کو عبادت و ریاضت کی جانب توجہ دلائیں۔ مگر وہ لوگوں کی طرز فکر تبدیل نہیں کر سکے تو انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

ڈیڑھ سو سال سے سائنس ترقی پذیر ہے۔ یہ دور عقل انسانی کے لئے عروج کا دور کہلاتا ہے۔ کل تک جو چیزیں غیب تھیں آج شہود بن چکی ہیں فاصلے سمٹ گئے ہیں اور اس نظام کے ذریعے دور دراز کی آوازیں سننا اس طرح ممکن ہو گیا ہے جیسے ایک کمرہ میں بیٹھ کر لوگ باتیں کرتے ہیں۔

زمین کے اندر، اور آسمان کے نیچے کیا ہے، یہ دیکھنا ممکن العمل بنا دیا گیا ہے لیکن اس عروج کے ہوتے ہوئے بھی انسانی ذہن مصیبت میں مبتلا ہے۔ سکون ختم ہو گیا ہے بیماریوں نے ان کو جکڑ لیا ہے۔ ہر شخص بے چین اور پریشان ہے۔ خوف اور عدم تحفظ کے احساس نے نوع انسانی کو زندہ درگور کر دیا ہے، سرمایہ دارانہ نظام کے ٹھیکیداروں نے عوام کو اپنا غلام بنالیا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے جب بھی عوام کو لقمہ تر سمجھ کر نگلنے کی کوشش کی گئی اور لوگوں کے لئے آزاد زندگی کی راہیں مسدود کر دی گئیں۔ نظام الٰہی کے تحت قدرت کے نمائندے سامنے آئے اور طاغوتی قوتیں جہنم واصل ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین نسل انسانی کی بقا چاہتے ہیں اور نسل انسانی کی بقا کا انحصار "توحید" پر اجتماع ہے۔ مادیت کا جب غلبہ ہو گیا اور اللہ کی مخلوق بیزار، بے حال، بے آرام اور فنا ہونے لگی تو اللہ کی رحمت حرکت میں آئی اور خالق نے مخلوق کے لئے ایک نجات دہندہ بھیجا۔ جو موجودہ حالات اور تقاضوں کے مطابق لوگوں کو سکون و آشتی کے راستے پر چلائے اور ظاہری تعلیمات کے ساتھ ساتھ روحانی اور باطنی علوم سکھائے۔

اس صدی کی یہ عظیم المرتبت ہستی ابدال حق قلندر باباولیاء ہیں جو حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کے نواسے اور تربیت یافتہ ہیں۔ عظیم روحانی سائنسدان قلندر باباولیاء نے رباعیات لکھ کر نوع انسانی کو تباہی کے غاروں سے نکلنے کا راستہ دکھایا ہے۔ حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیا المعروف قلندر باباولیاء سادات میں سے ہیں۔ آپ کا خاندانی سلسلہ حضرت امام حسن عسکریؑ سے جاملتا ہے۔ قصبہ خورجہ ضلع بلند شہر یوپی بھارت (1898) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر اپنے نانا حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کے پاس نو سال تک مقیم رہ کر روحانی تربیت حاصل کی۔

آپ کی تصنیفات میں اسرار و رموز کا خزانہ "لوح و قلم" "علم و عرفان کا سمندر" "رباعیات قلندر باباولیاء" اور ماورائی علوم کی جیہا پر مستند کتاب "تذکرہ تاج الدین بابا" ہیں۔ حضور قلندر باباولیا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق روحانی اور ماورائی علوم کو نظم اور نثر دونوں میں پیش کیا ہے۔

یہ بات علی اعلان کہی جاسکتی ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے بعد چودھویں صدی ہجری میں تصوف پھر ایک نئے دور میں داخل ہوا ہے اور اس نئے دور میں تصوف کی راہ پر چلنے والوں کی قیادت حضور قلندر باباولیاء کر رہے ہیں۔ چودہ سو سال میں بتدریج نشو و نما کے بعد آج تصوف اس دور میں داخل ہو چکا ہے۔ جس دور میں قرآن کے سربستہ رازوں کو کھول کر بیان کرنا آسان ہو گیا ہے۔ کائناتی فارمولوں سے پردے اٹھائے جارہے ہیں اور کائنات کی تخلیق میں کام کرنے والے انتظامی امور کو سمجھنے کی صلاحیت ابن آدم کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔ گویا آدم کے اندر خلافت اور نیابت کا ذہن متحرک ہو گیا ہے۔

جب آدم دنیاوی خلافت کے ذہن سے کام کرتا ہے تو ایجادات ظہور میں آتی ہیں اور جب آدم اللہ کی نیابت کے ذہن سے کام کرتا ہے اس کائناتی فارمولوں اور غیب میں کام کرنے والے عوامل کے اندر کام کرتا ہے۔ انسانی ایجادات کے علوم سائنسی علوم ہیں اور غیب میں ریسرچ سے قوانین فطرت سے روحانی اور ماورائی علوم سامنے آئے ہیں۔

سائنسی علوم اور روحانی علوم دونوں کا منبع (Source) اللہ تعالیٰ کا امر ہے اور اللہ کے امر کا نزول روح پر ہو رہا ہے۔ انسان اگر قرآن اور آسمانی کتابوں میں غور و فکر کرے تو خود اسے اپنے فطرت کے تمام نظام موجود نظر آئیں گے اور وہ جان لے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا مظاہرہ دو رخوں میں ہو رہا ہے۔ ایک رُخ میں مادی اور ظاہری کائنات ہے اور دوسرے رخ میں باطنی کائنات ہے۔ جو انسان کے

قلب میں جاری ہے۔ ظاہر اور باطن دونوں میں دیکھنے والی آنکھ انسان کی آنکھ ہے اور اس آنکھ کی بینائی اللہ کا نور ہے۔ یہ نور ہی انسان کے ظاہر اور باطن دونوں مشاہدات کا واسطہ بنتا ہے۔

"رباعیات قلندر باباولیاء کے مطالعہ سے انسان کے اوپر سے مادیت کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے۔ تصوف کے قافلہ سالاروں نے ماضی میں جس طرح نثر اور شاعری سے تصوف کی آب یاری کی ہے۔ ان ہی نقوش و قدم پر قائم مرشد کریم حضور قلندر باباولیاء نے رباعیات لکھی ہیں۔ قلندر باباولیاء کی رباعیات نے نسل انسانی کے اندر ایک نئی روح پھونک دی ہے۔"

یہ رباعیات نوع انسانی کے لئے ورثہ ہے۔ جس کے ذریعہ آدم زاد خلافت و نیابت کا فراموش کردہ مقام دوبارہ حاصل کر سکتا ہے۔

دنیائے طلسمات ہے یہ ساری دنیا　　کیا کہیے کہ ہے کیا یہ ہماری دنیا

مٹی کا کھلونا ہے ہماری تخلیق　　مٹی کا کھلونا ہے یہ ساری دنیا

ختمی مرتبت، سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کے نورِ نظر، حاملِ علم لدنی، پیشوائے سلسلۂ عظیمیہ، ابدالِ حق حضور قلندر باباولیاءؒ کی ذات بابرکات نوعِ انسان کیلئے علوم و عرفان کا ایک ایسا خزانہ ہے کہ جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو تخلیقی فارمولوں اور اسرار و رموز کے علوم سے منور کیا ہے وہاں علومِ ادب اور شعر و سخن سے بھی بہرہ ور کیا ہے۔ اس طرح حضور باباجیؒ کے رخ جمال کے دونوں پہلو روشن اور منور ہیں۔

لوح و قلم اور رباعیات جیسی فصیح و بلیغ تحریریں اس بات کا زندہ جاوید ثبوت ہیں کہ حضور قلندر باباولیاءؒ کی ذاتِ گرامی سے شرابِ عرفانی کا ایک ایسا چشمہ پھوٹ نکلا ہے جس سے رہروانِ سلوک نشۂ توحیدی میں مست و بے خود ہونے کیلئے ہمیشہ سرشار ہوتے رہیں گے۔

حضور باباصاحبؒ نے اپنی رباعیات میں بیشتر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے کہیں بنی نوعِ انسانی کی فطرت اور حقیقی طرزِ فکر کو اجاگر کیا ہے، کہیں مٹی کے ذرے کی حقیقت اور فنا و بقا پر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں پروردگار کی شان و عظمت کا ذکر ہے۔ کہیں فطرتِ آدم کی شرابِ وحدت میں مست و بے خودی کا ذکر ہے۔ کہیں عالمِ ملکوت و جبروت کا تذکرہ ہے۔ کہیں کہکشانی نظام اور سیاروں کا ذکر ہے، کہیں فطرتِ آدم کی مستی و قلندری اور گمراہی پر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں اس فانی دنیا کی فانی زندگی کو عبرت کا مرقع ٹھہرایا ہے۔ کہیں فرمانِ الٰہی اور فرمانِ رسولؐ پیش کر کے تصوف کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ کہیں عارف کے بارے میں فرمایا ہے کہ عارف وہ ہے جو شرابِ معرفت کی لذتوں سے بہرہ ور ہو اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی برضا ہو۔

غرضیکہ رباعیاتِ عظیم علم و عرفان کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔

شخصیت اور شاعری

[۳]باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت نہایت جامع اور اثر انگیز ہے۔ ان کی زندگی کے کسی بھی زاویے کا تذکرہ کیا جائے اسی بیان کی تصدیق و تائید ہوتی چلی جائے گی اور مضمون طویل سے طویل تر ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن موضوع کی تشنگی برقرار رہے گی اور کسی طرح بھی باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کا احاطہ نہ ہو سکے گا کیوں کہ باباصاحب رحمتہ اللہ روحانی حیثیت میں ایک بڑی قد آور اور صاحب اختیار ہستی ہیں اور ظاہری زندگی میں ایک بے داغ اور صاف و شفاف کردار کے مالک۔ وہ شعوری اور لاشعوری دونوں اعتبار سے ایک مکمل شخصیت ہیں اور طریقت و شخصیت دونوں کے رہ نما ہیں۔ زیرِ نظر مضمون سے ہمارا منشاء باباصاحب رحمتہ اللہ کا طرزِ ذہن بیان کرنا ہے اور شاعری ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے اندر کی آواز ہوتی ہے۔ غزل اور رباعی کی اصناف پہ طور خاص شاعر کی ذات اور شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ نظم میں کافی حد تک موضوعاتی بندشیں ہوتی ہیں۔ جس سے لکھنے والے کا اپنا ذہن پس پردہ چلا جاتا ہے۔ اس مضمون مین بھی ہم نے رباعیاتِ قلندر بابا کو موضوع بنایا ہے۔ حضور باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کو شعر و شاعری میں کمال حاصل تھا۔ وہ عظیم اور برخیا تخلیص کیا کرتے تھے۔ انہوں نے مختلف اصنافِ شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔

ایک زمانے میں کراچی سے ایک روزنامہ "اردو ڈان" نکلا کرتا تھا۔ وقتاً فوقتاً باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نظمیں، غزلیں اور قطعات اس میں شائع ہو کرتے تھے۔ رسالہ "نقاد" میں بھی باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کام کر چکے تھے۔ شعر و شاعری کا یہ دور کئی برسوں پر محیط ہے۔ ۱۹۵۵ کے بعد ان کی تمام تر توجہ تصوف کی طرف منعطف ہو گئی اور شعر و شاعری کا بیشتر سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس دور سے متعلق باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کا زیادہ تر کلام ضائع ہو چکا ہے۔ موجودہ کلام صرف رباعیات پر مشتمل ہے جن کی حفاظت کا اہتمام باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خود فرمایا تھا۔ ان رباعیات میں روحانیت کے رموز اور قوقنین قدرت کو بڑی خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ معنی کی گہرائی، تسلسل، روانی اور برجستگی ان کی خصوصیات ہیں۔ بعض اوقات ان رباعیات میں بہت خوبصورت لفظی تکرار ملتی ہے۔ جو شاعری میں ایک نمایاں خوبی شمار ہوتی ہے۔ اس کی کئی مثالیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

یہ ریت کی دنیا ہے عجب افسانہ — بت ریت کے ہیں ریت کا ہے بتخانہ
گھنٹے کی صدا ریت کے اندر گم ہے — گویا کہ ہوئی صدا بھی اک دیوانہ

یہاں ہم نے باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک رباعی کو مرکز بنایا ہے اور اسی تسلسل میں آنے والی دوسری رباعیات بھی تحریر کی ہیں اور ان پر بھی روشنی ڈالی ہے اس طرح کہ باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کا طرزِ ذہن اور تعلیمات واضح ہو جائیں اور قارئین یہ بات سمجھ سکیں کہ رباعی کا مضمون اپنے اندر کتنی گہرائی اور کتنی وسعت رکھتا ہے اور باباصاحب رحمتہ اللہ نے کتنے وسیع مفہوم کو سمیٹ کر چار مصرعوں میں بیان کر دیا ہے۔

یہ بات مگر بھول گیا ہے ساغر — انسان کی مٹی سے بنا ہے ساغر
سو بار بنا ہے، بن کے ٹوٹا ہے — کتنی ہی شکستوں کی صدا ہے ساغر

جس چیز کو مندرجہ بالا رباعی میں ساغر کہا گیا ہے وہ دراصل شکست وریخت کا سمبل [Symbol] ہے۔ ایسی چیز ہے جس میں تغیر و تبدل اور Variation واقع ہوتا ہے۔ اسی کو اصطلاح میں مظہر کہا جاتا ہے۔ ایک تغیر تخریب ہے، دوسرا تغیر تعمیر ہے۔ یعنی ایک مظہر ٹوٹتا ہے اور دوسرا تشکیل پاتا ہے۔ تعمیر تخریب سے منسلک ہے۔ کسی مظہر کا وجود ہی شکست وریخت کی علامت ہے۔ باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ اس رباعی میں فرماتے ہیں کہ آدمی یا مظہر نے اپنی اصل کو فراموش کر دیا ہے۔ وہ یہ بات بھول گیا ہے کہ تخلیق ان اعلا اقدار سے وجود میں آئی ہے جن کے مجموعے کو انسان کہا جاتا ہے، ایسا انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین صنعت قرار دیا ہے لیکن آدمی نے "اسفل السافلین" یا مادیت کی پابندیاں اپنے اوپر مسلط کر کے ان اعلا صلاحیتوں کو گم کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان "فی احسن تقویم" کا مظہر تھیں۔ ہر مظہر زبانِ حال سے فنا کی کہانی سنا رہا ہے، یہ بتا رہا ہے کہ تغیر و تبدل کے کتنے ادوار اس پر گزرتے ہیں اور کتنی شکستوں نے اس کو وجود بخشا ہے۔ کسی بچے کو دیکھ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس کے کتنے ہی آباؤ اجداد اِس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں بچے کی شکل [مظہر جس کو رباعی میں ساغر کیا گیا] کتنے ہی لوگوں کی فنا کی آئینہ دار ہے۔ ارض [دنیا] ردوبدل کے ان ہی مظاہر کا مجموعہ ہے۔ گویا ہر مظہر فنائیت کے ایک لامتناہی سلسلے کا عنوان ہے:

یہ طاق، یہ ٹوٹے ہوئے در اور دیوار — ذروں میں نظر آتے ہیں سارے آثار
ذروں میں ہے گرم شاعروں کی محفل — ذروں میں ہیں بند شاعروں کے اشعار

مندرجہ بالا رباعی میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ذرات [مظاہر] کا حال ان کے ماضی کا علم بردار ہے۔ اس کہانی کا عنوان ہے کہ یہ ذرات کتنی ہی شکلوں میں ڈھل کر تخریب پذیر ہوتے ہوئے موجودہ شکل [حال] تک پہنچے ہیں۔ ایک صاحب روحانیت ماضی و حال کو یک جا صورت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ جس طرح یہ مظاہر یا ذرات شکست وریخت کے کئی ادوار سے گزر کر موجودہ شکل تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح یہ شکل بھی عنقریب فنا ہونے والی ہے:

مٹی میں کسی روز مجھے ملنا ہے — تربت کو گل تر کی طرح کھلنا ہے
گر موت نے اک آن کی مہلت دے دی — خم اور صراحی سے گلے ملنا ہے۔

اس بات سے آدمی کو اس نتیجے پر پہنچ جانا چاہیئے کہ اس کے جسم کو اسی طرح فنا پذیر ہونا ہے۔ اب آدمی کی بقا صرف اس بات میں مضمر ہے کہ وہ اپنی روحانی صلاحیتوں سے وقوف حاصل کرے جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ اس ذہن کو حاصل کرے جس سے وہ جنت میں کام لیتا تھا اور اس مقصد کو پورا کرے جس کے تحت اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ ورنہ اس کی حیثیت صرف مٹی کے بنے ہوئے ساغر جیسی ہے جس کا مقدر ہی ٹوٹنا پھوٹنا اور خاک ہونا ہے۔

مٹی کی یہ مورت ہے یہ سب ٹوٹے گی — معلوم نہیں کسی کو کب ٹوٹے گی
ذروں میں بکھر جائیں گے رنج و راحت — آواز ذرا نہ ہو گی جب ٹوٹے گی

یہ صلاحیتیں جن کو ابھی ہم روحانی صلاحیتیں کہہ چکے ہیں ایسی ہیں جو اصل انسان کے اوصاف ہیں جو اسفل اور مادیت کی پابندیوں سے آزاد ہیں۔ باباصاحب نے ایک دوسری رباعی میں ان اوصاف کی طرف اشارہ کیا ہے ہے:

واسائل کی پابندیاں قدم قدم پر آدمی کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان ہی پابندیوں کو مندرجہ بالا رباعی میں "لکیریں "کہا گیا ہے۔ آدم ہر طرف سے ان لکیروں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ سمتیں، فاصلے اور ثقل[Gravity] پابندی کی شکلیں ہیں۔ آدمی اس وقت تک ان پابندیوں سے آزاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی اصل سے روشناس نہ ہو جائے کیوں کہ مادی جسم میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہے کہ وہ ثقل[Gravity] سے آزاد ہو سکے۔ البتہ انسان کا اصل وجود یعنی نورانی جسم جس کو نسمہ اور Aura بھی کہا جاتا ہے میں ایسی صلاحیتیں موجود ہیں۔ موجودہ شکل میں مادیت انسان کے اوپر غالب ہے۔ اگر وہ نورانیت سے وقوف حاصل کر لے اور نورانی جس کی صلاحیتوں سے کام لے تو وہ مادی قید و بند سے آزاد ہو سکتا ہے اور فردوس گم گشتہ کو حاصل کر سکتا ہے:

ہے زیرِ زمین بھی شہر کی آبادی　　مٹی کے سنم سے ہے وہاں آزادی
ہے موت کا سایہ بھی وہاں پر ممنوع　　ممکن ہی نہیں حیات کی بربادی

مادیت سے آزاد یہ عالم انسان کا صحیح مقام ہے۔ اس عالم سے وقوف پر انسان کی بقاء کا انحصار ہے۔ اگر انسان اس مادی زندگی میں زندہ رہتے ہوئے اس آبادی سے روشناسی حاصل کرے تو وہ "موتوا قبل انت موتو" کے قانون کے تحت ابدی آرام و آسائش کا سزا وار ہے۔

رباعیات کا جہاں

[۴] حضور بابا رحمتہ اللہ علیہ نے جب اپنے اندر پرورش پانے والے جب شعر پسندی اور شعر گوئی کے جھرمٹ میں رباعیات لکھنے کا ارادہ کیا تو طبعی کم طاقتی کے باوجود اس مشن کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور بابا رحمتہ اللہ علیہ پر الہامی انکشافات کا نزول ہو رہا ہے اور رباعی پے رباعی صفحہ قرطاس پر گویا مچل مچل کر پھولوں کی طرح بکھر جانے کے لیے بے چین ہے۔ اس طرح آپ رحمتہ اللہ علیہ نے پانچ سو سے زائد رباعیاں خود اپنے قلم سے بیاض پر رقم کر ڈالیں۔ لیکن پھر صحت کے لیے رباعیات کی تعداد کم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح آپ نے اس انتخاب سے تین سو سے زائد رباعیاں کم کر دیں اور صرف ۱۸۲ رباعیات باقی رہنے دیں۔ یہی ایک سو بیاسی ۱۸۲ رباعیات ہیں جو کتابی شکل میں سامنے آئیں۔

رباعیات کی تصنیف و تالیف کے سلسلے میں اگر کوئی شہرت و دوام حاصل کر سکا ہے تو وہ عمر خیام کا ہے۔ مگر اس ضمن میں ان رباعیات کے اپنی اصل فنی اور فلسفیانہ کمالات سے کہیں زیادہ حصہ مغربی مترجمین یا مستشرقین کا ہے جنہوں نے عمر خیام کے خیالات اور احساسات کو اپنے الفاظ میں اور خیال کے روپ میں پیش کیا ہے۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ مشہور عام ایڈورڈ فٹز جیرالڈ Edward Fitzgerald ہے۔ عمر خیام نے رباعیات فارسی میں کہی تھیں۔ اگرچہ اس کے رنگ میں دیگر فارسی دان شعراء نے رباعیات کہہ کر اصل رباعیات میں خلط ملط کر کے ان کی تعداد اور مبالغہ کی حد تک بڑھا دی ہے۔ اس کے باوجود ماننا پڑے گا کہ بعض "غیر خیامی رباعیات" اتنی کاوش اور عرق ریزی سے کہی گئی ہیں کہ اصل خیامی رباعیات سے ان کو الگ کرنا نہایت دشوار ہے۔ رباعیات عمر خیام کا غالب رنگ یا فلسفیانہ کلام "خمریات" پر مشتمل ہے اور اسی میدان میں اس کے مصنف نے شہرت عام پائی ہے۔

اس کی ایک رباعی کا ایک مصرع "خوش باش دے کہ زندگانی این ست" زبانِ زد خاص و عام ہے یوں پوری رباعی اسی کیف و مستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔

مے نوش کہ عمر جودانی این است　　خود حاصلت از دور جوانی این ست

ہنگام گل بادہ و یاراں سرمست　　خوش باش دے کہ زندگانی این ست

ترجمہ: شراب پی کر اسی سے ہمیشہ کی زندگی ملتی ہے، عہد شباب کا حاصل بھی یہی ہے بہار کا موسم، شراب کے دن اور یارن سرمست تو بھی کچھ دیر کھیل لے کہ زندگی اسی کو کہتے ہیں۔

رباعیات قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ میں بھی "ساقی نامہ" کا اچھا خاصا حصہ موجود ہے۔

حضور قلندر باباولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اک جرعہ مئے ناب سے کیا پائے گا　　اتنی سی کمی سے فرق کیا آئے گا

ساقی مجھے اب مفت پلا کیا معلوم　　یہ سانس جو آگیا ہے پھر آئے گا

بولِ کلام سے بچنے کے لیے یہ بہتر ہو گا کہ اگر ہم مٹی کی مرکزی حیثیت کو ذہن نشین کرانے کے لیے حیات انسانی کی مختلف کیفیات کو پیش کر دیں تا کہ یہ معلوم ہو کیا جاسکے کہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی الہام بداماں فکر و نظر سے مٹی کی حقیقت کے کون کون سے گوشے واشگاف کیے اور ہر لمحہ اور ہر آن پاؤں تلے روندی جانے والی مٹی کس علوئے مرتبہ اور نیرنگی نظارہ کی حاصل ہے اور یہ کس حد تک تخلیقی رازوں کی امین ہے۔

انسان [آدم] اور فرشتہ کے درمیان فرق مراتب بھی شعراء کا موضوع رہا ہے۔ ذوق کو شکایت ہے کہ ان کی سرشت میں ملکوتی صفات تھے مگر انسان بنا کے ان کی مٹی خراب کر دی گئی!

جوہر تو مجھ میں تھے ملکوتی صفات کے
انسان بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی!

غالب کو حسرت ہی رہی کہ اگر انہیں گردشِ دوراں کا شکار ہونا تھا تو بجائے انسان کے اگر جامِ مے بنا دیے جاتے تو ان کی مٹی خراب نہ ہوتی!

گردش میں رکھنا تھا تو بنانا تھا جامِ مئے
انسان بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ نے ان مخصوص شاعرانہ ندرت خیالی کو اگرچہ رد تو نہیں کیا مگر اسے داد و تحسین سے بھی نہیں نوازا۔ کیوں کہ ایسی تمام باتیں یا خیالات اگرچہ بہ ظاہر شعر گوئی کے میدان میں شوخی بیان یا ندرت خیال کا درجہ رکھتے ہیں مگر ان کا منفی پہلو ان کے دل کو کبھی متاثر نہ کر سکا۔ آپ کی بنیادی فکر کا نمایاں بلکہ غالب ترین نکتہ مثبت [Positive] ہی رہا۔ اس سے ثابت ہتا ہے کہ اگر منفی صورتِ حال کو مثبت انداز میں پیش کیا جائے تو فکر میں تعمیری تاثر اُبھرتا ہے اور یہی صحت ذہن کی علامت ہے۔

یہاں پہ پیج 49 ٹائپ کرنا ہے

ماتھے پہ عیاں تھی روشنی کی محراب　　رخسار و لب جن کے تھے گہر نایاب
مٹی نے انہیں بدل دیا مٹی میں　　کتنے ہوئے دفن آفتاب و مہتاب

ان رباعیات میں "مٹی" نیرنگی اور بوقلمونی ذہن انسانی پر کچھ اس طرح نقش برپا کرتی ہے کہ حسن نظارہ اور عبرت انگیزی دونوں اپنی طرف کھینچتے ہیں تو کمال و زوال کی یہی منظر کشی انسان کی بے بسی اور بے ثباتی کی یاد دہانی بھی کرتی ہے۔

اہرام، فراعین کا مدفن ہیں آج　　سیاحوں سے تحسین کا لیتے ہیں خراج
رفتارِ زمین کی ٹھوکریں کھا کھا کر　　مل جائے گا کل تک ان کا مٹی میں مزاج

درس عبرت کا موقع:

جن قبروں میں ہیں شاہ و گدا ہم پہلو　　جن قبروں میں مٹی ہوئے چشم و ابرو

ان قبروں کا ہنر ذرہ لرزتا ہے عظیم　　جب فاختہ کہتی ہے کُو کُو　　کُو کُو

اسی رباعی میں حضرت قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے فاختہ کو جسے ادبی دنیا میں امن و آتشی کا پیامبر کہا جاتا ہے، عبرت و حسرت کا ایسا مرقع [Medium] جس کا نغمہ پرور کُو کُو سے شاہ و گدا کی قبریں بھی لرز جاتی ہیں۔ یہ خیال مشرقی ادب اور مزاج کا عکس یا علامت ہے۔ مگر اہلِ مغرب کے نزدیک یہی بے ضرر پرند و شعلہ نفس اور فضا کو لرزو برانداام کر دینے والا دشت انگیزی کا آلہ کار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ خیالات انگریزی ادب کے بلند مقام شاعر اور محقق T.S. Eliot ٹی ایس ایلیٹ کے ہیں، ہمہ شما شاعروں اور انشاء پردازوں کا کیا ذکر!

The dove Descending Breaks The Air With Flame Of Incandescent Terror

ترجمہ: فاختہ نیچے کی جانب پرواز کرتے ہوئے، اپنی شعلہ بار دہشت سے ہوا [فضا] کی لہروں کو پاش پاش کر دیتی ہے۔

اس رباعی کے توسط سے امن پسند فاختہ کے تقابلی مطالعہ سے مشرق و مغرب کے افکار و اذہان کی علمی و ادبی مزاج کی متضاد سمتوں میں سفر کرنے والی لہروں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایک طرف ایک صاحب نظر ملکوتی صفات و مزاج کے مالک نباض فطرت کی ذہنی عکاسی کا نقشہ قلب و نظر کو ٹھنڈک اور روشنی بہم پہنچاتا ہے تو دوسری طرف ایک مغربی مفکر کو ہر طرف دہشت و ہلاکت نظر آتی ہے۔ اگر آپ حضور قلندر بابا رحمتہ اللہ علیہ کے اپنے مزاج طبعی اور نفاست کلام کا اندازہ لگانا چاہیں تو یہی ٹھنڈک اور فرحت بخشی آپ کے حسن سلوک اور خیال آفرینی کا طرہ امتیاز قرار دی جاسکتی ہے۔

صحیح طرز پر زندگانی بسر کرنے کا گُر بھی سیکھ لیجئے کہ زندگی کو مٹی نہ ہونے دینے کا یہی مسرت بخش ذریعہ ہے!

اچھی ہے بُری دہر، فریاد نہ کر　　جو کچھ گزر گیا ہے، اسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو　　دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

رباعیات قلندر بابا رحمۃ اللہ علیہ کا فکری مطالعہ

تصوف کے روایتی مضامین:

حضور بابا صاحبؒ نے اپنی رباعیات میں بیشتر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے کہیں بنی نوعِ انسانی کی فطرت اور حقیقی طرزِ فکر کو اجاگر کیا ہے، کہیں مٹی کے ذرے کی حقیقت اور فنا و بقا پر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں پروردگار کی شان و عظمت کا ذکر ہے۔ کہیں فطرتِ آدم کی شرابِ وحدت میں مست و بے خودی کا ذکر ہے۔ کہیں عالمِ ملکوت و جبروت کا تذکرہ ہے۔ کہیں کہکشانی نظام اور سیاروں کا ذکر ہے، کہیں فطرتِ آدم کی مستی و قلندری اور گمراہی پر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں اس فانی دنیا کی فانی زندگی کو عبرت کا مرقع ٹھہرایا ہے۔ کہیں فرمانِ الٰہی اور فرمانِ رسولؐ پیش کر کے تصوف کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ کہیں عارف کے بارے میں فرمایا ہے کہ عارف وہ ہے جو شرابِ معرفت کی لذتوں سے بہرہ ور ہو اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی برضا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی تخلیقات میں ہمیں تصوف کے روایتی مضامین ملتے ہیں بالخصوص ان کی رباعیات میں تصوف کے روایتی مضامین کی بھرپور آمیزش ہے۔ ان کی صوفیانہ شاعری مابعد الطبعی رجحانات اور تصورات کا باقاعدہ اظہار ہے۔ ان کی تعلیمات وہی ہیں جو ان سے صدیوں پہلے سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگان متعارف کروا چکے تھے۔ اس اعتبار سے سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو اسلامی تسوف کی زریں روایات کا تسلسل تصور کرنا چاہیئے۔ ان کے ہاں مذہبی قانون اور داخلی صوفیانہ صداقت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔

ان کی شاعری، فکر اور مطالعے کے ڈانڈے قرآن و حدیث، فارسی شعراء عطار رومی، جامی کے علاوہ منصور حلاج اور خواجہ حافظ سے لے کر پنجابی صوفی شعراء تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں تصوف اور روایت کو جذب کر کے ذاتی اور اجتماعی سوز و گداز کے فیضان سے فکر انگیز اور دل کش پیرائے میں ڈھالا ہے اور ابن عربی اور مولانا روم کی صوفیانہ روایت، پنجابی صوفیانہ شاعری کی روایت کے اثر سے دو آتشہ ہو گئی ہے۔ ان کی تخلیق کردہ رباعیات انہی افکار و تخیلات کا پرتو نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کی تین خصوصیات ہیں، سوز و گداز، پند و نصائح کے شائبے کے بغیر لطیف پیرایہ اظہار اور تمثیلی انداز۔

ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی وہ ایسی تعبیر کے حامی ہیں، جو ذرے ذرے میں جمال حقیقی سے روشناس کرواتی ہے۔ انسان کو تعصبات اور فخر و غرور سے بچاتی ہے۔ اسی رویے نے ان کی شاعری میں گہرائی اور گیرائی پیدا کی ہے اور فکر کو وسیع اور ہمہ گیر بنایا ہے۔ انہوں نے خارجی احوال و کوائف کی ترجمانی کے علاوہ من کی دنیا کی سیاحت بھی کی ہے۔ خارجی اور داخلی زندگی ان کی شاعری میں الگ الگ نہیں بل کہ باہم مربوط نظر آتی ہیں۔ ان کے مطابق جیتے جی مر جانا اور مر کر بھی جیتے رہنا ہی فقر ہے۔ عمل پر بہت زور دیتے ہیں کیوں کہ عمل کے بغیر کوئی بھی کام پورا نہیں ہوتا۔

مصلحت اندیشی اور مطابقت پذیری کبھی بھی ان کی ذات کا حصہ نہ بن سکی۔ ظاہر پسندی پر تنقید ہمہ وقت ان کی شاعری کا پسندیدہ جزو رہی۔ قوت مشاہدہ، قرآن و حدیث کی تعلیمات اور فقہ کے مطالعے کی بدولت ان کی شاعری کے سادہ الفاظ میں بھی گہرے معانی پائے

جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ فارسی کی کلاسیکی شعری روایات سے بھی بہ خوبی آگاہ تھے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ روحانی تجربوں سے گزر کر وہ بنی نوع انسان کو حقیقت مطلق تک رسائی کا راستہ بتا رہے ہیں۔

تصوف کے روایتی مضامین کی مثالیں:

صوفیہ کے نزدیک دنیاوی زندگی ایک مختصر عرصہ قیام ہے جس کے دوران انسان کو دو طرفہ جدجہد کرنی ہے۔ ایک طرف تو اسے دنیاوی معاش کے لیے ہاتھ پیر ہلانے ہیں اور دوسری طرف عمل ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنے ربط کی تجدید کرنی ہے۔ عملاً اس بات کا یقین حاصل کرنا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس صورت حال میں اگر وہ چوک گیا تو اس کی چار نفس عمر رائیگاں چلی جائے گی۔ اسی بات کو سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں:

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر　　جو کچھ کہ گزر گیا اسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو　　دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

تشریح: دنیا کی ہر چیز ایک ڈگر پر چل رہی ہے۔ نہ یہاں کوئی چیز اچھی ہے نہ بری ہے۔ ایک بات جو کسی کے لئے خوشی کا باعث ہے، وہی دوسرے کے لئے پریشانی اور اضمحلال کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ دنیا معانی اور مفہوم کی دنیا ہے۔ جو جیسے معانی پہنا دیتا ہے اس کے اوپر ویسے اثرات مرتّب ہو جاتے ہیں۔ پھر کیوں دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر وقت کو برباد کیا جائے۔ یہ جو دو چار سانس کی زندگی ہے اسے ضائع نہ کر۔ ہر بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ۔ پروردگارِ عالم فرماتے ہیں..... اور وہ لوگ جو راسخ فی العلم ہیں کہتے ہیں کہ ہر چیز ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

دنیا کا دھوکہ اور اپنی پہچان یعنی تصور خودی:

صوفیہ اس دنیا کو ایک دھوکہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں کیوں آیا ہے اس بات کو جان کر ہی انسان خالق کی مرضی و منشاء کو سمجھ سکتا ہے۔

اسی بات کو سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے۔

اک آن کی دنیا ہے فریبی دنیا　　اک آن میں ہے قید یہ ساری دنیا
اک آن ہی عاریت ملی ہے تجھ کو　　یہ بھی جو گزر گئی، تو گزری دنیا

تشریح: اس آدم کو دھوکہ دینے والی اور دھوکہ میں رکھنے والی دنیا محض ایک لمحہ ہے۔ یہ ساری دنیا ایک لمحہ کی زندگی میں قید ہے۔ اور اس ایک لمحاتی دنیا کے اصول کے مطابق اس آدم، اس بشر، اس آدمی، اس بندہ کو محض ایک گھڑی مستعار ملی ہے۔ اگر یہ زندگی بیکار محض باتوں میں گزر گئی تو ساری دنیا ہی گزر گئی۔ ہم نہ پیدا ہوئے، نہ جئے، نہ اُٹھے، نہ بیٹھے، نہ کچھ کیا، نہ کچھ سمجھا۔ گویا ایسے آئے

کہ آئے ہی نہ تھے۔ اس لئے اے بندے! جب تو اس دنیا میں آیا ہے تو کچھ کر گزر تا کہ قدرت نے تجھے جس مقصد کیلئے پیدا کیا ہے تو اس کو پورا کر دے ورنہ پچھتانا ہی پچھتانا مقدر بن جائے گا۔

تصور زمان و مکاں:

صوفیہ کے نزدیک یہ زندگی پابند زندگی ہے وہ زمان و مکان سے آزاد زندگی کا تصور پیش کرتے ہیں۔

اسی بات کو سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے۔

اک جرعہ مئے ناب ہے کیا پائے گا　　اتنی سی کمی سے کیا فرق آئے گا
ساقی مجھے اب مفت پلا کیا معلوم　　یہ سانس جو آگیا ہے پھر آئے گا

تشریح: پابند زندگی کی حقیقت شراب کے ایک گھونٹ کی ہے۔ مل گیا تو اور نہ بھی ملا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے تو معرفت کی وہ شراب چاہیئے جس کا ایک گھونٹ ٹائم اسپیس کی قید و بند سے آزاد کر دیتا ہے۔

عارفانہ موضوعات:

تصوف کی اصطلاح میں عارف وہ ہے جو اپنی اور دنیا کی حقیقت کو جانے اور غور و فکر کے نتیجہ میں عرفان ذات حاصل کرے۔ اسی لیے سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں مرکزیت بنی نوع انسان کے ساتھ ایک جداگانہ محبت، ایک لامتناہی تعلق کے طور پر نظر آتی ہے۔ ان کے شعروں میں اردو اور فارسی روایات بھی نظر آتی ہیں۔ جنہیں دنیاوی عشق کی وساطت سے عشق حقیقی پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ ان کی یہ شعری خصوصیت تخلیقی محاسن کے ساتھ وسعت کا موجب بنتی ہے۔ فطرت کی رنگینیاں اور حسی تجربوں کے بیان کی دولت سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری عارفانہ فکر کی حاصل ہے۔

تصور خودی:

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام یا فلسفہ حیات کیا ہے اگر چاہیں تو اس کے جواب میں ہم اسے "خودی" کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ یہی ان کی فکر و نظر کے جملہ مباث کا محور ہے۔ اس محور تک ان کی رساءی ذات و کائنات کے بارے میں بعض سوالوں کے جوابات کی جستجو میں انسان شروع سے سرگرداں رہا ہے۔ اس طرح کے سوالات جن سے انسان کے وجود کا اثبات ہوتا ہے۔ اردو شاعری میں ان سے پہلے غالب نے بھی اُٹھائے تھے۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود　　پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں　　ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

لیکن سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے سوالات و جوابات کی نوعیت اس سلسلے میں غالب سے بہت مختلف ہے، یہ غالب نے "عالم تمام حلقہ دام خیال ہے""" اور ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔" کے عقیدے سے قطع نظر کر کے، وجدانی طور پر ایک لمحے کے لیے محسوس کیا ہے

اسے بیان کر دیا ہے۔ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سوالوں کے جواب میں دلائل و برہان کے مفرو پیغامبر ہیں۔ اس فلسفے میں خدا بینی و خود بینی لازم و ملزوم ہیں۔ خود بینی میں سے خارج نہیں بل کہ معاون ہے۔ خودی کا احساس ذات خداوندی کا ادراک اور ذاتِ خداوندی کا ادراک خودی کے احساس کا ثبات و اقرار ہے خدا کو دیکھنے کے لیے خود کو قاش تر دیکھنا از بس ضروری ہے۔ اگر خواہی خدا را فاش دیدن خودی را فاش تر دیدن بیاموز۔

آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بیکار　　اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزہ کو اٹھانے کے لیے　　یہ ساعد سیمیں سے بناتا ہے کمہار

تشریح: آدم کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے رنگا رنگ روشنیاں بھر دی ہیں۔ اس خاک کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی صناعی کے ہزاروں جلوے پنہاں ہیں۔ بظاہر یہ تخلیق مٹی (روحانیت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مظہر ہے جس میں تخلیقی فارمولے برسرِ عمل ہیں اور ردوبدل ہو کر مختلف تخلیقات کا روپ اختیار کرتے ہیں) سے مرکب نظر آتی ہیں لیکن اس کے پس پردہ جو روشنیاں اور فارمولے کام کر رہے ہیں وہ احسنِ تقویم کا مظہر ہیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آدم اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ وہ خود کو نہیں جانتا۔ اگر وہ خود کو جان لے، دیکھ لے تو اللہ تعالیٰ کی صفت ربانیت کو پہچاننا بالکل آسان ہے۔
یہ رُباعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان من عرف نفسہٖ فقد عرف ربہ کی تشریح ہے۔
اسی بات کو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں۔ ترجمہ: اور خود تمہاری جانوں میں (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے۔
سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو یوں بھی بیان کی اہے۔

اک جرعہ مئے ناب ہے ہر دم میرا　　اک جرعہ مئے ناب ہے عالم میرا
مستی و قلندری و گمراہی کیا　　اک جرعہ مئے ناب ہے محرم میرا

تشریح: بندہ کہتا ہے کہ میرا ہر سانس خالص شراب کے ایک گھونٹ کی مانند ہے اور زیادہ گہرائی میں سوچوں تو میری ساری دنیا ہی خالص شراب کا ایک گھونٹ نظر آنے لگتی ہے۔ جب میری حد اور حدود ایسی ہوں تو میری مستی و قلندری یا گمراہی کا وجود ناوجود بن جاتا ہے۔ شراب کا یہی گھونٹ میری زندگی میں پنہاں اسرار کو میرے اوپر منکشف کرتا ہے چاہے اسے مستی و قلندری میں گزار لوں اور چاہے تو اسے گمراہی میں ضائع کر دوں۔
سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ عارفانہ رنگ میں خالق کو جاننے کا ایک انداز یوں بھی پیش کرتے ہیں، جس کے پس منظر میں اس روز ازل کو خالق اور مخلوق کی پہلی ملاقات کی کہانی بھی ہے:

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا　　اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا

گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ　　میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

تشریح: اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ ایک لفظ میں ساری کائنات کو سمو دیا ہے۔ اس لفظ میں اربوں، کھربوں بلکہ ان گنت عالم بند ہیں۔ یہ لفظ جب عکس ریز ہو جاتا ہے تو کہیں عالمِ ملکوت و جبرت آباد ہو جاتے ہیں اور کہیں کہکشانی نظام اور سیارے مظہر بن جاتے ہیں۔

کتنا برجستہ راز ہے یہ کہ لفظ ہر آن اور ہر لمحہ نئی صورت میں جلوہ فگن ہو رہا ہے۔ اس ایک ہی لفظ کی ضیاپاشیوں کو کبھی ہم بقا کہتے ہیں اور کبھی فنا کا نام دے دیتے ہیں۔ اے عظیم! اس کی عظمت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس نے "کن" کہہ کر ایک ذرہ بے مقدار پر اتنے عکس ڈال دیئے ہیں کہ میں پیمانہ بن گیا ہوں ایسا پیمانہ جس کے ذریعے دوسرے ذرات (مخلوق) وہ نشہ اور شیفتگی حاصل کر سکتے ہیں جس سے پیمانہ خود سرشار اور وحدت کی شراب میں مست و بے خود ہے۔

اقدار

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صوفیانہ شاعری میں نہ صرف معاشرتی اقدار کی بات کی ہے بل کہ جہاں ضروری سمجھا قدروں کے رد میں بھی بات کی۔ ایک جگہ ذات پات کے رد میں بیان کرتے ہیں۔

کہتی ہے یہ مٹی بھی بہت سی باتیں　　باتوں میں گزر گئی ہیں اکثر راتیں
مٹی کے یہ ذرات بھی انسان تھے　　تھیں کبھی ان کی شیخ و برہمن کی ذاتیں

نوع انسانی در اصل اجتماعی شعور سے مرکب ہے، جب ہمارے اندر اجتماعی شعور نکل گیا تو ہما نفرادی شعور میں قید ہو گئے اور ہم شیخ و برہمن بن گئے ہم نے جب سے حقائق پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے تو وہ انفرادی ہو گیا۔ یہ ساری ذات برادریاں انفرادی شعور کے تحت خود ،خود غرضی کے دائرے میں گردش کر رہی ہے، اصل بات یہ ہے کہ جب سڑی ہوئی مٹی کے پتلے میں ایک برہمن بھی پاخانہ پیشاب کرنے پر بھی مجبور ہے، اور شیخ صاحب بھی بول و براز کی پابندیوں سے آزاد نہیں ہیں، فقیر بھی خوش نما پردے میں چھپی ہوئی سڑی ہوئی چیزیں کھاتا ہے اور بادشاہ بھی اپنے پیٹ میں سرانڈ لیے پھرتا ہے۔ مٹی کا بنایا ہوا انسان جب مٹی سے باتیں کرنے کے لائق ہو جاتا ہے تو اسپر یہ عقدہ کشائی ہوتی ہے کہ یہ ذات اور برادریاں انسان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں۔ اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو اللہ سے واقف ہے، اور جب کوئی بندہ اللہ سے واقف ہو جاتا ہے تو اشیائے کائنات کے رموز اس کے اوپر آشکارا ہو جاتے ہیں۔

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پیغام قرآں کا پیغام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

سماجی ثقافتی آثار

دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان کا سماج ثقافت اور دنیاوی خواہشات کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہی انسان اقتدار اور زر کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہے لیکن ایک صوفی کے ہاں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔
سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رباعیات میں سماج کے اس رویے پر اس انداز میں گہر ضرب لگائی۔

انسان کا غرور اقتدار و زر ہے — گر یہ بھی نہیں تو مذہب و ممبر ہے
دیکھا جو اسے بعد فنا ہونے کے — معلوم ہوا یہ خاک مٹھی بھر ہے

تشریح! کتنی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے سامان دنیا اپنے گرد اکٹھا کیا، ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے نام بھی فراموش کر دیئے۔ جہاں تک دولت کے انبار جمع کرنے سے عزت و توقیر کے حصول کا تعلق ہے، یہ ایک خود فریبی ہے۔ ایسی خود فریبی جس سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ فراعین مصر کے محلات، قارون کے خزانے ہمیں بتا رہے ہیں کہ دولت نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ آج ترقی یافتہ اقوام اس لیے عذاب میں مبتلا ہیں کہ ترقی کے پیچھے ان کے محدود مفادات ہیں۔ ہر ترقی مال و زر جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس نے ذاتی منفعت کے لیے خوبصورت دنیا کو بدہیئت بنا دیا ہے۔ جگ مگ کرتے ستاروں کی سہانی راتوں کو دھندلا دیا۔ پر خمار اور سحر انگیز نسیم صبح میں ایٹمی ایندھن کا زہر گھول دیا ہے۔ یہ وہ عروج یافتہ قوم ہے جس نے پھولوں کی مسکراہٹ چھین لی۔ اب پرندوں کی روح پرور چہچہاہٹ ایک نغمۂ دل سوز بن کر رہ گئی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کو عدم تحفظ کے عمیق غار میں دھکیل دیا ہے۔ عدم تحفظ کی حالت میں سسکتی ہوئی انسانیت کے لیے چاندنی کا حسن اور دھوپ کی خوب صورتی ماند پڑ گئی ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ ایٹمی تجربات، ڈیزل و پٹرول کے بخارات اور جیٹ طیاروں کے آتشی فضلات نے فضا کو کچھ اس طرح زہر آلود کر دیا ہے کہ انسان کے اندر جانے والا ہر سانس زہر ناک بن گیا ہے۔ اور اس زہر ناکی نے انسان کو زیر و زبر کر دیا ہے۔ اعصاب ٹوٹ گئے ہیں، ذہن بکھر گیا ہے۔ دل ہے کہ ہر لمحہ ڈوب جانے کو بضد ہے۔ ترقی کے پر فریب پردوں میں سسکتی ہوئی، تڑپتی اور روتی ہوئی قوم نے عافیت اس میں سمجھی کہ عدم تحفظ کے خوف ناک عفریت سے فرار اختیار کیا جائے، لیکن اس سے فرار میں بھی انہیں لالچی اور خود غرض جینیس ذہن نے شکار کی طرح دبوچ لیا اور اس عہد کے ترقی یافتہ انسان نے عدم تحفظ کے احساس سے فرار حاصل کرنے کے لیے ہیروئن، ایل ایس ڈی، راکٹ، چرس، مینڈرکس جیسی چیزیں ایجاد کر لیں اور عام آدمی ایک الجھن سے نکلنے کے لیے دوسری ہزاروں الجھنوں میں مبتلا ہو گیا۔ جب کہ مسلمان اس لیے ذلیل و خوار ہے کہ ان کا بھی کوئی عمل کاروباری تقاضوں سے باہر نہیں ہے۔ ان کے نزدیک پستی سے مراد صرف یہ ہے کہ آدمی نماز روزے سے غافل رہے اور عروج یہ ہے کہ آدم زاد ثواب کی گٹھریاں باندھتا رہے۔ باوجود یہ کہ اربوں، کھربوں، سینکڑوں نیکیوں کے انبار ان کے پاس موجود ہیں، لیکن وہ روشنی میسر نہیں ہے جو روشنی مسرت و شادمانی بن کر لہر کی طرح خون میں دوڑتی ہے، جس بندہ کے پاس نیکیوں کا جتنا بڑا ذخیرہ موجود ہوتا ہے، دیکھا یہ گیا ہے کہ وہی سکون سے اتنا ہی دور ہے، ایک خشکی ہے جو آکاس بیل کی طرح اس کے وجود کو چمٹ گئی ہے۔ قنوطیت ہے کہ جس نے ہشت پا کی طرح انہیں دبوچ رکھا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ بندہ اپنی

پوری توانائیوں کے ساتھ، اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اور اپنی دانائی کے ساتھ فتنوں سے قریب ہونا اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے۔
یادرکھیے کہ! ہر وہ چیز جو عارضی ہے حقیقت نہیں ہوتی اور جو چیز حقیقی نہیں ہے وہ حق سے قربت حاصل نہیں کر سکتی۔

تاریخ کے موضوعات۔

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں تاریخ کے موضوعات بھی ہیں۔ایک رباعی میں فرعون کا ذکر یوں ہے:

اہرام فراعین کا مدفن ہیں آج سیاحوں سے تحسین کا لیتے ہیں خراج
رفتارِ زمین کی ٹھوکریں کھا کھا کر مل جائے گا کل تک ان کا مٹی میں مزاج

تشریح! نوع انسانی کی بڑی اکثریت شداد، نمرود اور فراعین کی تاریخ سے واقف ہے۔سوچنا یہ ہے کہ شداد کی جنت اور نمرود کی ایجادات کہاں ہیں؟فراعین مصر کے اہرام تو ابھی تک نوحہ کناں ہیں کہ ہمارے خداؤں کی میوزیم میں جگہ جگہ ٹکٹ لگا کر تذلیل کی جارہی ہے۔بادشاہ نہیں ہوئے بندر کا تماشہ بن گئے۔سکندر و دارا، شداد و نمرود، فراعین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی ہیبت و بربریت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرز جاتے تھے، وہ جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاج دار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے، خود کو آقا اور اللہ کی مخلوق کو غلام سمجھتے تھے، معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج کہاں ہیں۔۔۔۔؟ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی طوفان بن کر دنیا کے لیے مصیبت بن گئی تھی مٹی نے نگل لیا۔یہ بڑے بڑے محلات اور کھنڈرات جو آج اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہا رہے ہیں بالآخر ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

تاریخ کے اسی موضوع کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: تو آج ہم تیرے بدن کو نکالیں گے تاکہ تو بعد کے لوگوں کے لیے عبرت ہو۔

تہذیبی موضوعات۔

انسانی تہذیب نے پتھر کے زمانہ سے آج تک جو انداز اپنایا ہے۔اسے یوں لکھا ہے۔

پتھر کا زمانہ بھی ہے پتھر میں اسیر پتھر میں ہے اس دور کی زندہ تصویر
پتھر کے زمانے میں جو انساں تھا عظیمؔ وہ بھی تھا ہماری ہی طرح کا دل گیر

انسانی تاریخ کے تمام ادوار بشمول ماضی اور مستقبل لوح محفوظ پر نقش ہیں۔کائنات کا ہر ذرہ اسی نقش کی تفصیلی تصویر ہے۔ہر ذرے کے وجود کی گہرائی میں اس نقش کا سراغ ملتا ہے۔اسی طرح پتھر کے زمانے کی ساری فلم موجود ہے۔یہ فلم پتھر کے اندر جھانکنے سے نظر آتی ہے۔اسی ریکارڈیا فلم کا مشاہدہ کر کے روحانی آدمی ماضی اور مستقبل کے تمام واقعات سے مطلع ہو جاتا ہے۔ایک جگہ یوں لکھتے ہیں کہ:

جو شاہ کئی ملک سے لیتے تھے خراج معلوم نہیں کہاں ہیں اُن کے سَر و تاج
البتہ یہ افواہ ہے عالم میں عظیم اب تک ہیں غبارِ زَرد اُن کی افواج

سکندر و دارا، شداد و نمرود، فراعین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی ہیبت وبربریت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرز جاتے تھے، وہ جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاج دار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے، خود کو آقا اور اللہ کی مخلوق کو غلام سمجھتے تھے، معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج کہاں ہیں۔۔۔۔؟ ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی طوفان بن کر دنیا کے لیے مصیبت بن گئی تھی مٹی نے نگل لیا۔ یہ بڑے بڑے محلات اور کھنڈرات جو آج اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہارہے ہیں بالآخر ان کا نام ونشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

تلمیحات واشارات:

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں تاریخی تلمیحات اور اشارات بھی ہیں۔

ایک رباعی میں لکھتے ہیں۔

ماتھے پہ عیاں تھی روشنی کے محراب رخسار ولب جن کے تھے گوہر نایاب
مٹی نے انہیں بدل دیا مٹی میں کتنے ہوئے دفن آفتاب وماہتاب

تشریح ! جن لوگوں کی پیشانی روشن تھی اور ماتھے پر سجدوں کا نشان تھا اور ان کے چہرے چمک دمک سے معمور تھے۔ جب انہیں مٹی میں دفن کیا گیا تو مٹی نے انہیں بھی مٹی ہی بنادیا۔ کیسے کیسے چاند اور سورج اس زمین میں دفن ہو چکے ہیں۔ ہم ان کا شمار بھی نہیں کرسکتے ۔ چند دنوں کی اس عارضی دنیا میں آدمی زمین پر کبر و نخوت کی تصویر بنا پھرتا ہے۔ بالآخر اسے بھی موت مٹی کے ذروں میں تبدیل کردے گی اور مٹی کے یہ ذرے پیروں میں روندے جائیں گے۔

اسی طرح اس رباعی میں لکھتے ہیں۔

اہرام فراعین کا مدفن ہیں آج سیاحوں سے تحسین کا لیتے ہیں خراج
رفتارِ زمین کی ٹھوکریں کھا کھا کر مل جائے گا کل تک ان کا مٹی میں مزاج

تشریح ! سکندر و دارا، شداد و نمرود، فراعین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی ہیبت وبربریت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرز جاتے تھے، وہ جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاج دار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے، خود کو آقا اور اللہ کی مخلوق کو غلام سمجھتے تھے، معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج کہاں ہیں۔۔۔۔؟ ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی طوفان بن کر دنیا کے لیے مصیبت بن گئی تھی مٹی نے نگل لیا۔ یہ بڑے بڑے محلات اور کھنڈرات جو آج اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہارہے ہیں بالآخر ان کا نام ونشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

واقعہ کربلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اب دیکھنا کیا ہے کربلا کے اندر　　سب دیکھ لیا جو تھا بقا کے اندر
افلاک سے ہوتی ہیں بلائیں نازل　　شاید کوئی دنیا ہو فضا کے اندر

تشریح:　اس رباعی میں حضور باباؒ نے خیر و شر یا جزا و سزا کی بنیاد پر دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اول کربلا کی دنیا یعنی بظاہر فنا ہو کر نقش دوام حاصل کرنے والی بقا کی دنیا اور دوسری بظاہر باقی نظر آنے والی مگر ہر بلا اور اذیت میں گرفتا فنا کی دنیا، کربلا اس عظیم الشان امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ بقا کا راستہ ہمت و استقلال کے ساتھ حق و صداقت کی خاطر عدیم المثال قربانی و ایثار کی منزل سے گزر کر ہی ملتا ہے اور جو قوم یا فرد اس منزل سے نہ گزرے اور کم ہمتی اور انجام کے خوف کی بنا پر عیش دو روزہ کو نشاط دوام سمجھنے کی فریبی میں مبتلا ہو کر راہ فرار اختیار اسے بقا کا مقام حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ جو قوم کربلا کی آزمائش سے جتنی دور ہے وہ فنا اور تباہی سے اتنی قریب ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ بقا کا راز کربلا کے پس منظر اور مابعد آثار و حوادث پر غور فکر کرنے ہی سے آشکار ہو سکتا ہے، جس نے اس راز کو پالیا اس نے گویا بقا راستہ تلاش کر لیا۔

اب رباعی کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہے کہ جو معاشرہ ایثار و قربانی کے جذبے سے عاری ہے اور جسے حیات دوام کے رنگین خواب نے جکڑ رکھا ہے، فنا سے ہر لمحہ قریب تر ہوتا جا رہا ہے، ہماری مادی دنیا میں ہر آن اور ہر ممکن قدرت کو تلپٹ کر دیا جائے، یہی آسمان سے بلاؤں نازل ہونے اور دنیا کے یک لخت مٹ کر فنا ہو جانے کی علامت بلکہ دعوت ہے، جب تک موجود ذہنی اور علمی کیفیات باقی رہیں گی یا ان کو بصد اصرار باقی رکھنے کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔

"اس بافراغت اور روشن دنیا" کی فضا میں بلا اور فنا کی نظر نہ آنے والی تلوار لٹکتی رہے گی۔

"کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں آزمائش کی سختیوں سے نہیں گزرنا پڑے گا۔" (آیات قرآنی کا مفہوم)[1]

مذہب:

مذہب کے ظاہری معاملات بھی ان کی شاعری کا موضوع رہے ہی۔

اسلامی مہینے رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرمایا۔

رمضان المبارک کی ہی ایک بابرکت شب آسمانِ دنیا پر پورے قرآن کا نزول ہوا لہٰذا اس رات کو اللہ رب العزت نے تمام راتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں نازل ہو رہی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ ماہ مقدس نیکیوں کی موسلا دھار بارش برساتا ہے اور ہر مسلامان زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رمضان کا مہینہ باقی مہینوں کا سردار ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جن کی زندگی میں یہ مہینہ آیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرنے میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر رہے ہیں ۔ایک رباعی میں رمضان کے حقیقی مقاصد کو بیان کیا ہے۔

ساقی ترے میکدے میں اتنی بیداد　　روزوں میں ہوا سارا مہینہ برباد
اس باب میں ہے پیر مغاں کا ارشاد　　گر بادہ نہ ہاتھ آئے تو آتی ہے باد

تشریح: اے خدا! تیرے میکدے میں یہ کیسی بیداد ہے کہ سارے مہینے روزے رکھنے کے بعد بھی ہمیں معرفت کی شراب نہیں ملی جبکہ خود تیرا فرمان ہے کہ روزے کی جزا میں خود ہوں۔ جب اس مہینے میں بھی تیرا دیدار نصیب نہیں ہوا تو سارے سال مصیبتوں کی آندھیاں میرا مقدر بن جائیں گی۔

اس بارے میں ایک رباعی میں لکھتے ہیں:

ساقی ہے شب برات پانے کی رات　　یہ رات ہے سوتوں کو جگانے کی رات
جو مانگے گا سائل وہ ملے گا بے شک　　یہ رات تو ہے خاص پلانے کی رات

تقدیر کے بارے میں یوں بیان کیا ہے۔

نوان مشیت کہیں ٹل سکتا ہے　　تو لوح کی تحریر بدل سکتا ہے
استاد قلم نے لکھ دیا جو لکھا　　کیا اسے خلاف بھی کوئی چل سکتا ہے

تشریح! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی مقام ہے قلم لکھ کر خشک ہو گیا، اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں ہر چیز لکھ دی گئی ہے، اے انسان تو اپنی زندگی پر غور کر اگر تھ سے پوچھا جاتا کہ تجھے کہاں پیدا کیا جائے؟ تو یہی چاہتا کہ تو کسی بادشاہ کا ولی عہد بنے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ پیدائش کا معاملہ در دست اللہ احکم الحاکمین کا اپنا فیصلہ ہے، جہاں اللہ چاہتا ہے انسان وہیں پیدا ہوتا ہے، غیرب کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اللہ چاہے تو بادشاہ بن جاتا تا ہے، اور بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ بھکاری بن جاتا ہے، یہ جو ذات برادریاں غرور و تکبر سے معمور لوگوں نے بنالی ہیں۔ اس کا تعلق پیدائش سے نہیں ہے، جب اللہ کی طرف سے کسی سائل کو وسائل مل جاتے ہیں تو وہ کبر و نخوت کے بڑے بڑے بت زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے اور ہم نے جو قبیلے بنائے ہیں وہ اس لیے بنائے ہیں تا کہ تم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو، اور اللہ کے نزدیک وہی لوگ صاحب عزت ہیں جنہوں نے تقوی اختیار کیا ہے، متقی کی تعریف اللہ تعالی یہ بیان کرتے ہیں کہ متقی لوگ غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں، یعنی غیب کو دیکھتے ہیں، متقی لوگ وہ ہیں جن کا اللہ سے رابطہ قائم ہوتا ہے، جب وہ رکوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہم اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں جب وہ سجدہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہم اللہ احکم الحاکمین کو سجدہ کر رہے ہیں وہ اپنے مال میں سے خرچ کرتے ہیں، انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے ہم جو کچھ خرچ کر رہے ہیں، وہ اللہ کا دیا ہوا اس دنیا میں کوئی شے ہماری ملکیت نہیں ہے، وہ اللہ کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں یقین ان کی راہنمائی کرتا ہے کہ زمین جس پر ہم چلتے ہیں وہ ہماری ملکیت نہیں ہے، ملکیت اللہ کی ہے ہم خرید و فروخت میں لگے ہوتے ہیں۔ جس پانی سے زمین سیر اب ہوتی ہے، اور جو پانی رس دار پھل بن جاتا ہے، اور جو پانی پھول میں

مہک بھر دیتا ہے، اور جو پانی ہماری زندگی میں نشو و نما کا باعث بنتا ہے، اس کی تخلیق میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہے، یہ سب ہمارے اوپر اللہ کا انعام ہے، جو اللہ نے ہمیں مفت فراہم کیا ہے۔

عنوان مشیت یہ ہے کہ جو اللہ تعالی نے بنا دیا بن گیا۔ جو اللہ تعالی نے چاہا وہ ہو گیا، اللہ جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت دے، اللہ جس کو چاہے ملک دے، جس سے چاہے ملک چھین لے، اللہ کے قانون کے نزدیک بڑائی صرف اسے زیب دیتی ہے جو اللہ کے احکامات کے تحت دئے ہوئے اختیارات کو صحیح طریقے پر استعمال کرتا ہے، لوح محفوظ میں یہ قانون لکھ دیا گیا ہے کہ عمل خیر کا ایک ذرہ ضائع نہیں ہو گا، اس کا اجر دیا جائے گا، اور عمل شر کا ایک ذرہ ضائع نہیں ہو گا اس کی سزا ہے۔ اللہ تعالی نے جو کچھ لکھ دیا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا، لیکن اللہ قادر مطلق ہے، وہ اپنے مقرب بندوں کی دعائیں سنتے ہیں ان کی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ تعالی نے انسان کے لیے بڑی بڑی تبدیلیاں کر دیتے ہیں۔

تزکیہ نفس

عربی زبان میں تزکیہ کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ کسی شے کو صاف ستھرا بنایا جانا۔ اصطلاح میں تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو غلط رجحانات، میلانات اور اعمال سے ہٹا کر نیکی اور خدا ترسی کی راہ پر ڈالا جائے۔

اس تعریف کی رو سے تزکیہ نفس کی مہم قدرتی طور پر دو حصوں مین بٹ جاتی ہے۔

(الف)۔ اپنا محاسبہ کرنا کہ ہم مین کیا کیا برائیاں ہیں اور پھر انہیں دور کرنے کی کوشش کرنا۔

(ب)۔ اپنا محاسبہ کرنا کہ ہم میں کیا کیا اچھائیاں نہیں ہیں اور پھر انہیں اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔

اب یہ کام مکمل ترک دنیا سے تو ہو نہیں سکتا گویا کہ دنای میں رہتے ہوئے اپنا محاسبہ بھی کرنا اور دنیا کے لیے کوشش بھی کرنا۔

اسی بات کو سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھا ہے۔

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر — جو کچھ کہ گزر گیا ہے اسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو — دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

تشریح! دنیاوی زندگی ایک مختصر عرصہ قیام ہے، جس کے دوران انسان دو طرفہ جدوجہد کرنی ہے، ایک طرف تو اسے دنیاوی معاش کے لیے ہاتھ پیر ہلانے ہیں، دوسری طرف عمل ہی کے ذریعے اللہ تعالی سے اپنے ربط کی تجدید کرنی ہے، عملا اس بات کا یقین حاصل کرنا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اس کے علاوہ ہر حال میں شکر گزار بندہ بننے کی عادت ڈالنی ہے، جب کہ دنیاوی عوامل ہر طرح سے اس کا ذہن اس طرف سے ہٹانے میں لگے ہوئے ہیں، اس صورت حال میں اگر وہ چوک گیا اور ماضی کی حسرتوں کے نوحے میں مصروف ہو گیا اور تمناؤں کی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ گیا تو مارا جائے گا اور اس کی چار نفس کی زندگی رائگاں چلی جائے گی۔

حضرت عمرؓ سے ایک مرتبہ دریافت کی گیا کہ تزکیہ کیا ہے؟

آپؒ نے کہا کہ کبھی تم کسی ایسی پگڈنڈی سے گزرے ہو جہاں راستہ ہو چھوٹا سا چوڑا اور دائیں بائیں خاردار جھاڑیاں ہوں۔ آپؒ نے پوچھا کہ تمہیں اس راستے پہ چلنا ہو تو ان کانٹوں سے بچنے کے لیے کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ لباس کو ہم کبھی ادھر سے سمیٹتے ہیں اور کبھی ادھر سے سمیٹتے ہیں۔ ان کانٹوں سے بچتے ہوئے اس راستے کو طے کرتے ہیں۔ آپؒ نے کہا کہ جو اس طرح راستے کی خاردار جھاڑیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہوا سفر کرے اُسے متقی کہا جاتا ہے۔

فطرت پسندی

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے ایک صاحب جمال شخصیت ہیں اسی طرح ان کی شاعری بھی فنی اور فکری دونوں پہلوؤں میں پُر جمال ہے۔ ان کا شعری جمال ابھی تک رباعی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیات مجموعی طور پر مظاہر فطرت کے ساتھ جمالیاتی رابطے کا اظہار ہیں اور اس جمالیاتی رابطے کے اظہار میں بھی ان کی جلالی کیفیات سے زیادہ جمالی کیفیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مگر اس میں بھی وہ حقیقت پسندی پر قائم رہتے ہیں۔ مظاہر فطرت کے ساتھ اپنی تمام تر دل بستگی کے باوجود وہ انسانیت کی بقا اور ارتقا کے معاملات سے بے پروا نہیں ہوئے بل کہ یہی بقا اور ارتقا ان کا مرکزی مسئلہ ہے۔

مظاہر فطرت سے متعلق ان کی، رباعیات تین طرح کی ہیں۔ ان میں ایک تو وہ رباعیات ہیں جن میں تقریباً ساری تمثالیں مظاہر فطرت کی ہیں اور یہ لگتا ہے کہ یہ مظاہر فطرت ہی ان کا اصل موضوع ہیں اور ان میں ان تمثالوں کی حیثیت علامتی و استعاراتی ہے۔ جن کے ذریعے انفرادی یا اجتماعی انسانی احوال و اقدار کی ترجمانی ہوئی ہے۔

جیسا کہ رباعی جس میں تمثالیں مکمل طور پر مظاہر فطرت سے لی گئی ہیں۔

ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند — سبزہ و صنوبر ہو کہ ہو سرو بلند
انسان کی مٹی کے ہر اک ذرہ سے — جب ملتا ہے موقع تو نکلتے ہیں پر ند

تشریح! یہ سبزہ زار، ہری ہری گھاس، صنوبر کا درخت ہو، کہ سرو بلند، سب کی پیدائش سب کی نمو مٹی سے قائم ہے اے انسان! کبھی تو نے سوچا ہے کہ مٹی کے کون سے ذرات ہیں جن سے یہ سرو و سمن، کوہ و دمن، چرند پرند نشو و نما پا رہے ہیں۔ انسان کو جب مٹی میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے اور احسن تقویم کے ذرات سے کبھی درخت اگ آتے ہیں۔ کبھی یہ ذرات ہری بھری گھاس میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی ان ذرات کے یکجا ہونے سے پرندے تشکیل پاتے ہیں اور اس جیتی جاگتی دنیا میں اڑان شروع کر دیتے ہیں۔

یہ کیسی حرماں نصیبی ہے کہ انسان کی مٹی کے ذرات سے تشکیل پانے والے پرندے تو فضاؤں میں اڑتے ہیں اور انسان بے بسی سے انہیں دیکھتا ہے اور دو گز بھی زمین سے اوپر نہیں اڑ سکتا۔

دوسری رباعیات وہ ہیں جن میں فطرت کے کسی ایک مظہر یا ایک سے زیادہ مظاہر ہی کو اصل موضوع بنایا گیا ہے اور انہی کی کسی کیفیت یا اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ رباعی:

جب تک کہ ہے چاندنی میں ٹھنڈک کی لکیر　　جب تک کہ لکیر میں ہے خم کی تصویر
جب تک کہ شبِ مہ کا ورق ہے روشن　　ساقی نے کیا ہے مجھے ساغر میں اسیر

تشریح: حضور بابا صاحبؒ چاند کو خُم سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ جس طرح خُم میں شراب بھری ہوئی ہوتی ہے اسی طرح چاند میں ٹھنڈی اور مسحور کُن چاندنی بھری ہوئی ہے۔ اور یہ مسحور کن روپہلی چاندنی دراصل وہ روشنی ہے جس سے زمین کا ذرّہ ذرّہ نمو وحیات پا رہا ہے۔ جب تک نمو وحیات کا سلسلہ جاری ہے، کائنات منور اور روشن ہے اور جب روشنی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو خُم رہے گا، نہ شراب، نہ چاند رہے گا نہ چاندنی۔ اگر کوئی چیز باقی رہے گی تو وہ ساقی کی ذات والی صفات ہے۔

فن حسی تمثالوں میں جمالیاتی قدر کی تخلیق ہے شاعری فن کا وہ شعبہ ہے جس کی تخصیص الفاظ کے ذریعے غنائی حسی تمثالوں میں جمالیاتی قدر کی تخلیق ہے۔ لہذا کسی شاعر کی شاعری کے مطالعے میں یہ غنائی حسی تمثالیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور ان تمثالوں کا متعدد حوالوں سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

اسی طرح اسی رباعی کا دوبارہ جائزہ لیتے ہوئے اس رباعی کی دوبارہ تشریح میں خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"چاند کی چاندنی، دنیا کی جگ مگ کرتی رونق ہے۔ ازل میں پُر رونق اور گہما گہمی کا جو پروگرام بن گیا ہے دنیا اس پروگرام کے مطابق چل رہی ہے اس رونق میں کشش اور خمار بھی ہے۔ کشش اور خمار اپنی پوری چمک دمک اور تابانی کے ساتھ موجود ہے اور آدم زاد چمک دمک کے اس عارضی خول میں قید ہے۔ آدمی جس کو زندگی کہتا ہے یہ دراصل اس کے اپنے مفروضہ حواس کی ایک جیل ہے۔ اس جیل سے نکلنے اور آزاد ہونے کا ایک ہی راستہ ہے کہ آدم زاد یہ سمجھ لے کہ یہ دنیا ایک بڑا قید خانہ ہے جیسے ہی یہ راز کھل جاتا ہے کہ دنیا قید خانہ ہے وہ سزا کی صعوبتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ چکا چوند سے ماورا حقیقی دنیا کا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔

تیسری رباعیات وہ ہیں جن میں مظاہر فطرت کی تمثالیں اپنی نوعی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے انسانی احوال واقدار کے ساتھ کسی نہ کسی تعلق سے آئی ہیں۔ یہ تعلق پس منظر کا بھی ہے، اشتراک کا بھی۔ دوسری قسم کی رباعیات کے مقابلے میں تیسری قسم کی رباعیات کی تعداد زیادہ ہے۔

مثال کے طور پر یہ رباعی پیش ہے۔

مٹی سے گلاب و یاسمین بنتے ہیں　　انسان بھی اسی مٹی سے بالیقیں بنتے ہیں
مٹی تو ہے یہ مگر اسی مٹی سے　　کتنے رخ و زلف نازنین بنتے ہیں

تشریح ! زمین کے اوپر بظاہر ہر چیز مٹی تخلیق ہو رہی ہے، گلاب و یاسمین بھی مٹی سے نکل رہے ہیں، اور انسان بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ سینکڑوں حسیناؤں کے دل فریب پیکر بھی اسی مٹی سے ڈھالے جا رہے ہیں، لیکن تخلیق کی اصل طرز وہ ہے جو مٹی کی گہرائی میں کارفرما ہے اور مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھال رہی ہے، اور مٹی کو نسمہ (روح) سے وابستہ کر رہی ہے، اور تخلیق کی یہ طرز خدا کی بنائی ہوئی مشیت کے تحت کام کر رہی ہے، یہ تخلیقی روشنی ہے جسے تصوف میں یک رنگ روشنی اور قران میں ماء (پانی) کہتے ہیں۔ یہ دراصل وہ چیز

ہے جو مٹی کے پیکر میں جان ڈال رہی ہے، اور مردہ زمین کو "سیر اب" کر رہی ہے، ایک عارف جب ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو خدا کی قدرت کا برملا اعتراف کرتا ہے کہ خدا نے ایک ہی مٹی سے کتنی رنگا رنگ چیزیں پیدا کر کے دنیا میں پھیلا دی ہیں۔

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ انسانیت کے ساتھ فطرت کے بھی شاعر ہیں۔ اردو میں فطرت کی شاعری کا جدید رجحان نیچر لزم کے زیر اثر شروع ہوا اور پھر رومانیت کے ہم راہ پھیلا۔ اس کا یہ پھیلاؤ قیام پاکستان تک جاری رہا اور اس کے بعد رفتہ رفتہ سکڑتا چلا گیا۔ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ان شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی دل بستگی کے ساتھ ان رجحانات کا تسلسل بحال رکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں مظاہر فطرت کی مثالیں علامتی و استعاراتی نوعیت کے علاوہ یا تو نوعی حیثیت سے یا پھر انسانی احوال و اقدار کے ساتھ کسی نہ کسی تعلق سے آتی ہیں اور انہوں نے اپنے صوفیانہ مزاج کے باوجود بالعموم انہیں کسی صوفیانہ تصور کا ترجمان نہیں بنایا۔

رباعیات قلندر بابا رحمۃ اللہ علیہ کا فنی مطالعہ

رباعی عربی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی چار چار کے ہیں۔[۳۱]

رباعی شاعرانہ اصطلاح میں اس صنعت کا نام ہے۔ جس کے چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے۔ پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ لانا لازمی ہے۔ تیسرے مصرعے میں اگر قافیہ لایا جائے تو کوئی عیب نہیں۔ رباعی کے موضوعات کا کوئی تعین نہیں، اردو فارسی کے شعراء نے ہر قسم کے خیال کو نظم کیا ہے۔

رباعی کے آخری دو مصرعوں بالخصوص چوتھے مصرعے پر پوری رباعی کے حسن و اثر کا دارومدار ہے۔ رباعی کا ابتدائی نام ترانہ ہے۔ قدر بلگرامی بہ حوالہ میزبان الافکار و خزانہ عامر و لفظ ترانہ کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ شمس الدین محمد قیس رازی کے حوالے سے صاحب بحر الفصاحت لکھتے ہیں کہ ترانہ اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ ارباب موسیقی نے قزن پر اچھے اچھے راگ بنائے ہیں۔ عربی میں ایسے اشعار کو قول بولتے ہیں۔[۳۲]

رباعی کے ہر مصرع کا پہلا رکن مفعولن یا مفعول ہو گا اور آخری رکن میں فعل فاع یا فع ضرور آئے گا۔ مصرع کے درمیان بقیہ اوزان مفاعلن، مفاعیل، مفاعلین، فعول اور فاعلن میں سے کوئی دو آئیں گے۔ رباعی کے مصرعوں کے لیے کل اوزان کی تعداد ۴۲ ہے۔ جن میں سے ۲۱ اوزان بحور کے خاندان اخرب سے ہیں، جب کہ باقی ۲۱ بحور کے خاندان اخرم سے ہیں۔

اوزان شجرہء اخرب

بحور اخرب کی پہچان یہ کہ وہ ہمیشہ رکن "مفعول" سے شروع ہوتے ہیں۔

اخرب مقبوض مکفوف	[مفعول۔ مفاعلن۔ مفاعیل فعل]
اخرب مقبوض مکفوف اہتم	[مفعول۔ مفاعلن مفاعیل فعول]
اخرب مقبوض ازل	[مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع]
اخرب مقبوض ابتر	[مفعول مفاعیلن مفاعیلن فع]
اخرب مکفوف اہتم	[مفعول مفاعیل مفاعیل فعول]
اخرب مکفوف مجبوب	[مفعول مفاعیل مفاعیل فعل]
اخرب مکفوف ازل	[مفعول مفاعیل مفاعیل فاع]
اخرب مکفوف ابتر	[مفعول مفاعیل مفاعیلن فع]
اخرب مجبوب	[مفعول مفاعیلن مفعول فعل]
اخرب اہتم	[مفعول مفاعیلن مفعول فعل]
اخرب محنق ازل	[مفعول مفاعیلن مفعولن فع]
اخرب محنق ابتر	[مفعول مفاعیلن مفعولن فاع]

اوزان شجرہ اخرم

شجرہ اخرم کی تمام تکور "مفعولن" سے شروع ہوتی ہے۔

اخرم اخرب ازل	[مفعول فعول مفاعیل فاع]
اخرم اخرب مکفوف مجبوب	[مفعولن مفعول مفاعیل فعل]
اخرم اخرب مکفوف اھتم	[مفعولن مفعول مفاعیل فعول]
اخرم محنق اخرب ابتر	[مفعول مفعولن مفاعیلن فع]
اخرم محنق اخرب اہتم	[مفعولن مفعولن مفعول فعول]
اخرم محنق اخرب مجبوب	[مفعولن مفعولن مفعول فعل]
اخرم محنق ازل	[مفعولن مفعولن مفعولن فاع]
اخرم محنق ابتر	[مفعولن مفعولن مفعولن فع]
اخرم اشتر مکفعوف اہتم	[مفعولن فاعلن مفاعیلن فع]
اخرم اشتر مکفوف مجبوب	[مفعولن فاعلن مفاعیل فعل]
اخرم اشتر ازل	[مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع]
اخرم اشتر ابتر	[مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع]

اردو کے دوسرے اصناف سخن قصیدہ۔ مثنوی اور غزل کی طرح رباعی بھی فارسی سے اردو میں آئی ہے۔ بہت دنوں تک فارسی کے زیر اثر اردو رباعی کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔ پھر بھی اردو نظم کے تاریخی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اردو شاعری کے بالکل ابتدائی دور میں بھی رباعیاں کہی جاتی تھیں۔ چناں چہ اردو کے پہلے باد یوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں متعدد رباعیاں موجود ہیں اور چوں کہ قلی قطب شاہ سے پہلے کسی شاعر کا ایسا کلام دست یاب نہیں ہوا جو قلی قطب شاہ سے اولیت کا سہرا چھین سکے۔ اسی لیے اردو شاعری کے اسی باوا آدم کو اردو رباعی کا پہلا شاعر سمجھنا چاہیئے۔[۳۳]

اس کی رباعیات میں اگرچہ تصوف ہے، مرثیے، نعت، منقبت اور درس سبھی کچھ شامل ہے۔ لیکن اس کی وہی رباعیاں قابل توجہ ہے جن میں اس نے حسن و عشق کی واردات کو نظم کیا ہے اور حسن میں اس کی اصل زندگی منعقد ہوتی ہے۔ مختصر یہ محمد علی قلی کے یہاں خمریہ، نعتیہ، مدحیہ اور عشقیہ ہر رنگ کی روایات ملتی ہیں۔ ان رباعیوں کی زبان زیادہ تر دکنی ہے۔ کچھ رباعیاں کا سلاست و روانی رکھتی ہیں۔

تذکروں اور دواوین کی چھان بین کرنے سے اس عہد کے متعدد شعراء مثلاً حضرت دہلوی، بہادر علی حشت، عبدالحئ، تاباں، احسن اللہ میاں، عزیز بھکاری اور میر محمد سوز وغیرہ کی رباعیاں نظر سے گزری ہیں۔ جن میں عبدالحئ تاباں اور احسن اللہ خان کی رباعیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دیوان تاباں، مرتبہ عبدالحق مطبوعات انجمن ترقی اردو 1935 میں جو رباعیاں شامل ہیں۔ سب کی سب عشقیہ ہیں اور ان میں میر درد کی رباعیوں کا سا تغزل پایا جاتا ہے۔ اس عہد میں صرف جرات کے یہاں قابل ذکر رباعیاں ملتی ہیں۔ کلیات

جرات مطبع کارنامہ لکھنو میں کوئی ایک سو بارہ یا تیرہ رباعیاں ہوں گی۔ ان کی عشقیہ شاعری کی وہی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ جو جرات کی غزل میں رچی ہوئی ہے۔ گویا اس دور میں صرف جرات رباعی نگار کی حیثیت سے سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں۔

نظیر اکبر آبادی کا شمار بھی اسی عہد میں کرنا چاہئے ان کے مجموعہ کلام مرتبہ عبدالباری میں کل بائیس رباعیاں درج ہیں۔ جن میں اخلاق اور واعظانہ مضامین کو نظم کیا ہے۔ عشق معاملات کا ذکر ان کے ہاں نہیں ہے۔ بل کہ روزمرہ کے اخلاقی درس دیے گئے ہیں۔ انیس ، دبیر، غالب، مومن، اور ذوق وغیرہ کا عہد البتہ رباعی کے لیے مفید ثابت ہوا۔ غالب، ذوق، مومن، انیس اور دبیر جیسے باکمال شعراء نے جہاں غزل و قصیدہ اور مرثیہ کو بام عروج پر پہنچایا وہاں رباعی جیسے بس افتادہ سخت کو بھی ترقی کی راہ پر لگا دیا۔ دہلی اور لکھنو دونوں ادبی مرکزوں میں رباعی کو فروغ نصیب ہوا اہل محلہ نے خاص طور پر رباعی کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ حالی اور اکبر دونوں نے سعدی کی طرح اخلاقیات کو شاعرانہ انداز سے رباعی کا موضوع بنایا اور اس صنعت کو حسن و عشق لوازم واقعات کربلا و مدح اہل بیت کے مخصوص دائرے سے نکال کر زندگی کے تمام پہلوؤں پر متحد کر دیا۔ صرف مولانا حالی نے زندگی کے جن بے شمار اخلاقی پہلوؤں اصلاحی نکتوں اور تعمیری تجویزوں کو رباعی میں جگہ دی۔ اکبر کی رباعیوں میں کالہجہ بھی حالی کی طرح یکسر ناصحانہ ہے۔ لیکن ان دونوں کا اپنا اپنا انفرادی انداز بیان جدا ہے حالی نے جس کام کو انتہائی سنجیدگی متانت اور خاموشی سے سرانجام دیا اکبر نے اسے طنز و ظرافت اور بعض وقت قہقہہ کی مدد سے پورا کیا۔ اس عہد میں امیر مینائی اور پیارے صاحب رشید نے بھی رباعیاں کہی ہیں۔ پیارے صاحب رشید رباعی کے لیے خاص طور پر ممتاز ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے وہ اپنے استاد انیس کے مقلد ہیں۔ لیکن موضوع کے اعتبار سے وہ اپنی انفرادی شان رکھتے ہیں۔ امیر مینائی کی رباعیاں زیادہ تر نعتیہ ہیں۔ غالب کے شاگرد مہدی مجروح کا شمار بھی اسی دور میں کرنا مناسب ہے۔

ان کے بعد رباعی کے نمایاں شاعر امجد حیدرآبادی ہیں ان کے موضوعات اگرچہ تصوف، توحید، عشق حقیقی اور عرفان سرمدی تک محدود ہیں۔ جو پہلے غزل کی طرف مائل ہوئے اور پھر نظم کی طرف اور شاید حیدرآباد کے قیام کے زیر اثر رباعی کو اپنالیا۔ فکری تسلسل وحدت خیال، زور بیان کے حامل ہیں اس لیے انہوں نے نظم کی طرح رباعی میں بھی جلد ہی ایک ممیز جگہ پیدا کرلی۔ جس طرح امجد موضوع اور مواد کے اعتبار سے سرمد کے قریب ہیں۔

اس طرح جو شخص اپنی رندانہ جسارت کی وجہ سے عمر خیام کے قریب ہیں۔ جوش نے تصوف فلسفہ، رموز فطرت، اسرار حقیقت ، عرفان ذات، شراب اور اس کے لوازم اور اس کے متعلق مقتضات کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے۔ فراق کی رباعی نگاری کی عمر دوسرے ہم عصر کے اور مقابلے میں بہت کم ہے پھر وہ بھی اپنی بصیرت اور اچھوتے اسلوب اور موضوع کی نصرت کے سبب بہت جلد صفحہ اول کے اردو رباعی نگاروں میں شامل ہوگئے۔ خواجہ دل محمد، شفیع شمیم ملیح آبادی، حیدر دہلوی، فارغ بخاری، پروفیسر شور، سیف الدین سیف، جگن ناتھ آزاد اور اقبال حسین شوقی اور علامہ اقبال بھی بہ حیثیت راعی نگار عہد حاضر کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اقبال کے بعد افسوس اردو رباعی کا چلن بہت کم رہ گیا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترقی پسند تحریک اور "جدیدیت" کی لہر میں جب نئے اردو شعرا نے شاعری میں تجربات کیے اور آزاد نظم کا چلن عام ہوا تو اس سے کلاسیکی اصناف سخن پیچھے چلی گئیں۔ نہ صرف ان کا رواج کم ہو گیا بلکہ ایک طرح سے ان سے نفرت بھی کی گئی۔ اقبال کے بعد رباعی گو شعرا میں جوش، فانی، فراق، شمس الرحمٰن فاروقی اور صبا اکبر آبادی، عبدالعزیز خالد اور صادقین کے نام نمایاں ہیں۔ احمد فراز نے بھی چند ایک رباعیاں کہی ہیں۔ لیکن اکیسویں صدی

میں صوفیانہ ادب کی نشوونما شعر و نثر کے ذریعے سید محمد عظیم رحمتہ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ کی۔ آپ نے رباعی کے ذریعے سے کلاسیکی روایت کو زندہ کیا، موضوعات کے ذریعے تصوف کی تحریک دی اور زبان کی نشوونما کی۔

عروضی اوزان رباعیات

یہ روایات کتابی صورت میں منظر عام آنے سے پہلے روحانی ڈائجسٹ میں شائع کی جاتی تھیں۔ روحانی ڈائجسٹ اب تک ایک سو چھیاسی رباعیات شائع ہوئی ہیں جن میں سے مرشد کریم نے اکسٹھ رباعیات کی تشریح فرمائی ہے۔ ان میں سے 47 رباعیات کی ایک ہی تشریح فرمائی ہے۔ جب کہ نور باعیات کی مرشد کریم نے 3 مختلف تشریحات فرمائی ہیں۔ جب کہ 125 رباعیات ایسی ہیں جن کی تشریح موجود نہیں ہے۔ رباعیات کی تفصیل اور جائزہ علم و عروض کے نکتہ نظر سے پیش ہیں:

وہ رباعیات جن کی تشریح مرشد کریم الشیخ عظیمی نے ایک مرتبہ فرمائی ہے۔

	رباعی	نام بحر	عروضی وزن
1	اب دیکھنا کیا ہے کربلا کے اندر	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
2	اب ذکر زمیں و آسماں کیونکر ہو	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
3	اے کاسہ گراک سر بھی ہے تیری املاک	متقارب مثمن سالم	فعولن فعولن فعولن مفاعیل
4	اس بات پہ غور کریں گے شاید	ہزج مثمن اخرم اخرب ابتر	مفعولن مفعول مفاعیلن فع
5	اس کنج خراب میں ہوا پیدا میں	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
6	اک آن کی دنیا ہے فریبی دنیا	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
7	اک جرعہ مئے ناب ہے کیا پائے گا	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
8	اک جرعہ مئے ناب ہے ہر دم میرا	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
9	اک عمر گزر گئی فراقِ دل میں	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
10	اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا	ہزج مثمن اخرب مکفوف مجبوب	مفعول مفاعیل مفاعیل فعل
11	انسان کا غرور اقتدار و زر ہے	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
12	اہرام فراعین کا مدفن ہیں آج	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
13	آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند	ہزج مثمن اخرب مکفوف	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
14	بے بادہ رہوں اور میں واللہ غلط	ہزج مثمن اخرب مجبوب	مفعول مفاعیلن مفعول فعل
15	تا چند و کلیسا و کنشت و محراب	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
16	تو آج خدا را کل کے بارے میں نہ سوچ	ہزج مثمن اخرب مقبوض مکفوف مجبوب	مفعول مفاعلن مفاعیل فعل
17	جس وقت کہ تن جان سے جدا ٹھیرے گا	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
18	جو شاہ کئی ملک سے لیتے تھے خراج	ہزج مثمن اخرب مقبوض مکفوف مجبوب	مفعول مفاعلن مفاعیل فعل
19	دنیا میں پریشان بہت دیکھے ہیں	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
20	دنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں	ہزج مثمن اخرب مکفوف مجبوب	مفعول مفاعیل مفاعیل فعل

21	دنیائے طلسمات ہے یہ ساری دنیا	ہزج مثمن اخرب مکفوف مخذوف	مفعول مفاعیل مفاعیلن فعلن
22	ذرات جبینِ زرفشاں بنتے ہیں	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
23	ساقی تیرے مے کدے میں اتنی بیداد	بحرِ ہندی/ متقارب مسدس مضاعف	فعلن فعلن فعل فعولن فعلن فع
24	ساقی تیرا مخمور پئے گا سو بار	ہزج مثمن اخرم اخرب ابتر	مفعولن مفعول مفاعیلن فع
25	عنوان مشیت کہیں ٹل سکتا ہے	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
26	کل عمر گزر گئی زمیں پر ناشاد	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
27	کہتا ہے مجھے ایک زمانہ کافر	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
28	کہتی ہے یہ مٹی بھی بہت سی باتیں	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
29	کیا علم کہ کب جہاں سے ہم اٹھتے ہیں	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
30	کیا یوں ہی یہ خدمت سبو کرتے ہیں	خفیف مسدس سالم	فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن
31	گم ہو گیا بس اس کے سوا کیا معلوم	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
32	ماتھے پہ عیاں تھی روشنی کی محراب	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
33	مٹی سے گلاب و یاسمیں بنتے ہیں	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
34	مٹی کی لکیروں میں ہزاروں در ہیں	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
35	مٹی کی بناوٹ کا ہے اک نام دماغ	ہزج مثمن اخرب مکفوف مجبوب	مفعول مفاعیل مفاعیل فعل
36	مٹی کے سبو شراب کی محفل ہیں	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
37	مٹی کا ہے سینہ، مٹی کا شانہ ہے	جدید مسدس سالم	فاعلاتن فاعلاتن مستفعلن
38	مٹی میں ہے دفن آدمی مٹی کا	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
39	محرم نہیں راز کا وگرنہ کہتا	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
40	معلوم نہیں کہاں سے آنا ہے میرا	ہزج مثمن اخرب مقبوض مکفوف مجبوب	مفعول مفاعلن مفاعیل فعل
41	میں کیا کہوں یہ عقدہ کھلے گا آخر	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
42	مے خانہ پہ ہر سمت گھٹا چھائی ہے	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
43	نہروں کو مئے ناب کی ویراں چھوڑا	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
44	یہ بود و نبود کیا ہے کس کو معلوم	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
45	یہ جانتی ہے کیوں ہیں فرشتے روپوش	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

46	یہ ریت کی دنیا ہے عجب افسانہ	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
47	یہ طاق یہ ٹوٹے ہوئے در اور دیوار	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

وہ رباعیات جن کی مرشد کریم الشیخ عظیمی نے 2 مرتبہ مختلف تشریح فرمائی ہے۔

	رباعی	نام بحر	عروضی وزن
1	اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر	ہزج مثمن اخرب مقبوض مکفوف مجبوب	مفعول مفاعلن مفاعیل فَعَل
2	پتھر کا زمانہ ہے پتھر میں اسیر	ہزج مثمن اخرب مجبوب	مفعول مفاعیلن مفعول فَعَل
3	ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر	ہزج مثمن اخرب مکفوف مجبوب	مفعول مفاعیل مفاعیل فَعَل
4	ساقی کا کرم ہے میں کہاں کا مے نوش	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
5	مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اڑ اڑ کر	ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف	مفعول مفاعیل مفاعیلن فِعْلن
6	مٹی کی لکیریں ہیں جو لیتی ہیں سانس	ہزج مثمن اخرب مجبوب	مفعول مفاعیلن مفعول فَعَل
7	معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
8	ہر چیز خیالات کی ہے پیمائش	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
9	ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

وہ رباعیات جن کی مرشد کریم الشیخ عظیمی نے 3 مرتبہ مختلف تشریح فرمائی ہے۔

	رباعی	نام بحر	عروضی وزن
1	آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بیکار	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
2	جب تک ہے چاندنی میں ٹھنڈک کی لکیر	ہزج مثمن اخرم اشتر مکفوف مجبوب	مفعولن فاعلن مفاعیل فَعَل
3	حق یہ ہے کہ بیخودی خودی سے بہتر	ہزج مثمن اخرب مقبوض ابتر	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
4	کل روز ازل یہی تھی مری تقدیر	مضارع مسدس اخرب مکفوف	مفعول فاعلات مفاعیلان
5	یہ بات مگر بھول گیا ہے ساغر	ہزج مثمن اخرب مکفوف ابتر	مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

Scanned with CamScanner

تشبیہاتی و استعاراتی نظام، علامتیں، مرکبات و محاورات، علم بدیع

اک جرعہ مئے ناب ہے کیا پائے گا
اتنی سی کمی سے کیا فرق آئے گا
ساقی مجھے اب مفت پلا کیا معلوم
یہ سانس جو آگیا ہے پھر آئے گا

اک عمر گزر گئی فراق دل میں
تنہائی کی دیوار تھی ہر منزل میں
ساقی نے کرم کیا جگہ دی مجھ کو
جام و قدح و صراحی کی محفل میں

بے بادہ رہوں اور میں واللہ غلط
ساقی کے سوا اور کی ہو چاہ غلط
ہے میکدہ و محراب پرستش میری
میں میکدہ چھوڑ دوں یہ افواہ غلط

جب تک کہ ہے چاندنی میں ٹھنڈک کی لکیر
جب تک کہ لکیر میں ہے خم کی تصویر
جب تک کہ شبِ مہ کا ورق ہے روشن
ساقی نے کیا ہے مجھے ساغر میں اسیر

ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر
پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر

ساقی تیرے کدے میں اتنی بیداد
روزوں میں ہوا سارا مہینہ برباد
اس باب میں ہے پیر مغاں کا ارشاد
گر بادہ نہ ہاتھ آئے تو آتی ہے باد

ساقی تیرا مخمور پئے گا سو بار
سو بار جو ٹوٹے تو مجھے کیا غم ہے
گردش میں ہے ساغر تو رہے گا سو بار
ساغر میری مٹی سے بنے گا سو بار

ساقی کا کرم ہے میں کہاں کا مے نوش
مے خوار عظیم برخیا حاضر ہے
مجھ ایسے ہزارہا کھڑے ہیں خاموش
افلاک سے آرہی ہے آواز سروش

مٹی کی لکیروں میں ہزاروں در ہیں
مینا ہے، شراب ناب ہے، ساقی ہے
گر جھانکئے کتنے مے کدے اندر ہیں
ذروں پہ جو غور کیجیے ساغر ہیں

ساقی تیرا مخمور پئے گا سو بار
سو بار جو ٹوٹے تو مجھے کیا غم ہے
گردش میں ہے ساغر تو رہے گا سو بار
ساغر میری مٹی سے بنے گا سو بار

کہتی ہے یہ مٹی بھی بہت سی باتیں
مٹی کے یہ ذرات بھی انسان تھے
باتوں میں گزر گئی ہیں اکثر راتیں
تھیں کبھی ان کی شیخ و برہمن کی ذاتیں

ماتھے پہ عیاں تھی روشنی کے محراب
مٹی نے انہیں بدل دیا مٹی میں
رخسار و لب جن کے تھے گوہر نایاب
کتنے ہوئے دفن آفتاب و ماہتاب

مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اُڑ کر
مٹی کی کشش سے اب کہاں جائیں گے
دنیا کی فضا دیکھتے ہیں مڑ مڑ کر
مٹی نے انہیں دیکھ لیا ہے مڑ کر

مٹی سے گلاب و یاسمین بنتے ہیں
مٹی تو ہے یہ مگر اسی مٹی سے
انسان بھی اسی مٹی سے بالیقیں بنتے ہیں
کتنے رخ و زلف نازنین بنتے ہیں

مٹی کی لکیریں ہیں جو لیتی ہیں سانس
ٹکڑے جو ہیں قیاس کے، مفروضہ ہیں
جاگیر ہے پاس ان کے فقط ایک قیاس
ان ٹکڑوں کا نام ہم نے رکھا ہے حواس

مٹی کی بناوٹ کا ہے ایک نام دماغ
انسان کے بدن میں اس سے جلتا ہے چراغ

جلتا ہے چراغ زندگانی ہر دم — حتی کوئی لمحہ نہیں رہتا بے داغ

مٹی کے سبو شراب کی محفل ہیں — نظاروں سے دنیا کے مگر بیدل ہیں
یہ دیکھتے سنتے ہیں، سمجھتے ہیں — ذرات میں ان کے چشم و گوش و دل ہیں

مٹی کا ہے سینہ، مٹی کا شانہ ہے — مٹی کی گرفت میں تجھے آنا ہے
کچھ دیر پہنچنے میں لگے گی شاید — مٹی کی طرف چند قدم جانا ہے

مٹی میں ہے دفن آدمی مٹی کا — پتلا ہے وہ اک پیالہ بھری مٹی کا
مے خوار پئیں گے جس پیالہ میں شراب — وہ پیالہ بنے گا کل اسی مٹی کا

محرم نہیں راز کا و گرنہ کہتا — اچھا تھا کہ اک ذرہ ہی آدم رہتا
ذرہ سے چلا چل کر اجل تک پہنچا — مٹی کی جفائیں یہ کہاں تک سہتا

معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز؟ — مٹی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
اس کے پر و پرزے تو یہی ذرے ہیں — البتہ کہ صناع ہے اس کا دمساز

ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند — سبزہ و صنوبر ہو کہ ہو سرو بلند
انسان کی مٹی کے ہر اک ذرہ سے — جب ملتا ہے موقع تو نکلتے ہیں پرند

یہ بات مگر بھول گیا ہے ساغر — انسان کی مٹی سے بنا ہے ساغر
سو بار بنا ہے بن کے ٹوٹا ہے عظیم — کتنی ہی شکستوں کی صدا ہے ساغر

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا — اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیم — میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

انسان کا غرور اقتدار و زر ہے — گر یہ بھی نہیں تو مذہب و ممبر ہے
دیکھا جو اسے بعد فنا ہونے کے — معلوم ہوا یہ خاک مٹھی بھر ہے

آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بیکار
دستہ جو ہے کوزہ کو اٹھانے کے لیے

اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
یہ ساعد سیمیں سے بناتا ہے کمہار

ہر چیز خیالات کی ہے پیمائش
تبدیل ہوئی جو خاک گورستاں میں

ہیں نام کی دنیا میں غم وآسائش
سب کوچہ و بازار کی تھی زیبائش

پانی:

پانی جو تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ بڑے بڑے سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور سرچشموں میں جس کی فراوانی کا کوئی اندازہ نہیں۔ پانی بنائے حیات ہے پانی کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ یہ قدرت کی عجیب وغریب نعمت ہے اس کا کوئی ذائقہ نہیں، رنگ نہیں۔ بہاؤ اس کی فطرت میں داخل ہے۔ پانی سے متعلق روایتیں بھی ہیں جو مذہب اور تہذیب میں داخل ہیں جیسے آب زم زم اور آب حیات کا قصہ دریائے نیل کی کہانیاں۔ قرآن میں انسان کی پیدائش کو پانی سے بتایا گیا ہے۔
سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں پانی ایک علامت کی شکل میں نظر آتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ

پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر

وہ خمیر کیا ہوا مشروب جس کے پینے سے انسان میں سرور اور نشہ پیدا ہوتا ہے، یہ مشروب عام طور پر انگور کے عرق سے تیار کیا جاتا ہے شعرا نے اس من کے کیف ومستی کو بیان کرنے کے لیے مختلف حالتوں میں بیان کیا ہے۔ پانی کا تعلق شراب اور پینے پلانے سے بھی ہے سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے پانی کو ان شکلوں میں یوں بتایا ہے۔

اک جرعہ مئے ناب ہے ہر دم میرا
مستی و قلندری و گمراہی کیا

اک جرعہ مئے ناب ہے عالم میرا
اک جرعہ مئے ناب ہے محرم میرا

تو آج خدارا کل کے بارے میں نہ سوچ
رشتہ تو ہمارا ہے ازل سے لیکن

آئے گی اجل، اجل کے بارے میں نہ سوچ
پی اور پلا، ازل کے بارے میں نہ سوچ

دنیا/کائنات اور اس کے عناصر:

کائنات بے شمار ستاروں کا سلسلہ کو اکب وسیاروں کا مجموعہ ہے۔ یہ ان گنت گھومتے پھرتے ستارے بیشتر اپنی جگہ آگ کے گولے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ستاروں کی عمر کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو آگ بھی اپنے بنین عمر کے اعتبار سے ایک خاص معنی میں ازلی اور ابدی عنصر قرار پائے گی۔

کائنات اور عناصر کائنات کے بارے میں سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی کئی ایک رباعیات ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

اب ذکر زمیں وآسماں کیوں کر ہو
یہ عمر ہے کیا اس کا بیاں کیوں کر ہو
جس لمحہ پر آسمان زمین ٹکڑے ہوں
وہ لمحہ پیچیدہ عیاں کیوں کر ہو

اس کنج خراب میں ہوا پیدا میں
اس کنج خراب میں ہوا شیدا میں
اس کنج خراب نے کیا مجھ کو خراب
اس کنج خراب میں ہوا رسوا میں

دنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
انسان وہ گھر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
وہ وقت کہ سب جس کو اہم کہتے ہیں
وہ وقت صفر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں

جب تک کہ ہے چاندنی میں ٹھنڈک کی لکیر
جب تک کہ لکیر میں ہے خم کی تصویر
جب تک کہ شب مہ کا ورق ہے روشن
ساقی نے کیا ہے مجھے ساغر میں اسیر

کل عمر گزر گئی زمیں پر ناشاد
افلاک نے ہر شانس کیا ہے برباد
شاید کہ وہاں خوشی میسر ہو عظیم
ہے زیر زمیں بھی اک دنیا آباد

نہروں کو مئے ناب کی ویراں چھوڑا
پھولوں میں پرندوں کو غزل خواں چھوڑا
افتاد طبیعت تھی عجب آدم کی
کچھ بس نہ چلا تو باغ رضواں چھوڑا

مٹی:

مٹی نے اپنی قوت زرخیزی سے روشنی، حرارت، پانی اور ہوا کے ساتھ مل کر عالم نباتات اور جمادات کی بہت سی اشکال انواع اور صورتوں کو محفوظ رکھا اور اپنی جمادی کیفیت کے سہارے اس زمانے کی ان گنت مورتیوں کو ہم تک پہنچایا۔ مٹی کے تذکرے میں بہت سے ی باتیں شامل ہیں۔ ارضیت فلسفہ حیات کو جہنم دینے والا ایک تصور ہے۔ لاکھوں سالوں سے بہت سی باتیں رسمیں ایسی ہیں جن مین مٹی کا ذکر موجود ہے۔

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں مٹ کے کئی روپ ہیں۔
سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ رباعیات اس حوالہ سے پیش ہیں۔

اے کاسہ گرا کہ سر بھی ہے تیری املاک
یہ کاسہ سر شاہ کی مٹی کا ہے

ہشیار کہ اک دن تجھے ہونا ہے ہلاک
تو آگ میں ڈالتا ہے جس کو بے باک

اہرام فراعین کا مدفن ہیں آج
رفتارِ زمین کی ٹھوکریں کھا کھا کر

سیاحوں سے تحسین کا لیتے ہیں خراج
مل جائے گا کل تک ان کا مٹی میں مزاج

آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند
واضح رہے جس دم یہ لکیریں ٹوٹیں

آدم ہے اسی قید کے اندر خورسند
روکے گی نہ اک دم اسے مٹّی کی کمند

دنیائے طلسمات ہے یہ ساری دنیا
مٹی کا کھلونا ہے ہماری تخلیق

کیا کہیے کہ ہے کیا یہ ہماری دنیا
مٹی کا کھلونا ہے یہ ساری دنیا

قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا شعری لہجہ

رباعیات میں قرآنی تفکر

قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی شعری تخلیقات

قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا منظوم مکتوب گرامی

حضور قلندر باباولیاؒء اور سید نثار علی بخاری صاحب کے درمیان محبت اور انسیت کی گہرائی کی ہلکی سی جھلک حضور باباصاحبؒ کے اس منظوم فراق نامہ میں دیکھی جاسکتی ہے جو آپ نے اپنے مہربان زندگانی اور یار جانی سید نثار علی بخاری کے نام اپنے قیام باغپت (یو-پی) سے 5 دسمبر 1942ء کو لکھا تھا...

اس نظم کے ذیل میں باباصاحبؒ نے اپنی ایک غزل بھی تحریر فرمائی... اس غزل میں حضور قلندر باباولیاؒء نے اپنا قلمی تعارف "زار و نزار" کے معنوی لقب سے کرایا ہے۔

السلام اے مہربان زندگانی السلام
اے نشاط بزم دل اے یار جانی السلام
اک فقیر بے نوا کے دل میں تیری یاد ہے
تو خفا ہے جس سے وہ تیرے لئے ناشاد ہے
شمع گر خواہد کہ سوزد خرمن پروانہ را
جزبہ طاعت شرط نبود مذھب دیوانہ را
تو گلستان وطن کا سرو ہے شمشاد ہے
مرحبا اس انجمن پر جس میں تو آباد ہے

باغ جنت سے فزوں تر ہے مجھے وہ انجمن
جس میں ہوتے ہیں میرے احباب سرگرم سخن

میرے دل کی خواہش ان آستانوں پر نثار
جو کہ ہیں قدموں سے یاران وطن کے ہمکنار

اے صبا لیجا پیام شوق اس منزل کے نام

فرض ہے جسکے ہر اک کوچہ کا مجھ پر احترام
سر جھکا کر عرض کرنا وہ ادب کا ہے مقام
دوستداران سرور و شادمانی السلام

میں تمہیں محسوس کرتا ہوں دل و جاں کے قریب
پر تم بھولے ہوئے ہو مجھکو یہ میرا نصیب

وہ سحر وہ شام وہ راتوں کی مجلس یاد ہے
ان بہاروں کے لئے دل مائل فریاد ہے
اس زمین کی یاد میں قلب حزیں بیمار ہے
جس کا ہر ذرہ تمہارے سایہ سے گلزار ہے

روز گار شد کہ من کشتی در آب انداختم
کار در دو بندگی با عجز و زاری ساختم

قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا غیر مطبوعہ اردو کلام

حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے محترم دوست کے صاحب زادے ڈاکٹر فطرت اللہ انصاری

حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا غیر مطبوعہ فارسی کلام

نثری تخلیقات

باب ہشتم

تصانیفِ نثر

www.ksars.org

لوح و قلم

تذکرہ باباتاج الدین رحمۃ اللہ علیہ

سید محمد عظیم نے باباتاج الدین ناگ پوری کی سوانح عمری تذکرہ باباتاج الدین کے نام سے لکھی۔ اس کتاب میں ماورائی علوم کی اور کشف و کرامات کی توجیہات بھی بیان کی گئی ہیں۔

آپ کی اس تحریر کا کچھ متن حسب ذیل ہے جس سے آپ کے اسلوب کی وضاحت ہوتی ہے۔ سید محمد عظیم تذکرہ تاج الدین بابا میں فرماتے ہیں کہ:

مرہٹہ راجہ رگھوراؤ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کوئی درخواست کرتا تو اس طرح جیسے دیوتاؤں کے حضور میں۔ ایک مرتبہ انہوں نے راجہ کے مندر کا بت توڑ ڈالا۔ پجاریوں نے شور مچادیا۔ لیکن راجہ صورتِ حال سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ محل والوں کی شکایت پر راجہ نے مسکرا کر فقط ایک جملہ کہا۔ "باباصاحبؒ بھی دیوتا ہیں۔ یہ معاملہ دیوتاؤں کا ہے، آپس میں خود نمٹ لیں گے۔ ہمارا تمہارا بولنا بے ادبی ہے۔" اس جملہ سے محض راجہ کی عقیدت کا ہی نہیں اس طرزِ فکر کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو روحانی شخصیتوں کے بارے میں راجہ کے ذہن میں تھی۔ جو لوگ روحانی قدروں سے کچھ بھی مانوس ہیں وہ اتنا ضرور جان سکتے ہیں کہ راجہ مخفی علوم سے مس رکھتا تھا اور اس کے اندر فیضان حاصل کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ یہاں وہ چند باتیں پیش کرنا بھی ضروری ہیں جو میری موجودگی میں راجہ اور نانا رحمۃ اللہ علیہ میں ہوا کرتی تھیں۔ ان اوقات میں کوئی اور صاحب بھی سوال کر لیا کرتے اور پوری مجلس جواب سے مستفیض ہوتی۔

ایک مرتبہ مہاراجہ نے سوال کیا۔ "باباصاحبؒ! ایسی مخلوق جو نظر نہیں آتی مثلاً فرشتہ یا جنات، خبر متواتر رکھتی ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں ہیں ان میں اس قسم کی مخلوق کے تذکرے ملتے ہیں۔ ہر مذہب میں بدروحوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہا گیا ہے لیکن عقلی اور علمی توجیہات نہ ہونے سے ذی فہم انسانوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے رکتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے۔ تجربات جو کچھ زبان زد ہیں، وہ انفرادی ہیں، اجتماعی نہیں۔ آپ اس مسئلہ پر کچھ ارشاد فرمائیں۔"

نانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات میں کچھ فرمایا وہ فقط تبصرہ نہیں بلکہ میرے اندازے میں ایسے الہامات کا مجموعہ ہے، قدرت نے ان کی ذات کو جن کا مرکز بنایا تھا۔ صاحبِ فراست انسانوں کے لئے یہ ملفوظات حد درجہ محلِ تفکر ہیں۔ ان کے جواب سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قدرت اور ان کے ذہن کی سطح قریب قریب ایک ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مسئلہ کی وضاحت جن خیالات کے ذریعے کی گئی ہے وہ قدرت کے رازوں میں کس طرح سمائے ہوئے ہیں۔ جس وقت یہ سوال کیا گیا۔ نانا تاج الدینؒ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ اوپر تھی۔ فرمانے لگے۔ "میاں رگھوراؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں، ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ و انجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں۔ اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی سمجھتے یہی ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔" فرمایا۔ "جو کچھ میں نے کہا اسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مفلوج ہے۔ انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ

جانتا ہوں۔ یہ چیزیں دور پرے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں۔ ان پر بھی نظر ڈالتے جاؤ۔ دن طلوع ہوتا ہے۔ دن کا طلوع ہونا کیا شئے ہے، ہمیں نہیں معلوم۔ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں اتنی بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے۔ اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوعِ انسانی کا یہی تجربہ ہے۔

میاں رگھوراؤ، ذرا سوچو کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات، فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں، پھر بھی وہ مظاہر ہیں جن سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے، اس لئے قابلِ یقین ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر بھی کام کرتی ہے۔ اگر نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ نگاہ اور فکر کا عمل ظاہر ہے۔ دراصل سارے کا سارا عمل تفکر ہے۔ نگاہ محض ایک گونگا ہیولیٰ ہے۔ فکر ہی کے ذریعے تجربات عمل میں آتے ہیں۔ تم نگاہ کو تمام حواس پر قیاس کر لو۔ سب کے سب گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔ تفکر ہی حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ حواس تفکر سے الگ کوئی چیز ہے حالانکہ تفکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انسان محض تفکر ہے۔ فرشتہ محض تفکر ہے۔ جن محض تفکر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ذی ہوش تفکر ہے۔

فرمایا کہ اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آجاتا ہے جہاں کائنات کے کئی راز منکشف ہو جاتے ہیں۔ غور سے سنو، ہمارے تفکر میں بہت سی چیزیں ابھرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ باہر سے آتی ہیں۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے تفکر ہیں جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے۔ فرشتے اور جنات۔ ان سے انسان کا تفکر اسی طرح متاثر ہوتا رہتا ہے جس طرح انسان خود اپنے تفکر سے متاثر ہوتا ہے۔ قدرت کا چلن یہ ہے کہ وہ لامتناہی تفکر سے تناہی تفکر کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔ پوری کائنات میں اگر قدرت کا یہ فیضان جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا یہ درمیانی رشتہ کٹ جائے۔ ایک تفکر کا دوسرے تفکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرزِ عمل کا ایک جزو ہے۔ یہ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات ہیں۔ اگر یہ تینوں مربوط نہ رہیں اور ایک تفکر کی لہریں دوسرے تفکر کو نہ ملیں تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گی۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا تفکر ہیولیٰ اور ہیولیٰ قسم کے تمام جسموں سے فکری طور پر روشناس ہے۔ ساتھ ہی ہمارا تفکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس ہے حالانکہ ہمارے اپنے تفکر کے تجربات پابگل ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ ہیولیٰ اور نور کے تجربات اجنبی تفکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں تفکر کو انا کا نام دیا جاتا ہے اور انا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہوتا ہے کہ جن کو مجموعی طور پر فرد کہتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادلۂ خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی انا یعنی تفکر کی لہریں بھی بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔ تمام کائنات اس قسم کے تبادلۂ خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں۔ اور تبادلۂ خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مانوس ہیں۔"

نانا تاج الدین اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے در پے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہمیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم

اپنی زبان میں توہّم، خیال، تصوراور تفکر وغیرہ کانام دیتے ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطۂ مشترک رکھتی ہیں۔ وہی نقطۂ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی انا کی اقدار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرزِ عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ قرآنِ پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشانی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کار کن بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی لہریں خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں اور جب یہ لہریں معین مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ تفکر، انا اور شخص ایک ہی چیز ہے۔ الفاظ کی وجہ سے ان میں معانی کا فرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ انا، تفکر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ ہستی ہیں جو لاشمار کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے بنی ہیں۔ مثلاً بصارت، سماعت، تکلم، محبت، رحم، ایثار، رفتار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت ایک شکل اور سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپا لے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیت کے پرت دوسرے انواع سے زیادہ ہیں۔ کائنات کی ساخت میں ایک پرت بھی ہے اور کثیر تعداد پرت بھی ہیں۔ تاہم ہر نوع کے افراد میں مساوی پرت ہیں۔

انسان لاشمار سیّاروں میں آباد ہیں۔ اوران کی قسمیں کتنی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یہی بات فرشتوں اور جنات کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ انسان ہوں، جنات ہوں یا فرشتے، ان کے سراپا کا ہر فرد ایک پائندہ کیفیت ہے۔ کسی پرت کی زندگی جلی ہوتی ہے یا خفی۔ جب پرت کی حرکت جلی ہوتی ہے تو شعور میں آجاتی ہے، خفی ہوتی ہے تو لاشعور میں رہتی ہے۔ جلی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع وایجاد کہتا ہے لیکن خفی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زیادہ عظیم الشان اور مسلسل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ راز غور طلب ہے کہ ساری کائنات خفی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے بھری پڑی ہے۔ البتہ یہ مظاہر محض انسانی لاشعور کی پیداوار نہیں ہیں۔ انسان کا خفی کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ربطہ قائم نہیں رکھ سکا۔ اس کمزوری کی وجہ نوعِ انسان کے اپنے خصائل ہیں۔ اس نے اپنے تفکر کو کس مقصد کے لئے پابگل کیا ہے یہ بات اب تک نوعِ انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ کائنات میں جو تفکر کام کر رہا ہے، اس کا تقاضہ کوئی ایسی مخلوق پورا نہیں کر سکی جو زمانی، مکانی فاصلوں کی گرفت میں بے دست وپا ہو۔ اس شکل میں ایسی تخلیق کی ضرورت تھی جو اس کے خالی گوشوں کو مکمل کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔ چنانچہ کائناتی تفکر سے جنات اور فرشتوں کی تخلیق عمل میں آئی تاکہ خلا پر ہو جائے۔ فی الواقع انسانی تفکر سے وہ تمام مظاہر رونما نہیں ہو سکے جن سے کائنات کی تکمیل ہو جاتی۔

کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے انا کی چھوٹی بڑی مخلوط لہروں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اسی تغیر کی صورتیں ہیں۔ دخان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے اس مخلوط کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل

ہے۔ یہاں دخان سے مراد دھواں نہیں ہے۔ دھواں نظر آتا ہے اور دخان ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان مثبت دخان کی اور جنات منفی کی پیداوار ہیں۔ رہا فرشتہ، ان دونوں کے ملخص سے بنا ہے۔ عالمین کے یہ تین اجزائے ترکیبی غیب و شہود کے بانی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے امکانی تموّج سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجہ میں ہمارا شعور اور لاشعور حیات سے دور نابود میں گم ہو جاتا ہے۔ ان تین نوعوں کے درمیان عجیب و غریب کرشمہ برسرِ عمل ہے۔ مثبت دخان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ دخان کی منفی کیفیت نمکین ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنتے ہیں۔ اگر ایک انسان میں مثبت کیفیت کم ہو جائے اور منفی بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں مثبت کیفیت بڑھ جائے اور منفی کیفیت کم ہو جائے تو اس میں ثقلِ وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔ اگر مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو مثبت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور منفی کے زور پر جنات کی۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتہ کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طریقِ کار بہت آسان ہے۔ مٹھاس اور نمک کی معین مقدار کم کر کے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہو سکتے ہیں۔ محض مٹھاس کی مقدار کم کر کے جنات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کر سکتے ہیں لیکن ان تدبیروں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی روحانی انسان کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

تذکرے کا یہ انداز اردو میں پہلی بار لکھا گیا کہ کسی ولی اللہ کے تذکرے میں ان کے ارشادات کی روحانی اور عقلی توجیہات بھی پیش کی جارہی ہیں۔ یوں یہ کتاب کی عقلی تشریح بھی کرتی ہے۔ تحریر کے اس عالمانہ انداز نے اسے منفرد بنادیا ہے۔

کہانیاں

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے ادب میں نئے نئے اضافے کیے ہیں۔ کہانیوں کا نیا رنگ دیا گیا ہے۔ شیطان کی سوانح عمری کے نام سے ایک کہانی لکھی جو قسط وار شایع ہوئی بعد میں اسے مرتب کر کے ایک جلد میں شایع کیا گیا۔

سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ جنات اور جنات کی دنیا سے متعلق حقائق کے انکشاف پر مشتمل سلسلہ وار کہانی لکھوا رہے تھے کہ حضوری کا پیغام آگیا۔ پردہ فرمالینے کے باعث سلسلہ وار کہانی ایک قسط میں سمٹ گئی۔ ابدال حق قلندر بابا اولیا کی جنات کی دنیا سے متعلق حقائق انکشاف پر روئداد نذرِ قارئیں ہے۔

ایک خوبصورت روحانی تمثیل:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مدرسے میں جس طرح انسانوں کے لڑکے پڑھتے تھے اسی طرح جنات کے لڑکے بھی" تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ شاہ صاحبؒ کے مدرسے میں تعلیم پانے والے جنات کے لڑکوں کو سخت ہدایت تھی کہ وہ ہرگز کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے انسانوں کے لڑکے خوف زدہ ہوں۔

ان میں زیادہ تعداد جنات کے ان لڑکوں کی تھی جو دہلی میں کالے پہاڑ کی تلہٹی میں آباد تھے۔ جہاں اس وقت برف کا کارخانہ ہے۔ یہ کالا پہاڑ اس سے تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ اس طرف اس زمانے میں لوگوں کی آمد و رفت یا تو تھی ہی نہیں یا بہت کم تھی۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر جا نکلتا تو شرارت پسند جنات کی حرکتوں سے خائف ہو کر پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا بلکہ دوسروں کو بھی ادھر جانے سے روک دیتا تھا۔

مٹی اور آگ کی تخلیق:

قرآن حکیم میں ہے:

"میں نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے اور جنات کو آگ سے" (سورۃ الرحمٰن: آیت نمبر ۱۴۔۱۵)

بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں جنات کی بستیاں آباد ہیں۔ جو زیادہ تر ویرانے میں ہوتے ہیں۔ ایسے ویرانوں سے گزرنے والے لوگوں نے متعدد بار ان کی مجالس دیکھی ہیں۔ دہلی کے ارد گرد بھی ایسی کئی بستیاں ہیں۔ انہی میں ایک بستی یہ بھی تھی جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہو گا رات کو حلوائیوں کی دکانیں دیر تک کھلی رہتی ہیں۔ دن بھر جتنی مٹھائیاں سجی ہوئی آپ دیکھتے ہیں وہ ساری کی ساری مٹھائیاں صرف انسان ہی نہیں کھاتے بلکہ رات کو آخری اوقات میں اکثر جنات ان مٹھائیوں کو خرید کر لے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جنات کی خوراک فاسفورس ایسڈ بھی ہے۔ جو زیادہ تر کوئلوں میں ملتا ہے اور جنات اسے کوئلے ہی سے حاصل کرتے ہیں۔

جنات کے بارہ طبقے:

جنات کے بارہ طبقے ہیں اور یہ وہ طبقے ہیں جو ہماری زمین پر آباد ہیں۔ ہر طبقے کے جنات الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ضرورت نہیں ہے کہ کسی جگہ ایک ہی طبقہ آباد ہو۔ کئی جگہیں ایسی ملتی ہیں جہاں جنات کے کئی طبقے آباد ہیں۔ ہر طبقے کی شکل و صورت میں فرق ہوتا ہے۔

بہر کیف بیان یہ کرنا تھا کہ کالے پہاڑ کی تلہٹی میں بھی کئی طبقوں کے جنات رہتے تھے۔ ان کی عادات بھی مختلف ہیں اور شکل وصورت میں بھی نمایاں فرق ہے۔ اب بھی وہ بستی وہاں موجود ہے جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے زمانے میں آباد تھی۔

چنانچہ اکثر جنات تحفے تحائف لے کر اس غرض سے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ آپؒ ان کے بچوں کو مدرسے میں داخل کر لیں۔ شاہ صاحبؒ کی چند شرطیں تھیں اگر جنات کو وہ شرطیں منظور ہوتیں تو شاہ صاحبؒ ان کے بچوں کو مدرسے میں داخل کر لیتے تھے اور اس طرح وہ بچے اسباق میں شریک ہو جاتے۔ اسباق کے علاوہ ان بچوں کے سپرد دیگر خدمات بھی ہوتی تھیں کہ وضو کے لئے لوٹے بھریں، سقاوے میں پانی کا انتظام کریں اور باقاعدہ نماز باجماعت پڑھیں۔

انہونی بات:

ایک روز رات کے وقت شاہ صاحبؒ اپنے حجرے میں استراحت فرما رہے تھے۔ چند لڑکے جن میں انسانوں کے ساتھ جنات کے لڑکے بھی تھے۔ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مصروف تھے۔ کوئی سر دبا رہا تھا، کوئی ہاتھ دبا رہا تھا، چند لڑکے پیر دبا رہے تھے کافی وقت ہو چکا تھا۔ یہ ذکر عشاء کی نماز کے بعد کا ہے۔

شاہ صاحب نے کسی لڑکے سے فرمایا "چراغ گل کر دو۔ تیل ضائع ہو رہا ہے۔ اور تم لوگ اپنی جگہ کا کر آرام کرو۔

شاہ صاحبؒ کا حجرہ کافی بڑا تھا۔ اور جہاں وہ لیٹے تھے چراغ اس جگہ سے کم از کم چھ گز کے فاصلے پر ایک کونے میں رکھا ہوا تھا۔ ایک جن لڑکے نے وہیں سے ہاتھ بڑھا کر چراغ گل کر دیا۔ انسانوں کے لڑکوں نے یہ انہونی بات دیکھی تو ڈر کے مارے چیخنے لگے کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی ہاتھ اتنا لمبا ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اٹھ کر انہیں تسلی دی اور اس جن لڑکے کو بہت ڈانٹا۔

اس روز لڑکوں پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ ہمارے ساتھ جنات کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے مکان کی پشت پر ایک سوداگر رہتا تھا۔ یہ لڑکا جس سے یہ حرکت سرزد ہوئی وہ اس سوداگر کی لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ لیکن اس نے اس بات کو اب تک چھپا رکھا تھا اور رات دن اسی ادھیڑ بُن میں مصروف رہتا تھا کہ کسی طرح استاد محترم کی تائید حاصل کر لے۔ ان کے ذریعے وہ لڑکی اور اس کے ماں باپ کو اپنے گھر پر مدعو کرنا چاہتا تھا تاکہ اس طرح آمد و رفت پیدا کر کے عرض مدعا پیش کرنے کی گنجائش نکل آئے۔ مگر وہ کسی طرح بھی شاہ صاحبؒ سے درخواست کرنے کا طریقہ تلاش نہیں کر سکا۔

بالآخر اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور وہ یہ کہ اس کے ماں باپ آئیں اور شاہ صاحبؒ اور اس سوداگر کے گھر کے تمام افراد کو شاہ صاحبؒ کی ہمسائیگی کے ناطے مدعو کریں۔

صرف اس بات کے لئے وہ ہفتوں سوچتا رہا۔ مہینوں غور کرتا رہا۔ اسی غور و فکر میں کئی سال گزر گئے لیکن وہ اپنے ماں باپ سے نہیں کہہ سکا۔

جب اتفاق سے لڑکوں پر یہ انکشاف ہو گیا کہ ہمارے ساتھ جنات بھی پڑھتے ہیں تو شاہ صاحبؒ نے ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو جن لڑکے نے جرأت کر کے کہا۔

”یہ سب میں نے دانستہ کیا ہے تاکہ چند لڑکے اس امر سے واقف ہو جائیں نیز آج میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی دن میرے گھر ماحضر تناول فرمائیں۔ آپ میرے استاد ہیں میرا آپ پر حق ہے اس لئے میں نے یہ جسارت کی ہے“۔

اول تو شاہ صاحبؒ کو بہت غصہ آیا مگر وہ بہت نرم مزاج تھے اس لئے خاموش ہو گئے جن لڑکا دعوت پر بضد رہا۔

جن اور انسان میں عشق:

کافی عرصہ گزرنے کے بعد اس جن لڑکے نے اپنے ماں باپ سے کہا:

”میں ہر قیمت پر شاہ صاحبؒ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ چل کر انہیں مدعو کریں۔“

اس نے بڑے خوش آمدانہ لہجے میں رو رو کر یہ بھی کہا:

”مجھے سوداگر کی لڑکی سے والہانہ محبت ہے میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا آپ شاہ صاحبؒ سے درخواست کریں کہ وہ سوداگر کے گھر والوں کو بھی ساتھ لائیں“۔

لڑکے کی اس بات پر اس کے ماں باپ بہت برہم ہوئے اسے مار پیٹ کر تنبیہہ کی مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ اور اس نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ انتہائی نحیف اور لاغر ہو گیا اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ اس کے باوجود لڑکے کے ماں باپ کسی طور پر آمادہ نہیں ہوتے تھے کہ وہ سوداگر کے گھرانے کو بھی دعوت دیں۔ لڑکے کا دم آخر ہونے لگا تو ماں کے دل کا قرار ختم ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ باپ کے دل پر بھی چوٹ لگی اور اس نے اپنے لخت جگر سے کہا۔

"بیٹا! ہم سوچیں گے کہ کیا ترکیب ہو سکتی ہے اور ہم کس طرح شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اس نوعیت کی درخواست کریں۔ تو ضد چھوڑ دے کھانا پینا معمول کے مطابق شروع کر دے تاکہ ہم کچھ سوچنے کے لائق ہو سکیں۔ تجھے کیا خبر کہ ہم تیری وجہ سے کس قدر پریشان ہیں تو ہی تو ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔"

لڑکے نے جب یہ مژدہ سنا تو اس پر سے نزع کا عالم ٹل گیا اور اس نے ایک عالم سرخوشی میں باپ کو جواب دیا۔

"آپ کسی طرح کے تردد میں مبتلا نہ ہوں چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں اس قسم کی صورت حال پیدا کر دوں گا کہ آپ کو بات کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی"۔

اور پھر ایک دن اس لڑکے نے سوداگر کی لڑکی کے سامنے خود کو ظاہر کر دیا اور وہ بھی اس طرح کہ لڑکی کے علاوہ اسے اور کوئی نہ دیکھ سکے۔ لڑکی یکبارگی خوفزدہ ہو کر سہم گئی۔ اس نے چیخ کر گھر والوں کو آواز دی اور بتایا کہ دیکھو یہ کون ہے؟

گھر والوں نے کہا۔ ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا تجھے کیا نظر آتا ہے؟

لڑکی نے جواب دیا:

"ایک خوبصورت لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے اور مجھے اپنے پاس بلا رہا ہے۔"

سوداگر نے کہا۔ یہ تیرا وہم ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کس جگہ ہے؟ کہاں ہے؟ آخر ہمیں وہ کیوں نظر نہیں آتا؟

لڑکی نے بمشکل تمام اپنے ہوش و حواس کو بحال کر کے بتایا۔ "دیکھو یہ سامنے کمرے میں کھڑا ہے"۔

ماں نے بیٹی کی بلائیں لے کر ممتا بھرے دل سے کہا۔ شاید تو جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ کیا تو نے اس سے پہلے کوئی اس قسم کا خواب دیکھا ہے؟

سوداگر کی بیٹی نے روہانسی ہو کر ماں سے التجا کی:

"تم میری بات کا یقین کرو ماں! یہ ہرگز خواب نہیں ہے۔ یہ لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے کیا تمہیں واقعتاً یہ لڑکا نظر نہیں آتا؟"

سوداگر پریشان لہجے میں بولا: "اگر ہمیں نظر آتا تو ہم تجھے کیوں جھٹلاتے؟"

لڑکی نے جھنجھلا کر کہا:

"جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وہم میں مبتلا ہو جاؤں اور یہ سمجھوں کہ میرا وہم یہ صورت بنا کر میرے سامنے لے آیا جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ میں ہرگز آپ کی ان باتوں پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اور جو دیکھ رہی ہوں اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دیکھو! وہ لڑکا اب بھی میرے سامنے ہے۔"

سوداگر نے پہلے تو اس زمانے کے طبیب حاذق سے مشورہ کیا اور اپنی لڑکی کو حکیم حامد خان کے پاس لے گیا۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیوں کا معائنہ کیا پھر یہ دیکھا کہ اس کے بالوں میں کوئی ارتعاش تو نہیں ہے۔ ٹانگوں کو بغور دیکھا اور جو بھی وہ سمجھنا چاہتے تھے اسے جانچا لیکن کوئی نشان ایسا موجود نہیں تھا۔ جس سے اس لڑکی کا کسی طرح غیر متوازن ہونا، پاگل ہونا یا وہمی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

جب سب کچھ دیکھ چکے تو حکیم صاحب نے لڑکی سے سوالات شروع کئے۔ انہوں نے پوچھا۔ یہ کس دن کا واقعہ ہے؟

لڑکی نے بتایا۔ فلاں دن اور فلاں وقت یہ واقعہ پیش آیا۔
حکیم صاحب نے سوال کیا۔ اس دن تم کہاں تھیں؟
میں اپنے گھر میں تھی۔ لڑکی نے جواب دیا۔
حکیم صاحب نے پوچھا۔ اس دن کے بعد بھی اس جیسی صورتحال پیدا ہوئی؟
بارہا ایسا ہوا ہے جب میں اپنے کمرے میں ہوتی ہوں تو چانک وہ صورت نمودار ہو جاتی ہے۔ لڑکی نے بتایا۔
حکم صاحب نے مزید جرح کرتے ہوئے استفسار کیا:
تم نے کیا دیکھا ہے اور جو کچھ بھی دیکھتی ہو اس کی تفصیل پورے وثوق سے بیان کرو۔

واہمہ اور حقیقت:

جس طرح آپ سامنے بیٹھے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اس میں کسی واہمہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بالکل اتنے ہی یقین اور اعتماد کے ساتھ میں کہتی ہوں کہ مجھے ایک بہت خوبصورت لڑکا نظر آتا ہے۔ کبھی کسی لباس میں ہوتا ہے اور کبھی کسی اور لباس میں۔ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے کوئی رئیس زادہ معلوم ہوتا ہے۔
لڑکی نے بتایا: حکیم صاحب خدا کے لئے آپ میرے ساتھ چلئے۔ یہ سب کے سب مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ شاید آپ اسے دیکھ سکیں۔
حکیم صاحب، لڑکی کے کہنے کے مطابق سوداگر کے گھر گئے اور اس کمرے میں کافی دیر تک بیٹھے رہے اور اس لڑکی سے پوچھتے رہے۔ لڑکی اشاروں سے بتاتی رہی کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ اب وہ میرے قریب آرہا ہے۔ اب وہ دیوار سے لگا ہوا میری طرف دیکھ رہا ہے۔

تعویذ گنڈے سے علاج:

لیکن حکیم صاحب کو کچھ نظر نہیں آیا۔ آخر حکیم صاحب نے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی کو دورہ اسی کمرے میں پڑتا ہے کسی اور کمرے میں نہیں۔ اس بیماری کی ابتداء اسی کمرے سے ہوئی ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہوا میں اس کا علاج کروں گا۔ انہوں نے تبریدیں پلائیں اور اس کے بعد مُسہل دیئے۔ بار بار ایسا کیا لیکن لڑکی کے دماغ سے وہ بات نہ نکلنی تھی اور نہ نکلی۔ پریشان ہو کر حکیم صاحب نے ایسا قیمتی نسخہ لکھا جو دماغ کو تقویت پہنچائے۔ اس کو بھی پوری طرح استعمال کرنے کے بعد حالت وہی رہی۔ دورہ کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کا علاج ممکن ہے کوئی تعویذ گنڈے والا کر دے۔ میں تو عاجز آگیا ہوں۔ اب میرے پاس اس کے لئے کوئی دوا نہیں ہے۔

محلہ کے چند آدمیوں نے سوداگر کو مشورہ دیا کہ تم شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس جاؤ۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ پڑوس میں ہی رہتے تھے۔

شاہ صاحبؒ نے یہ تو مناسب نہیں سمجھا کہ وہ لڑکی مدرسہ میں آئے البتہ وہ وقت نکال کر سوداگر کے یہاں تشریف لے گئے۔ لڑکی کو دیکھا۔ اس سے باتیں کیں اور اس کا نام پوچھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جب شاہ عبدالعزیزؒ اس کے گھر اور اس کمرے میں تھے لڑکی بالکل ٹھیک اور ہوش و حواس میں رہی۔ اس نے لڑکے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ اس نے کہا۔

"ایسا کسی کسی وقت ہوتا ہے لیکن اس وقت وہ لڑکا میرے سامنے نہیں ہے۔"

شاہ صاحبؒ نے اس کے باپ سے فرمایا کہ تمہاری لڑکی بالکل بھلی چنگی ہے۔ بتاؤ اب میں کیا کروں۔ اس کو اپنے کمرے میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اپنی لڑکی سے کہو کہ وہ اس لڑکے کو آواز دے تاکہ وہ لڑکا سامنے آئے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔

لڑکی نے جن لڑکے کو آوازیں دیں۔ اس کا نام لے کر بھی پکارا لیکن کوئی واقعہ ظہور نہیں ہوا۔

شاہ صاحبؒ واپس آگئے وہ برابر سوچتے رہے کہ کیا ترکیب کی جائے۔ اگر کوئی جن اس لڑکی پر آتا ہے تو کس طرح معلوم کیا جائے۔ وہ اپنی جگہ بیٹھ کر اس معاملے کو گہرائی تک سوچتے رہے اور برابر غور و فکر کرتے رہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس کے بعد لڑکی غائب ہونا شروع ہو گئی۔ وہ کئی کئی دن تک غائب رہتی اور پھر یا تو چھت پر سے اترتی نظر آتی یا لوگ دیکھتے کہ کسی کمرے میں سے باہر آرہی ہے۔ اب لوگوں نے لڑکی سے پوچھا۔ بار بار غائب ہونے کا مطلب کیا ہے؟ تو اتنے دن کہاں غائب رہتی ہے؟ اس لڑکی نے صاف صاف بتادیا کہ مجھے جنات لے جاتے ہیں اور وہاں میری بہت تواضع کرتے ہیں مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

اکثر میں دیکھتی ہوں کہ جب میرا دل گھبراتا ہے تو وہ مجھے یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں وہاں خود کو ایک باغ میں دیکھتی ہوں۔ یہ باغ بہت دلفریب اور خوبصورت ہے۔ اس باغ میں جگہ جگہ گلاب کے تختے اور بے شمار رنگ برنگے پھول ہیں۔ باغ کے درمیان میں ایک حوض ہے اور حوض کے کنارے سنگ مرمر کا ایک خوبصورت محل ہے۔ میری خدمت کے لئے وہاں کئی کئی عورتیں ہیں۔ جب میں آجاتی ہوں اس وقت ہی میرے پاس سے ہٹتی ہیں اور جس وقت میں وہاں نیند سے بیدار ہوتی ہوں ایک عورت پانی کا آفتابہ اور سلفچی میرے سامنے لاتی ہے اور مجھے وضو کراتی ہے۔ وضو کے بعد میں نماز ادا کرتی ہوں۔ تھوڑی دیر میں ناشتے کا وقت ہو جاتا ہے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر کئی لڑکیاں جو میری ہم عمر ہیں، قریب گھروں سے میرے پاس آجاتی ہیں۔ اگرچہ میں زیادہ تر خاموش رہتی ہوں لیکن ان لڑکیوں کی معیت میں میرا دل نہیں گھبراتا اور نہ مجھے تنہائی محسوس ہوتی ہے۔ بعض اوقات میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ یہ لڑکیاں جنات میں سے ہیں اور میں انسان ہوں پھر بھی کوئی غیریت میرے دل میں نہیں آتی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب ایک ہی نسل اور ایک ہی قوم ہیں۔ ہماری گفتگو بھی اسی طرح ہوتی ہے۔

خوش اخلاق جنات:

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میں نے اس لڑکے کو آج تک وہاں نہیں دیکھا۔ جو جنات مجھے وہاں لے جاتے ہیں وہ اور ہوتے ہیں اور جو وہاں سے مجھے لاتے ہیں وہ اور ہوتے ہیں۔ میں ان میں سے چند جنات کو پہچانتی ہوں۔

لیکن وہ سب کے سب خوش اخلاق ہیں۔ نہایت عزت کے ساتھ مجھے واپس پہنچا دیتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کسی چیز کی فرمائش کی ہو اور وہ پوری نہ ہوئی ہو۔

شاہ صاحبؒ نے جب انہی دنوں اس جن لڑکے کو اپنے مدرسے میں نہ دیکھا اور چراغ گل کرنے کا واقعہ ان کے ذہن میں آیا اور اس جن لڑکے کا یہ کہنا کہ یہ کام میں نے دانستہ کیا ہے اور اس کا مدرسہ چھوڑ دینا، یہ سب چیزیں شاہ صاحبؒ کے ذہن میں ٹکراتی تھیں لیکن ان تمام حالات میں کوئی چیز ایک دوسرے سے وابستہ نظر نہیں آتی تھی اور آپ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتے تھے۔

لڑکی کے غائب ہونے کی خبریں برابر شاہ صاحبؒ کے پاس آتی رہیں۔ شاہ صاحبؒ اس کے سدباب کے لئے غور و فکر کرتے رہے۔ سوچتے سوچتے ان کے ذہن میں ایک ایسا جن آیا جو باغ کی دیوار کے نیچے کتا بن کے پڑا رہتا تھا مگر یہ کتا خارش زدہ تھا۔ اس کتے کے بارے میں شاہ صاحبؒ کو بالتحقیق بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ لیکن ان باتوں میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جس کی بناء پر وہ اس کتے سے شناسائی پیدا کریں۔ ایک عرصے تک وہ سوچتے رہے آخر شاہ صاحبؒ نے سوداگر کو بلوایا اور اس سے استفسار کیا کہ اس کے پاس کچھ قابل اعتماد آدمی ہیں یا نہیں۔

سوداگر نے جواب دیا ایک تو میرا بہت پرانا ملازم ہے اس کے علاوہ ایک میرا ہم عمر دوست ہے۔ یہ دونوں میرے لئے معتبر ہیں اگر ان کو کوئی راز بتا دیا جائے تو اس کو وہ اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھیں گے۔

شاہ صاحبؒ نے فرمایا میں یہی چاہتا ہوں اب تم ان دونوں میں سے ایک کو میرے پاس لے آؤ۔

ساتھ ہی یہ فرمایا کہ دو روٹیاں خالص ماش کی دال پیس کر انہیں ایک طرف سے پکایا جائے اور کچی سمت میں گھی چپڑ دیا جائے۔

شاہ صاحبؒ نے ایک پرچہ لکھ دیا جس کی کئی تہیں کیں اور پرچے میں اتنی بڑی ڈوری باندھی جو کتے کی گردن میں آ سکے۔

سوداگر جب روٹیاں اور اپنے وفادار ملازم کو لے کر حاضر خدمت ہوا تو شاہ صاحبؒ نے روٹیاں دیکھیں اور وہ پرچہ ان کو دے کر فرمایا۔

باغ کی دیوار کے پاس ایک خارش زدہ کتا پڑا ہوا ہے۔ تم سیدھے اس کے پاس جاؤ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کتا تمہیں دیکھتے ہی بھونکے گا اور کاٹنے کے لئے دوڑے گا۔ اسی لمحے ایک روٹی اس کے آگے ڈال دینا اور کمال ہوشیاری سے جب وہ روٹی کھانے میں مصروف ہو یہ پرچہ اس کی گردن میں باندھ دینا اور جب وہ یہ روٹی کھا چکے تو دوسری روٹی بھی اس کے آگے ڈال دینا جب وہ کتا باغ کی دیوار سے چلے تو اس کے پیچھے ہو لینا وہ جس طرح جائے چلتے رہنا جہاں کہیں وہ ٹھہر جائے تم بھی ٹھہر جانا اور پھر اتنا انتظار کرنا کہ وہ وہاں سے چل پڑے پھر اس کے ساتھ چلتے رہنا اور وہ راستے میں بھی غرائے گا لیکن تم اس کا خیال نہ کرنا۔ آخر چلتے چلتے وہ کتا کالے پہاڑ کے پیچھے میدان میں ایک مقام پر بیٹھ جائے گا۔ وہاں تم دونوں بھی رک جانا اور اس بات کا انتظار کرنا کہ اس پرچے کا کیا جواب ملتا ہے۔

کیوں کہ اس کتے کے بیٹھتے ہی پرچہ اس کے گلے سے غائب ہو جائے گا اور اب یہ تمہاری ہمت ہے اور اس ہمت کی لازمی طور سے ضرورت بھی ہے۔ کوئی زلزلہ آئے، کسی قسم کا طوفان آئے، ہواؤں کے جھکڑ اور آندھیاں چلیں تم اپنی جگہ جمے رہنا۔ خوفزدہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

شاہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق سوداگر اور اس کے ملازم نے خارش زدہ کتے کو روٹیاں کھلائیں اور وہ پرچہ اس کے گلے میں باندھ دیا۔ وہ کتا وہاں سے چل پڑا اور الٹے سیدھے راستوں سے گزرتا رہا اور یہ دونوں بھی نہایت ہوشیاری اور ہمت کے ساتھ اس کا پیچھا کرتے رہے۔ بالآخر کالے پہاڑ کے پیچھے والے میدان میں جا کر وہ کتا بیٹھ گیا اور چشم زدن میں شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا وہ پرچہ اس کے گلے سے غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک سوداگر اور اس کا ملازم سکون سے بیٹھے رہے اور کتا بھی ساکت و جامد رہا۔ لیکن ابھی انہیں بیٹھے ہوئے چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ آسمان و زمین زلزلے کی طرح لرزتے ہوئے محسوس ہوئے اور خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ دونوں پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔ ابھی وہ ان خوفناک آوازوں کی سمت متعین نہ کر پائے تھے کہ آندھی کے ساتھ ایک بگولہ اٹھا جو گرد و پیش کو لپیٹ میں لے کر تمام ماحول کو تاریک کر گیا۔

یہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ لیکن تاریکی ایسی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے کتے کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔

تھوڑی دیر بعد آندھی اور زلزلہ اور طوفان ختم ہو گیا اور چاروں طرف کی فضا صاف ہو گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نہ وہ پہاڑ ہے نہ وہ میدان ہے بلکہ اب انہیں ایک خوبصورت شہر دکھائی دیا۔ جو بہت بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔

بڑے بڑے مکانات تھے، کشادہ سڑکیں تھیں اور عام طور سے جیسے بڑے شہروں میں محلے ہوتے ہیں بالکل اسی طرح یہ شہر بھی محلوں میں تقسیم تھا۔

کچہریاں بھی تھیں، جہاں مقدمے پیش کئے جا رہے تھے اور عدالت ان کے فیصلے سنا رہی تھی۔ ان دونوں کو ایک آدمی تلاش کرتا ہوا آیا اور ان سے کہا:

"تمہارے مقدمے کی پیشی ہے۔ چلو عدالت میں فیصلہ ہو گا۔"

پہلے تو یہ ڈرے پھر انہیں شاہ صاحبؒ کا قول یاد آ گیا۔ انہوں نے سوچا اب جو کچھ بھی ہو مقدمے میں تو پیش ہونا ہی ہے۔ پھر انہوں نے شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا پرچہ اس آدمی کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو انہیں کچھ اطمینان ہوا۔ یہ دونوں اس شخص کے ساتھ ہو لئے۔

عدالت نے پرچہ پڑھ کر حکم جاری کیا کہ اس جن کو پیش کیا جائے جس کے خلاف یہ شکایتی پرچہ شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔

انسپکٹر نے پرچہ الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا:

"حضور ہمیں اس شخص کو تلاش کرنا پڑے گا اس لئے ہمیں مہلت دی جائے"۔

عدالت نے کہا:

"شاہ صاحبؒ تو اس مقدمے کا فیصلہ فوراً چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ جس جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے اسے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔"

پیش کار نے جواب دیا:

جنات کی سی آئی ڈی:

"ہمارے یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے کہ کسی جن کو پکڑ کر انسانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ جنات کا معاملہ تو ہم ہی طے کر سکتے ہیں۔ اول تو اس جن کو تلاش کرنے کے لئے ہمیں مہلت ملنی چاہئے اس کے لئے کم سے کم ایک ماہ درکار ہے۔ ظاہر ہے کہ جس جن نے یہ حرکت کی ہے وہ خود کو ضرور چھپائے گا، ظاہر نہیں کرے گا اور جنوں کی سی آئی ڈی کے تعاون کے بغیر اس کا پتہ چلانا ممکن ہی نہیں ہے لہٰذا عدالت سے درخواست ہے کہ سی آئی ڈی افسر مجاز سے دریافت کیا جائے کہ اس جن کو تلاش کرنے کے لئے کتنی مہلت درکار ہے۔ یہ ایک ماہ تو میں نے اپنی طرف سے فرض کر لیا ہے۔ ہم شاہ صاحبؒ سے براہ راست گفت و شنید نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسے انسان ہیں جو ہمارے لئے واجب التعظیم اور قابل احترام ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ معزز عدالت اس جن کے ذریعے جو خارش زدہ کتے کے روپ میں باغ کی دیوار کے نیچے پڑا رہتا ہے اور جس نے شاہ صاحبؒ کے قاصد کے فرائض انجام دیئے ہیں مناسب جواب لکھ بھیجے۔

تاکہ شاہ صاحبؒ کسی حد تک مطمئن ہو جائیں کہ ان کا مقدمہ عدالت میں پہنچ چکا ہے اور زیر تفتیش ہے۔ ضابطہ کی کارروائی اور جن کی تلاش اور بازیابی میں کچھ عرصہ لگے گا تاکہ وہ بد دل نہ ہوں اور ناراضگی کا اظہار نہ فرمائیں۔ ہم شاہ صاحبؒ کو ایک ایسی پارٹی مانتے ہیں جنہیں خفا کرنا نہیں چاہتے۔ پرچے میں اتنے حالات ضرور ہونے چاہئیں جس سے شاہ صاحبؒ کم و بیش پوری روئیداد اور ہماری مجبوریوں کو کماحقہ جان جائیں اور انہیں اس بات کی امید ہو جائے کہ اس معاملہ کا جلد یا بدیر کسی نہ کسی طرح فیصلہ ہو جائے گا۔ اور انہیں شدید انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

چنانچہ پیش کار نے عدالت کی طرف سے ایک رقعہ لکھا۔

اس رقعے میں مختصر طریقے پر ہر بات لکھی گئی اور اس کو اسی طرح لپیٹ کر جس طرح شاہ صاحبؒ نے لپیٹا تھا اس جن کو دے دیا گیا جو اس رقعے کو لایا تھا۔

پھر شاہ صاحبؒ کے اس پرچے کی کئی نقلیں تیار کی گئیں۔ جو جنوں کی سی آئی ڈی کو دے دی گئیں۔ اور یہ تاکید کر دی گئی کہ جلد از جلد اس جن کا پتہ چلائیں جس نے یہ حرکت کی ہے۔

جنات کا سول کورٹ:

چند دن کے بعد سوداگر اور اس ملازم کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور عدالت کے پیش کار نے شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا پرچہ پڑھ کر سنایا۔ اس میں یہ تحریر تھا:

"میرا ہمسایہ یہ سوداگر اور اس کا ایک ساتھی جنہیں آپ کی خدمت میں پیش ہونا ہے ان دونوں سے آپ مفصل روئیداد سن سکتے ہیں۔ جو اس مقدمہ کے سلسلے میں ضروری ہے۔ اول تو یہ ہے کہ انسانوں میں یا جنات میں آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا اس کے باوجود سوداگر کی لڑکی کو اغواء کیا گیا ہے۔ وہ لڑکی پہلے تو کبھی کبھی اپنے باپ کے گھر واپس آ جاتی تھی اور اس نے کسی قسم کی اذیت کی کوئی

شکایت نہیں کی لیکن اب وہ آنا جانا بھی ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا میں اس کے باپ کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تا کہ آپ کو تفصیلات کا علم ہو جائے۔ جتنی تفصیلات میں جانتا ہوں میں نے آپ کو پیش کر دی ہیں۔ دوسری ایک بات اور زیر غور ہے اور میرے نزدیک اس کا سامنے رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جس دن سے لڑکی غائب ہوئی یا غائب ہونے کا سلسلہ شروع ہوا ہے میرا ایک جن شاگرد بھی لاپتہ ہے۔ وہ بھی مدرسے نہیں آیا کہ میں اس سے ہی کچھ معلوم کر سکتا۔ بظاہر ان دونوں کڑیوں کا تعلق ایک دوسرے سے یقینی ہے۔ میری درخواست ہے کہ اُس جن کا پتہ چلائیں جو مدرسے میں پڑھتا تھا اور پڑھتے پڑھتے یکایک غائب ہو گیا۔ ممکن ہے میرا خیال صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ بالکل صحیح نہ ہو بلکہ تقریباً صحیح ہو یہ غائب ہونے والے جن نے خود کیا ہے یا دوسرے جنات کو اس جرم میں شامل کر کے یہ واردات کی ہو۔"

خط پڑھا جا چکا تو عدالت سوداگر اور اس کے ساتھی سے مخاطب ہوئی اور ان سے سوال کیا:

"یہ بیان تو شاہ صاحبؒ کا تھا جو آپ صاحبان کو پڑھ کر سنایا گیا۔ اب آپ حضرات اپنا اپنا بیان قلمبند کرائیں۔"

اس پر سوداگر نے کہا:

"میری لڑکی پردہ دار ہے۔ بے پردہ کسی کے سامنے نہیں آتی۔ نہ ہی اسے شہر سے باہر جانے کا کبھی اتفاق ہوا۔ بازاروں میں پھرنا بھی اس کی عادت نہیں ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ جاتی ہے اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ بازار تک۔ ایک تو اس بناء پر کسی انسان پر اغواء کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے گھر میں صرف وہ اعزاء آتے ہیں جن سے کوئی پردہ نہیں ہے اور ان کے سامنے لڑکی چھوٹی سے جوان ہوئی ہے وہ سب کے سب لڑکی سے محبت کرتے ہیں اور لڑکی کے غائب ہو جانے سے بہت پریشان ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ لڑکی کی دو ایک سہیلیاں اور ہمارے چند ایک رشتہ دار اس کو پوچھنے نہ آتے ہوں۔ اور انہیں اس کے متعلق تشویش نہ ہو۔ جب ہم یہ معاملہ شاہ صاحبؒ کے سامنے لے گئے تو انہوں نے بہت دیر تک آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا لیکن اس قسم کا کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا کہ لڑکی کو اغواء کرنے والے انسان ہیں۔ ہم لوگ شاہ صاحبؒ کو اپنا رہنما اور بزرگ کامل سمجھتے ہیں اس لئے ہمیں اس بات کا کلی یقین ہے کہ یہ کام بجز اجنہ کسی اور نے نہیں کیا۔"

یہ کہہ کر سوداگر خاموش ہو گیا۔ اور پیشکار نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے دی۔

یہ کہانی اپنے پلاٹ کے ساتھ موضوعاتی اعتبار سے اچھوتی ہے کیوں کہ اس کے ردار مابعد الطبیعاتی ہیں۔ اس کا پلاٹ ایک ایسی دنیا کا قصہ ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں لیکن موجود بھی ہے۔ ان عوامل نے کہانی کو خوب صورت بنایا ہے یوں یہ حقائق پر مشتمل اردو ادب میں ایک اضافہ ہے کیوں کہ اردو ادب میں اس موضوع پر حقائق پر مبنی کہانیوں کا فقدان ہے۔

مکاتیب عظیم رحمۃ اللہ علیہ

مکتوبات عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں بھی علمی ورثہ موجود ہے۔ دست یاب ریکارڈ کے مطابق آپ کا اولین مکتوب ۴ جولائی ۱۹۴۷ کا ہے۔ جس میں حضور قلندر بابا اولیاء نے جناب سید نثار علی بخاری کو اعلان پاکستان پر تقسیم سے قبل ہی بذریعہ خط اظہار خوشی اور مبارک باد کا اظہار کیا۔ اس میں جہاں دوستی کا انداز نظر آئے گا وہیں یہ خط ان کے عشق رسول کا عکس بھی پیش کرتا ہے۔

دہلی

۷ جولائی ۱۹۴۷

بروز پیر

جان سے زیادہ عزیز بھائی صاحب تسلیم۔

ایک عرصہ ہوا کہ میں خدمت اقدس میں آنا چاہتا ہوں لیکن ابتک ممکن نہ ہوا۔ آپ نے ضرور انتظار کیا ہو گا۔ اس احساس سے میرا دل شرمندہ ہے بھائی صاحب فی الحقیقت میری عمر کے کئی سالوں کی جمع شدہ شرمندگیاں بہت ہیں تاہم میں آپ سے اپنی ہر نئی خطا پر ایک نئی معافی کی مستحکم امید رکھتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ میری نگاہ میں آپ کے تصور کی قدر و وقعت اتنی ہے جتنی چاند سورج کی دلفریب شعاعوں کی اس لئے صرف آپ کی یاد ہی میرے دل کی مسرت ہے لیکن میں اس مسرت سے زیادہ کا طالب ہوں۔ اب لازماً میرے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ آپ کی زیارت کروں ظاہر ہے کہ اس کے لئے اللہ قادر مطلق کا ایماء درکار ہے۔

بھائی میں پہلے خدائے ذوالجلال کے فضل و احسان یعنی "پاکستان" کی مبارک باد آپ کی جناب میں پیش کرتا ہوں.. میں نہیں بتا سکتا کہ مسلمانوں کو عرض محبت اور شکر گزاری کے کتنے آنسو اس سلسلہ میں عرش رب العزت کے سامنے پیش کرنے چاہئیں۔ کاش ہمارے دلوں میں وہ پاک نور ہوتا جس کی روشنی میں مشیت کے اکرام نظر آسکتے ۔۔۔۔ **نام محمدؐ (صلعم) زندہ باد** ... کاش آنجناب رسالت کی شدت محبت سے میرا دم نکل جائے جب ان کے نام پر مسلمانوں کو پکارا گیا خواہ کسی نے پکارا اللہ جل و علیٰ نے منادی کرنے والوں اور پکارے جانے والوں کو کامیاب کر دیا۔ ہمیشہ اس نام کی قوت کے آگے زمین و آسمان جھک گئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ مجھے اور کیا کہنا چاہئے لیکن میں آپ کو ایک بار پھر مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ آپ اس ذکر کی تکرار کے مستحق ہیں۔

فقط والسلام

آپکا ادنیٰ خادم

فقیر عظیم

مکتوب گرامی

حضور قلندر باباولیاءؒ کا ایک خط جو آپ نے ایک صاحب کے استفسارات کے جواب میں تحریر کروایا تھا۔ خط کے مندرجات میں قرآن کی ۴۹ آیتوں کا حوالہ موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر عزیز سلمہٗ اللہ تعالیٰ سے بہت دعا۔

حسب ذیل عبارت تمہارے تحریر کردہ سوالات کے جواب میں لکھی جارہی ہے۔ بظاہر سوالات بالکل مختصر اور آسان ہیں لیکن ان کا جواب زیادہ غور طلب ہے اور تفصیل چاہتا ہے۔ اگر پوری باتیں سمجھنے میں دقت پیش آئے تو بار بار پڑھ کے اور غور کر کے الفاظ کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا صرف کاغذ پر لکھا رہنا کافی نہیں ہے۔ ان کا حافظہ میں نقش کرنا ضروری ہے۔

لوح محفوظ سے ایک نور آتا ہے وہ اس طرح پھیلتا ہے کہ ساری کائنات اس کی گرفت میں ہوتی ہے۔ اس کے پھیلنے کی طرزیں کسی ایک سمت میں نہیں ہوتیں بلکہ ہر سمت میں ہوتی ہیں۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ اس نور کے پھیلنے کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔ اب تم سمت نہ ہونے کا مطلب سمجھ لو کہ سمت نہ ہونا کیا چیز ہے اور نور کا تمام سمتوں میں پھیلنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ ساری باتیں قرآن پاک میں بالتصریح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان ارشادات کو متشابہات کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تحریر میں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ صرف ایک مثال دے کر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ اس مثال پر غور کرو۔

چند خلاباز خلا میں جا چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 100 میل سے زیادہ بلندی پر ایک تو بالکل بے وزنی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین یا تو بالکل گول یا تقریباً گول نظر آتی ہے۔ ایک نے کہا ہے کہ گیند نما نظر آتی ہے۔ تم نے خود بھی مشاہدہ میں دیکھا ہے کہ پیندہ کی صورت ہے۔ اب صحیح صورت حال سمجھنا چاہو تو یہ نظر آئے گا یا یہ محسوس ہو گا یا یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ ساڑھے تین ارب انسان اور چلنے پھرنے والے چوپائے سب کے سب ٹانگوں کے بل زمین سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ہر انسان یہ کہتا ہے کہ میں زمین پر پیروں کے بل چل رہا ہوں۔ سمجھ لو کہ وہ کتنی غلط بات کہہ رہا ہے۔ جب سے نوع انسانی آباد ہے، وہ تمام لوگ جن پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی ہے یہی کہتے ہیں۔ یہی سمجھتے ہیں۔ غور کرو کہ جب آدمی پیروں کے بل لٹک رہا ہے تو چل کیسے سکتا ہے۔ لٹکنے کی حالت تو بالکل جبری ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ میں چل رہا ہوں سراسر غلط ہے۔ جبری حالت میں اسکا ارادہ بے معنی ہے۔ اسلئے کہ اس کی اپنی کوئی حرکت ممکن نہیں۔ یہ بات تو قرین قیاس ہے کہ جن تاروں میں اسکے پیر بندھے ہوئے ہیں وہ تار حرکت کرتے ہوں اور ان کے ساتھ پیر بھی حرکت کرتے ہوں۔ ان تاروں سے انسان کے ارادے کا کیا تعلق جب کہ انسان کو ان تاروں کا کوئی علم ہی نہیں۔ باوجود اتنی صریح غلطیوں کے وہ دعوے کرتا ہے کہ میرا سر بلندی کی طرف ہے، اور میرے پیر پستی کی طرف اور میں چلتا پھرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ایک بنوا بنالیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بنوا حقیقت ہے۔

دراصل نہ کوئی سمت ہے، نہ انسان حرکت کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ہاں صرف نیت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی نیت ہی میں لاشمار دعوے جمع کر لئے۔ انسان کے باقی تمام دعووں کا اس ہی دعوے پر قیاس کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہر مشاہدہ کو رد کیا ہے۔ جگہ جگہ فرمایا ہے "تم نہیں سمجھتے ایسا ہے، ایسا ہے اور تم نہیں دیکھتے۔" ایک جگہ فرمایا ہے "تم دیکھتے ہو پہاڑ اور گمان کرتے ہو کہ یہ جم رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآن پاک میں غیب فرمایا ہے وہ انسان کا غیب ہے، اللہ کا غیب نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ اللہ کے لئے غیب نہیں ہے تو اللہ کے لئے حضور ہے۔ جو اللہ کا حضور ہے وہ حقیقت ہے جو انسان پر منکشف نہیں ہے۔ اس لئے جو اسکا مشاہدہ ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔ اس ہی لئے غلط ہے۔ بدیں سبب ہر مشاہدہ کو رد کیا ہے۔ اب ساری حقیقت علم حضوری ہے۔ یہ علم حضوری اللہ کی طرف سے ملتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ قرآن پاک میں اس کی بھی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "جس نے ہمارے لئے جہد کیا ہے، ہم اس پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔"

قرآن پاک میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں:

ملکۂ سبا کے قصے میں ہے جب سلیمانؑ نے کہا اپنے درباریوں سے کہ تم میں سے کون اس کا تخت جلدی لا سکتا ہے تو جنات میں سے ایک نے کہا کہ جتنی دیر میں آپ دربار برخاست کریں، میں تخت حاضر کر دوں گا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک دوسرے شخص نے کہا پلک جھپکنے بھی نہ پائے گی کہ تخت یہاں موجود ہو گا.....

اور تخت آ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی خصوصیت بتائی ہے کہ وہ کتاب کا علم رکھتا تھا۔ جتنے صحائف آسمانی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو کتاب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں قرآن بھی ہے۔ چنانچہ قرآن میں یہ علم موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اور بار بار قرآن کو کتاب کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جو قرآن نہیں سمجھتے وہ جو بھی چاہیں کہیں۔ ان کی زبان کون پکڑ سکتا ہے لیکن قرآن خود ان کی تردید کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ تم عربی پڑھو اور قرآن کو قرآن کے الفاظ میں سمجھو۔ بغیر کسی تاویل اور بغیر کسی اثر کے بالکل غیر جانب دار ہو کر، اس تصور سے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔ جہاں تک سمجھنے کا سوال ہے، اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے لئے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی سمجھنے والا؟ یہ صلائے عام ہے۔ سورہ قمر میں چار مرتبہ یہ بات کہی گئی ہے۔ آمدم برسر مطلب۔ تم یہ بات سمجھ گئے ہو گے کہ سمت کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ انسان کی اپنی مفروضہ اور قیاس کردہ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے علم حضوری کے علاوہ کوئی علم موجود نہیں ہے۔ انسان کا حافظہ اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ علم حضوری کی کسی ایک طرز کو بھی اپنے اندر محفوظ کر لے۔ چنانچہ لوح محفوظ سے پھیلنے والا نور انسان کو اطلاعات فراہم کرتا ہے تو اپنی غرض اور مطلب برآری کے نقطۂ نظر سے کام لے کر ان اطلاعات ۹۹۹ فی ہزار تو رد کر دیتا ہے۔ ایک فی ہزار کو مسخ کر کے توڑ مروڑ کے حافظہ میں رکھ لیتا ہے۔ یہی مسخ شدہ اور بگڑے ہوئے خدوخال، اس کے تجربات کا، مشاہدات کا، عادات اور حرکات کا سانچہ بن جاتے ہیں۔ اب جتنی اطلاعات وہ اخذ کرتا ہے، ان ہی سانچوں میں ڈھلتی چلی جاتی ہیں۔ یہ ہے انسان کا تمام کارنامہ اور اس کی معین کردہ اور فرض کردہ سمتیں، فارمولے اور اصول۔ اس ہی خرافات کے بارے میں وہ بار بار یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ ہے میرا تجربہ، یہ ہے مشاہدہ، یہ ہے علم طبیعی۔

تمہارے ذہن میں یہ بات تو آگئی کہ جو نور پوری کائنات میں پھیلتا ہے اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جو کائنات کے ذرہ ذرہ کو ملتی ہیں۔ ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا، وہم و گمان وغیرہ وغیرہ زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔ انسان ہر طرز میں، ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغنیٰ رکھتا ہو..... مسخ کرنیوالی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ جہاں مصلحت نہیں ہے، وہاں استغنیٰ ہے، غیر جانبداری ہے اور اللہ کا شعار ہے۔ اب جو حرکت ہوتی ہے وہ پوری کائنات پر محیط ہے اور پوری کائنات میں عمل کرتی ہے۔

اس چیز کو پھر ایک دفعہ سمجھ لو۔ یہ کوئی باریک بات نہیں ہے۔ صرف توجہ کی ضرورت ہے۔

انسان کی ذاتی مصلحتیں اپنے لئے نور کی شعاعوں کو محدود کر لیتی ہیں۔ یہ محدود شعاعیں اپنا کائناتی عمل ترک نہیں کر سکتیں۔ وہ تو جاری رہتا ہے۔ اب انسان کا ایک باطل تصور جو اس نے شعاعوں سے وابستہ کر لیا ہے، غلط امیدیں بن جاتا ہے۔ یہی ناکامی ہے۔ یہی انسانی مصیبت ہے۔ سیدھی سادی بات ہے کہ جس نور کا تعلق ساری کائنات سے ہے وہ ایک فرد واحد کیلئے کیسے مخصوص ہو سکتا ہے۔ انسان اگر ذاتی اغراض کی قید و بند میں مبتلا نہیں ہے تو ان شعاعوں کو پوری کائنات پر محیط دیکھتا اور محیط سمجھتا ہے۔ چنانچہ شعاعوں کا اور اس کے زاویہ نظر کا ایک خاص ارتباط قائم ہو جاتا ہے۔ یہ ارتباط وہ شے ہے جو اللہ کے قانون کے زیر اثر شعاعوں کے لئے محل توجہ ہے۔ اب اس کے مفاد کا تحفظ شعاعیں خود کرتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر وہ کہے دن تو شعاعوں کو دن پیدا کرنا پڑے گا۔ اگر وہ کہے رات تو شعاعوں کو رات کی تخلیق کرنی پڑے گی۔ اللہ کا شعار شعاعوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ دو سنتیں پوری کریں.....

ایک کائنات کے لئے عمل کرنا، دوسری اس فرد کے مفاد میں عمل کرنا جس نے ان شعاعوں سے ارتباط قائم کیا ہے۔

جس وقت حضرت اویس قرنیؓ اور حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنیؓ سے درخواست کی تھی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کریں۔ اس پر حضرت اویسؓ نے دو سوال کیے۔

۱۔ ''یا عمرؓ! آپ اللہ کو جانتے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''ہاں میں اللہ کو جانتا ہوں۔''

۲۔ ''یا عمرؓ! اللہ بھی آپ کو جانتا ہے؟'' جواب دیا، ''اللہ بھی مجھے جانتا ہے۔''

ان دونوں باتوں کا مطلب بالکل واضح ہے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے اور کام پورا ہو جائے۔ وہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قدم صرف اللہ کے لئے اٹھایا گیا ہے یا اور بھی مصلحتیں شامل ہیں۔ اس میں جنت بھی ایک مصلحت ہے۔ اور بہت سی نیکیاں بھی مصلحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک نہیں پہچانتا جب تک کہ مقصد صرف اللہ کی ذات نہ ہو۔ اگر ایک آدمی کا مقصد جنت ہے تو جنت اسے جانتی ہے۔ کہتی ہے ''آؤ لبیک'' یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ روحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔

تم نے جو خواب لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

میں آپ کے قدموں میں بیٹھا رو رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ بابا جی! میری اماں کہاں گئی۔ میری اماں مجھے دلا دو۔

اطلاع کے تین حصے ہیں۔ ایک حصہ میری صورت ہے۔ دوسرا حصہ تمہاری اپنی صورت ہے۔ تیسرا حصہ اماں ہیں جو موجود نہیں ہیں۔ اطلاع کا انکشاف ہوتا ہے یہاں سے کہ تم ایک جگہ ہو۔ اس جگہ تمہاری حیثیت ایک ایسے سوال کی ہے جو بہت سے سوالات کا مجموعہ

ہے۔ اس مجموعہ کا نام ہے اماں یعنی زندگی کے بہت سے راستے جس نقطہ سے شروع ہوتے ہیں اور انسان یہ طے نہیں کر سکتا کہ مجھے کن راستوں پر سفر کرنا ہے۔ قدرتاً ماں کی پوزیشن یہی ہے کہ وہ زندگی کو ایک ایسے نقطے پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے جہاں سے زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ راستے لاشمار ہیں۔ انسان کے سامنے یہ مرحلہ ہے کہ وہ جس راستہ پر سفر شروع کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ راستہ غلط ثابت ہو جائے اور اسے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے۔ یہاں وہ اپنی روح سے رہنمائی چاہتا ہے لیکن روح کو کسی روپ میں مشکّل دیکھتا ہے کیوں کہ اسے ہر شے کو مشہود بنا کے دیکھنے کی عادت ہے۔ جن دنوں میں تم نے یہ خواب دیکھا ہے، ان دنوں میں ایسے خیالات کا زیادہ زور اور دباؤ رہا ہے۔ مذکورہ بالا خواب 19 جون کا ہے۔ ذہن پر یہ کیفیت ہفتوں پہلے سے مسلط تھی۔ اس کا جواب روح 7 جون کو خواب میں دے چکی ہے۔ 7 جون کا خواب تم نے اپنے الفاظ میں اس طرح دیکھا ہے:

ایک آدمی نے مجھے آ کے کہا کہ قبلہ بدر صاحب نے تم کو بلایا ہے۔ میں فوراً روانہ ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ دروازہ پر ایک عورت ملی۔ اس عورت نے کہا کہ بدر صاحب اس کمرے میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ بدر صاحب میز کے سامنے بیٹھے ہوئے کچھ کر رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ انہوں نے مجھے گلے سے لگالیا اور میری زبان اپنے منہ میں لے کر زور سے دبائی جس سے میری آنکھ کھل گئی۔

اس خواب میں مذکورہ سوالات کا پورا جواب موجود ہے۔ یعنی مستقبل میں اللہ کی طرف سے معاونت کا بندوبست ہو گا۔ غیب سے ایسا پروگرام بن جائے گا جو آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے کا ضامن ہے۔ ہر چیز بروقت ہوتی جائے گی۔ واضح طور پر اس خواب میں سب چیزیں موجود ہیں..... تمہارا بلایا جانا، درمیان میں کسی کی رہنمائی اور آخری منزل میں انسپائریشن (Inspiration) الہامی خیال، کی تکمیل غیب سے۔ یہ سارے ذرات خواب میں الگ الگ موجود ہیں۔ دنیا کے معاملات باقی رہے، وہ سارے کے سارے ان ہی کڑیوں کا ساز و سامان ہیں۔ ان کا بروقت موجود ہونا، عمل میں آنا یقینی ہے۔

تم نے حسب ذیل مراقبہ لکھا ہے:

۱۔ رات کو سبق پڑھتے ہوئے سارا جسم زمین سے اٹھ جاتا ہے۔ مگر جب آگے چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو گرنے لگتا ہوں۔

۲۔ جب آپ کا تصور کرتا ہوں تو آپ اور ناظم آباد کا پورا مکان میرے سامنے ہوتا ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ناظم آباد میں ہوں یا ناظم آباد اور آپ میرے پاس آ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

هدى للمتقين۔ الذين يومنون بالغيب ه

مفہوم: یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو اپنے اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔

غیب سے مراد وہ تمام حقائق ہیں جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں۔ وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد ذوق ہے۔ ذوق وہ عادت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ طبیعت کا تقاضہ پورا کرے۔ متقی سے وہ انسان مراد ہے جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بدگمانی کو راہ میں نہیں دیتا۔ وہ اللہ کے معاملے میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ اللہ کو بالکل الگ سے پہچانتا ہے اور اللہ کے کاموں کو بالکل الگ سے جانتا ہے۔ صحیح طور سے پہچاننے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ذوق موجود ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ

ہر انسان کے اندر یہ ذوق موجود نہیں ہے۔ در حقیقت وہی ذوق لائف اسٹریم (چشمۂ حیات Life Stream) ہے۔ اس ہی زندگی کی بناہے۔ انسان اسکو استعمال کرے یا نہ کرے یہ اس کی اپنی مرضی اور مصلحت ہے۔

یہ ذوق ہی انسان کے اندر بستا ہے ورنہ انسان خلاء ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد کیا ہے: "میں نے انسان کو بجتی مٹی سے بنایا ہے۔"

یہاں مٹی کی نیچر (فطرت Nature) بیان کی ہے جو خلا ہے۔ اب یہ بات تمہارے لئے سمجھنا بہت آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے، نہ ذوق کے لئے فاصلہ کوئی معنی رکھتا ہے۔ نہ ذوق زمین آسمان کی حدود کا پابند ہے۔ نہ اسے وقت پابند بنا سکتا ہے۔ یہی ذوق چلتا پھرتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ انسان اس سے اس وقت تک متعارف نہیں ہوتا جب تک اس سے تعارف حاصل نہ کرے۔ جب تعارف حاصل کر لیتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی ذوق انسان ہے۔ یہ پوری کائنات میں آزاد ہے۔ فرشتوں کا سربراہ ہے۔ اللہ کی بہترین صنعت ہے اور کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ نہ وہ پیروں سے چلنے اور ہاتھوں سے پکڑنے کا پابند ہے۔ نہ وہ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا محتاج ہے۔ یہ ساری خرافات انسان نے آپ ہی تخلیق کی ہیں اور آپ ہی ڈھول بجاتا پھرتا ہے کہ ہائے میں تو بالکل مجبور ہوں۔ تم یہ سوچو گے کہ کتنے ہی آدمی جو اللہ تعالیٰ سے تعارف حاصل کر سکے وہ تو بہر صورت آزاد نہیں ہیں۔ انہیں ہر معاملہ میں آزاد ہونا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ آزاد ہیں مگر ساتھ ہی وہ نوع انسانی کے معاشرے کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہر دور میں اس ہی کمزوری نے ایسے لوگوں کی آزادی کو ادھورا رکھا ہے۔

جس کا نام زید ہے وہ اس ہی ذوق کا پیٹرن (طرز، Pattern) ہے۔ کوئی پیٹرن ساکت و صامت پنجرہ نہیں بلکہ بولتا، چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، سوچتا سمجھتا انسان ہے۔ فرش سے عرش تک اس کا ایک قدم ہے۔ سوئی کا روزن اور آسمانوں کی کھلی فضا ایک ستارہ سے دوسرے ستارے تک کا فاصلہ اس کے لئے ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ وہ نہ کہیں رکتا ہے، نہ کھٹکتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ خود کو جانتا نہیں کہ میں کیا ہوں اور کائنات کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نوع انسانی پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ان تمام رازوں کو واشگاف کر کے رکھ دیا۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ سب راز انہوں نے از خود منکشف کر دیئے تھے بلکہ ان پر اللہ نے کھولے جن کو من و عن انہوں نے قرآن کی صورت میں ریکارڈ کرا دیا۔ انہوں نے ساری زندگی کی جفاکشی سہہ کر اس امانت کو نوع انسانی کے حوالے کیا۔ نوع انسانی نے جو قدر کی ہے، وہ ظاہر ہے۔

اللہ نے اس ہی علم کو کتاب کا علم فرمایا ہے۔ ہر انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، چاہے اس کا نام زید ہو، بکر ہو یا عمر ہو۔

تم نے لکھا ہے کہ چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو گرنے لگتا ہوں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ابھی تم انسان سے اچھی طرح متعارف نہیں ہو جو حقیقی انسان ہے۔

تم یہ خط بغور پڑھنا۔ اگر کوئی لفظ یا طرز بیان تمہیں مشکل محسوس ہو اسے بار بار پڑھ کر سمجھ لینا۔ رات کے وقت فرصت میں بیٹھ کر حرف بحرف اس خط کی نقل کرنا اور وہ نقل اپنی فائل میں محفوظ کر لینا۔ اس خط کی نقل کرنا تمہارے لئے اشد ضروری ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عبارتیں اور مفہوم اچھی طرح تمہارے حافظے میں منتقل ہو جائیں۔ پھر اس نقل کا بار بار پڑھنا بھی ضروری ہے۔ جب تم اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کو بار بار پڑھنے میں آسانی محسوس کرو گے اور ذہن کو لفظوں کے معانی میں مرکوز رکھ سکو گے، میرے لکھے ہوئے لفظوں کو پڑھنے میں ذہن پر الگ سے جو بار پڑ سکتا ہے اس بار سے تمہارا ذہن محفوظ رہے گا۔

سلسلہ کے سب بہن بھائی تمہیں یاد کرتے ہیں اور مزاج پوچھتے ہیں۔

بہت یاد سے

دعا گو

حسن اخریٰ محمد عظیم

1 بجے شب، 19 اگست 1963ء

قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط اور آپ کا جواب

عبدالقیوم عظیمی صاحب نے 1963ء میں ڈھاکہ سابقہ مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش سے حضور قلندر باباولیاءؒ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے دو خط ارسال کئے۔ ان دونوں خطوط کا جواب حضور باباصاحبؒ نے ایک ہی خط میں ارشاد فرمایا۔ یہ خط اس حوالہ سے انتہائی اہم ہے کہ اس میں حضور قلندر باباولیاء نے قرآن کی آیات کی تفسیر کے ذریعہ سے اہم ترین نکات بیان کیے ہیں۔

مکتوب بنام حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ

رفیع الشان، صاحب جمال، پیرومرشدیاسیدی، ابدال حق حضور قلندر باباولیاء!

بندہ خدمت بابرکت میں سجدہ غلامی پیش کرتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت عالی یہ ہے کہ آج کل میں صبح دس پندرہ منٹ کلام پاک کا ترجمہ پڑھ رہا ہوں اور اس پر کچھ غور بھی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس طرح دو باتیں ایسی سامنے آئی ہیں جو کہ تشریح طلب ہیں۔ ان پر غور کرنے سے کچھ سمجھ نہیں آسکی۔ برائے کرم ان پر روشنی ڈال کر مشکور فرمائیں تاکہ بات ذہن میں آسکے۔

(1)... اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اکثر نماز کے قائم کرنے پر زور دیا ہے پھر کئی جگہ یہ بھی حکم دیا ہے کہ میری بندگی کرو۔ رکوع کرو۔ اور سجدے کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صبح وشام میرے نام کی تسبیح پڑھو۔

اب ذہن میں جو سوالات ہیں وہ یہ ہیں کہ ہمارے سامنے نماز کا جو نقشہ ہے یا جو ہم کو ذہن نشین کرایا گیا ہے یہ وہ ہے جو کہ آج کل نماز پڑھی جارہی ہے۔ اس عمل میں رکوع، سجدہ اور تسبیح پڑھنا سب کچھ شامل ہے۔ جب سب عمل اس ایک ہی نماز میں شامل ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف جگہوں پر الگ الگ عمل کے لئے حکم دیا؟۔

اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو حکم دے رہے ہیں وہ اس موجودہ طرز عمل سے ضرور مختلف ہوگا۔ (موجودہ طرز عمل سے میری مراد نماز سے ہے جو کہ ہم پڑھتے ہیں)۔

اگر وہ حکم اسی نماز سے متعلق ہے تو پھر اس کو مختلف جگہوں پر مختلف احکامات کی شکل میں نازل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صرف نماز کے متعلق ہی حکم کافی تھا۔

ذہن اس کی کوئی تسلی بخش توجیہہ پیش نہیں کرسکا۔ اس لئے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس پر روشنی ڈالیں۔ اس مسئلے نے عرصہ سے میرے ذہن میں انتشاری کیفیت پیدا کررکھی ہے۔

(2)....پارہ نمبر دس، سورہ التوبہ، آیت نمبر 36 –

اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں...

" مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں- اللہ کے حکم میں جس دن پیدا کیئے آسمان و زمین ان میں چار ہیں ادب کے یہی ہے سیدھا دین سو اس میں ظلم نہ کرو اپنے اوپر اور لڑو مشرکوں سے ہر حال جیسے وہ لڑتے ہیں تم سے ہر حال- اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے-"

برائے کرم اس آیت کی مفصل تشریح فرمادیں- اللہ تعالیٰ جو فرماتے ہیں کہ،

"اللہ کے حکم میں جس دن پیدا کیئے آسمان و زمین ان میں چار ہیں ادب کے "

اس کا کیا مفہوم ہے؟ اس کی کچھ سمجھ نہیں آسکی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کن مہینوں کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں، کن ادب والے مہینوں کا ذکر ہے؟ ان میں کیا افضلیت ہے؟

عبدالقیوم عظیمی

ڈھاکہ.. 19-9-1963

جواب۔ من جانب حضور قلندر باباولیاء رحمۃ اللہ علیہ

1 D،7/1 ناظم آباد- کراچی نمبر- 18

مورخہ 13 اکتوبر 1963

بردار بجان برابر

السلام علیکم

ہم لوگ آپ کے لئے دست بدعا ہیں- آپ کا مرسلہ منی آرڈر مبلغ پچاس روپے کا وصول ہو گیا- اطلاعاً عرض ہے- میں نے آپ کے دونوں خطوط نمبر 55 اور 56 مرشد کریم حضور قلندر باباولیاءؒ کو پڑھ کر سنائے- حضرت نے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا من و عن تحریر کر رہا ہوں-

کوئی فکر نہ کیجئے انشاء اللہ صحت از خود ٹھیک ہو جائے گی- چند روز علی الصبح معمولی گرم پانی میں ہلکا نمک ڈال کر غرارے کر لیا کریں- بالکل نہار منہ، غراروں کے ایک گھنٹہ کے بعد یا کم از کم آدھے گھنٹہ کے بعد ناشتہ اور چائے وغیرہ نوش کریں

بعض اوقات جسم میں کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں- یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ کیمیاوی تبدیلیاں یا روشنیوں میں تبدیلیاں ایک ہی بات ہے- گویا جسمانی تبدیلیاں کیمیاوی تبدیلیاں کہلاتی ہیں- اور روح میں تبدیلیاں روشنیوں کی تبدیلیاں سمجھی جاتی ہیں۔ بات ایک ہی ہے- معانی میں کوئی فرق نہیں صرف طرز بیان کا فرق ہے- جب ہم محسوسیت کی زبان میں بات کرتے ہیں تو جسم کہتے ہیں- دراصل کوئی محسوس اور غیر مرئی محسوس ایک ہی چیز ہے- بالکل اسی طرح جس طرح روح اور جسم ایک ہی چیز ہے...

جب حواس عمل کرتے ہیں تو محسوس دنیا زیر بحث آتی ہے اور جب ورائے کائنات کی قوت جس کو ذات بھی کہتے ہیں عمل کرتی ہے تو ذہن اور فکر، خیال وغیرہ وغیرہ کام کرنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ روح دو دائروں میں کام کرتی ہے۔

ٹھوس اور محسوس طرز پر۔

غیر مرئی اور غیر محسوس طرز پر۔

چنانچہ ہم ایک کو محسوس دنیا اور دوسری کو غیر محسوس دنیا سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی غیر محسوس دنیا ہمارے نزدیک ناقابل اعتبار ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں قابل اعتماد بھی ہیں اور ناقابل اعتماد بھی۔ جہاں تک ہماری فکر صحیح کام کرتی ہے یعنی ہم فکر سے صحیح کام لیتے ہیں وہاں تک دونوں قبل اعتماد ہیں۔ انحصار ہماری اپنی غلط یا صحیح طرز فکر پر ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہی بات سکھائی ہے۔ اسی چیز کی وضاحت کی ہے۔ اور یہی تعلیم دی ہے۔ وحی کا منشاء یہ ہے کہ انسان صحیح طرز فکر اختیار کرنے کے لائق ہو جائے۔

آپ نے مراقبہ کی ایک کیفیت میں مختلف آوازوں کا تذکرہ کیا ہے۔ دراصل یہ آوازیں آنے والے طوفانوں کی تھیں۔ کیمیاوی اور روحانی روشنیوں کی خاص تحریکات کی وجہ سے آپ کی سماعت نے ورائے صوت آوازوں کو سننا شروع کر دیا۔ اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی آوازیں آنے لگیں۔ طبیعت میں لاشعوری طور پر ان آوازوں سے SENSATION پیدا ہو گیا۔ بالکل اس طرح جس طرح طوفان کو سامنے دیکھ کر SENSATION پیدا ہو جاتا ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جس SENSATION کا انسان عادی نہیں ہوتا وہ اعصاب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اثر چند دن رہتا ہے پھر زائل ہو جاتا ہے۔ یہی آپ کے ساتھ کئی مرتبہ ہوا ہے۔ انشاء اللہ اس کا کوئی نقصان آپ کو نہیں پہنچتا۔ رفتہ رفتہ عادت پڑ جائے گی۔ پھر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ نیز ورائے صوت آواز سنتے سنتے طبیعت دیکھنے بھی لگتی ہے۔ اور وہ منظر سامنے بھی آ جاتا ہے۔ اسی حالت کا نام شہود ہے۔ جب ان چیزوں پر عبور حاصل ہو جاتا ہے تو ارادہ کے ساتھ عمل ہونے لگتا ہے یعنی جس طرف توجہ مبذول ہو جاتی ہے اس سمت میں مستقبل کے حالات، مستقبل کے مشاہدات آوازوں اور نگاہوں کے ذریعہ ذہن میں داخل ہونے لگتے ہیں۔ یہی کشف ہے۔ پھر ذات یا طبیعت جس چیز کو ناپسند کرتی ہے اس کو اپنی گرفت میں لے کر بدل ڈالتی ہے اور آنے والے مظاہر میں اسی قسم کی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ ذات اس لئے ردوبدل کر سکتی ہے کہ وسیع تر دائرہ میں عمل کرتی ہے۔ اسی دائرہ میں جس میں قدرت عمل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے انسان میں اپنی روح پھونکی وہ اسی صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

جب یہ کیمیاوی یا شعاعی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو طبیعت یک بیک ان کی عادی نہیں ہوتی۔ رفتہ رفتہ یہ چیزیں معمول بنتی ہیں۔ کچھ دن کے لئے ورائے حواس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ غلبہ کم ہو جاتا ہے۔ جب تک رد عمل برقرار رہتا ہے طبیعت اس کو نہیں دہراتی۔ پھر جب رد عمل ہو چکتا ہے تو دہرانے لگتی ہے اور رد عمل کے دوران طبیعت اور چیزوں سے گریز کرنے لگتی ہے اور تساہل پسندی کی طرف رجحان ہونے لگتا ہے. معمولات میں فرق آ جاتا ہے۔ کوشش کر کے معمولات کو برقرار رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ خود حفاظت کرتے ہیں۔ کوئی پریشن ہونے کی بات نہیں۔ سارے معمولات بحال ہو جائیں گے اور پہلی سی چستی اور مستعدی پیدا ہو جائے گی۔ رد عمل محض وقتی ہوا کرتا ہے۔

ورائے حواس کی طرف جب میلان ہوتا ہے تو ہر وہ چیز زیادہ قریب ہو جاتی ہے جو ورائے حواس کی سطح سے تعلق رکھتی ہو- معصوم بچوں کے چہروں میں ورائے حواس کا عمل لاشعوری طور پر نظر آتا ہے- اس لئے طبیعت اس طرف کھنچتی ہے۔

پارہ سیقول رکوع نمبر6 کی پہلی آیت: **لیس البر ان تولو وجوھکم** سے شروع ہوتی ہے- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشرق کی طرف منہ کرنا یا مغرب کی طرف منہ کرنا نیکی نہیں ہے- یہاں غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق کی طرف منہ کرنا یا مغرب کی طرف منہ کرنا تو کہتے ہیں اور صرف ایک لفظ صلوٰۃ استعمال نہیں کرتے- حالانکہ لفظ صلوٰۃ استعمال کرنا بہت سادہ اور مختصر طریقہ تھا- وجہ یہ ہے کہ اس طرز عمل کو اللہ تعالیٰ صلوٰۃ قرار نہیں دیتے۔ دوسرے موقع پر بالکل اسی طرح فرماتے ہیں: "رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ، سجدہ کرو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ"

وہاں بھی نہیں فرماتے کہ صلوٰۃ کرو صلوٰۃ کرنے والوں کے ساتھ، جس کے واضح معنی یہ ہیں کہ رکوع اور سجود کو بھی اللہ تعالیٰ صلوٰۃ قرار نہیں دیتے ہیں- اب یہ سمجھنا لازم آگیا کہ صبح شام تسبیح کرنا، رکوع و سجود کرنا یا مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا ہی صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ پوری طرز زندگی کا نام ہے۔ ایسا طرز زندگی جو قرآن کے مطابق ہو کیونکہ صلوٰۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ قائم کرنے کا لفظ استعمال کیا ہے-

قائم کرو صلوٰۃ، قائم کرو صلوٰۃ، قائم کرو صلوٰۃ- کہیں نہیں فرمایا کہ پڑھو صلوٰۃ یا ادا کرو صلوٰۃ- البتہ اسی طرز زندگی میں صبح شام اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح کرنا بھی شامل ہے۔ اگر کوئی صاحب چاہیں تو دن رات میں کئی مرتبہ اللہ کے نام کی تسبیح کریں بشرطیکہ صلوٰۃ کے سارے اجزاء کی تکمیل کرلی ہو اور صلوٰۃ کی ساری ذمہ داریاں پوری کر دی ہوں جو پوری زندگی کو محیط ہوں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تسبیح کو رکوع، سجود اور قیام تین حالتوں پر تقسیم کر دیا ہے- یعنی میرے سامنے کھڑے ہو- اور میری عظمت کا اعتراف کرو- جھک جاؤ اور میری عظمت کا اعتراف کرو- سجدہ کرو اور میری عظمت کا اعتراف کرو- لیکن یہ صلوٰۃ کا صرف ایک جزو ہے۔

سورہ التوبہ آیت نمبر 36 کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں- یہ باتیں قرآن سے باہر نہیں ہیں- قرآن میں ان کا تذکرہ موجود ہے- جہاں کہیں جس چیز کا تذکرہ آیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر روشنی ڈالی ہے- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ارض و سماء دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

سورہ الحجر آیت نمبر 10 سے 23 تک مطالعہ کیجئے-

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی یہ پرانی عادت ہے کہ جب کوئی ہمارا قاصد ان کے پاس پیام لے کر جاتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں...

ان لوگوں کی بے یقینی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ہم آسمانوں کے دروازے کھول دیں اور ان کو چڑھنے کے لئے زینہ مل جائے پھر یہ سارے دن چڑھتے رہیں مگر یہی کہے جائیں گے کہ ہماری نگاہ پر جادو کر دیا ہے- ہم تو نظر بندی میں مبتلا ہو گئے ہیں...

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں کے الگ الگ حصے کر دیئے ہیں اور ان کو مختلف طرزوں پر آباد کیا ہے البتہ اس آبادکاری کو نظر والے ہی دیکھ سکتے ہیں اور جو شیطان مردود بے یقین ہیں ان کی نگاہ سے ان آبادیوں کو مخفی کر دیا ہے- یہ ان بستیوں کو دیکھ نہیں سکتے لیکن جو لوگ چور دروازوں سے ان آسمانوں میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا...

ہم نے زمین کو TENSOR CALCULUS بنایا ہے یعنی غبارے کی طرح اس کے اندر ہوا بھر دی ہے ایسی ہوا جو محسوسیت کی حد سے باہر ہے اور اس کے اندر کشش ثقل GRAVITY پیدا کر دی ہے یعنی مختلف اور معین پریشر ڈال دیا ہے۔ چنانچہ اسی پریشر کی مناسبت سے ہم نے زمین کی حدود میں متعین اور مختلف روئیدگیاں پیدا کر دی ہیں (روئیدگیوں سے مراد نباتات، جمادات، حیوانات ہیں) ساتھ ہی ساتھ معین روئیدگیاں ایک دوسرے کے لئے معاش ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ معاش تم نہیں دیتے ہو ہم دیتے ہیں- اس لئے کہ معاش کے ذرائع ہم نے پیدا کئے- ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں جن کی تقسیم کا طریقہ ہم ہی جانتے ہیں۔ یہ طرزیں بہت ہیں جن کو تم بھی محسوس کر سکتے ہو مثلاً ان ہواؤں کو تم محسوس کرتے ہو جن میں LIFE STREAM ہے یعنی ماء جو ہم آسمانوں سے نازل کرتے ہیں- یہ وہی ماء ہے جو تمہارے لئے حیات بنتا ہے- تمہارے پاس اس LIFE STREAM یعنی ماء کا کوئی خزانہ نہیں ہے- ہم اسی LIFE STREAM کو دے کر زندہ کر دیتے ہیں اور جب واپس لیتے ہیں تو آدمی مر جاتا ہے۔ اور ہم ہی ہیں جو ان معاملات میں تمہاری سرپرستی کرتے ہیں- تمہارے کاموں کو پورا کرتے ہیں اور تمہاری چیزوں کو سرانجام تک پہنچاتے ہیں۔

مذکورہ آیات کی روشنی میں آسمانوں اور زمین کے وقفوں میں اللہ تعالیٰ نے معین طرزوں کی تقسیم کی ہے- انہی وقفوں کی حسب ذیل وضاحت کی ہے-

سورہ التوبہ آیت نمبر 36 - ہم نے زمین آسمان بناتے وقت ہی ان کے اندر بارہ مہینوں کی ترتیب رکھ دی تھی- یعنی ردوبدل ریکارڈ کر دیا ہے جو ہمارے ہی قبضے میں ہے- کوئی دوسرا ان میں گھٹا کر یا بڑھا کر آثار و احوال میں تبدیلی نہیں کر سکتا- یہی مستقل طرزیں ہیں- گویا اللہ کی غیر مبدّل سنّت- جو قائم اور جاری ہے۔ انہی مہینوں میں وہ چار مہینے ہیں جو آثار و احوال کی مناسبت سے قابل لحاظ ہیں- پہلا مہینہ اور آخر مہینہ- اور دو درمیان کے مہینے شعبان اور رمضان- ان چار مہینوں کے آثار و احوال یہ ہیں کہ شعبان اور رمضان میں پورے سال کے انتظامات کی PLANNING کی جاتی ہے۔ ذوالحجہ اور محرم میں اس PLANNING کی جانچ پڑتال ہوتی ہے- ان ہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ گھٹانے بڑھانے والوں کی بات مت مانو- یہ لوگ جو ہر چوتھے سال کو بارہ مہینے کی بجائے تیرہ مہینے کا سال کر دیتے ہیں ناقابل اعتماد ہے- ان کے طرز عمل کا اتباع مت کرو- یہ تم سے تعاون نہیں کرتے تم ان سے تعاون نہ کرو- اگر تم ان کے ایسے اقدامات کا ساتھ دوگے جو تمہارے لئے مضر ہیں تو اپنے اوپر ظلم کروگے-

اس خط کے بعد آپ کا دوسرا خط 8 اکتوبر 1963 کا تحریر کردہ موصول ہو گیا۔ خوابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کائنات میں ہر چیز کی ذات ہے اور وہی حقیقی ہے- خواہ وہ ذرہ میں ہو یا انسان میں- اس کی دو طرزیں ہیں- ایک طرز فکر محسوسیت کے دائرہ میں عمل کرتی ہے اور دوسری ورائے محسوسیت میں یا حقیقت میں عمل کرتی ہے- حقیقت میں جو عمل ہے وہی فعال ہے- وہی تخلیق کرتا ہے- اس کی تخلیقات کس قدر ہیں اس کی تفصیلات تمام قرآن پاک میں جابجا بکھری ہوئی ہیں- جب قرآن پاک پڑھیں تو تھوڑا سا پڑھیں اور بہت غور و فکر کے ساتھ پڑھیں یعنی زیادہ سے زیادہ وقت لگا کر- کبھی یہ خیال نہ کریں کہ جو کچھ معانی علم لدنی سے ناواقف علماء حضرات نے لکھ دیئے ہیں وہ کافی اور وافر ہیں- وہ اکثر قیاسی ہیں- چونکہ قیاسی ہیں اس لئے غلط ہیں- اگر صحیح ہیں تو ناکافی ہیں-

زیادہ تر عربی کے الفاظ جو اردو میں بڑی حد تک مانوس ہیں آپ انہی کی حدود میں اور انہی کی گہرائی میں غور کرنے کی عادت ڈالیں تو علماء حضرات کے کیئے ہوئے معانی پر انحصار کرنا نہیں پڑے گا۔

اب محسوسیت کا مسئلہ باقی رہا۔ یہ زوائد میں سے ہے۔ اس کی تشریح مختصراً اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جس صلاحیت کو آپ بیدار کرلیں اور جتنا کرلیں اتنا کام کرتی ہے۔ جو شخص انجینئر ہونا چاہے ہو جاتا ہے اور جس درجہ کا ہونا چاہے ہو جاتا ہے۔ اگر بہت کوشش کرے تو بہت اچھا ہو جائے گا نہیں تو معمولی فنکار رہ جائے گا۔ اس طرح آدمی اپنی صلاحیتوں کی حقیقت اور مکمل کارکردگی سے بے خبر رہتا ہے۔ وہ اپنی ذات کا کوئی جائزہ نہیں لے سکتا۔ یہ نہیں جان سکتا کہ اس کی ذات کہاں تک محیط ہے۔ یہ انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے کہ اس نے محسوسیت کو میڈیم بنا رکھا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے استعمال کرے اور جتنا زیادہ چاہے استعمال کرے۔ البتہ یہ بہت بڑا سقم ہے کہ وہ اس پر ہی اپنی ذات کو منحصر کردے۔ جب ذات کو محسوسیت پر منحصر کر دیا جائے گا تو ذات بالکل معطل ہو جائے گی اور انسان محسوسیت کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گا۔ اب محسوسیت کھلونے کو توڑ دے یا محفوظ رکھے یہ اس کی مرضی ہے۔ فی الواقع غلامی کو ساری دنیا برا سمجھتی ہے لیکن تمام نوع انسانی نے محسوسیت کی غلامی کا طوق فخریہ اپنے گلے میں پہن رکھا ہے۔ خواب اور خیال سے فائدہ نہ اٹھانے کا اصل سبب یہی ہے۔ بات یہ ہے کہ خواب ورائے محسوسیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اسے محسوسیت ناپسند کرتی ہے اور جب یہ انسان کی زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح بیداری کا عمل داخل ہوتا ہے تو محسوسیت ہر طرح کی رکاوٹ ڈالنے لگتی ہے۔ اور ہر دروازہ میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے تاکہ ورائے محسوسیت عملی زندگی میں داخل نہ ہو سکے۔ انسان محسوسیت کے ذریعے ہی کسی چیز کو دیکھتا، سنتا، سمجھتا ہے۔ چنانچہ جب ورائے محسوسیت کے ذریعہ کوئی چیز زندگی میں داخل ہونا چاہتی ہے تو محسوسیت اس چیز کی صورت مسخ کر دیتی ہے۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کے قریب جانے کی بجائے اس سے دور بھاگتا ہے اور وہ چیز کامن سینس نہیں رہتی بلکہ پراپر سینس بن جاتی ہے۔ کامن سینس کا مطلب یہ ہے کہ سب انسان اس کو دیکھیں، چھوئیں اور یکساں طریقہ پر سمجھیں۔ اور پراپر سینس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اس کو دیکھ رہا ہے، سمجھ رہا ہے، چھو رہا ہے اور دوسرا شریک عمل نہیں ہے۔ یہاں سے ورائے محسوسیت کی قیمت ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ نوع قیمت نہیں لگاتی۔ فرد قیمت لگاتا ہے۔ فرد کا قیمت لگانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ فرد کی نگاہ میں بھی محسوسیت نے ورائے محسوسیت کی شکلیں مسخ کرکے پیش کیں تاکہ وہ سمجھے کہ یہ بات واقعاتی نہیں تھی فضول تھی۔ اس پر اعتماد نہ کرے اور فائدہ نہ اٹھا سکے

۔

اندازہ لگایئے جو خواب انسان دیکھتا ہے اور جو خیال انسان کے ذہن میں آتا ہے وہ کس قدر مسخ اور کتنا بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ جس گمشدہ نوجوان کے بارے میں آپ نے معلوم کیا ہے، وہ یورپ میں ہے، زندہ ہے لیکن اس کے مالی حالات اچھے نہیں۔ غالباً وہ اگلے سال تک وطن واپس آجائے گا۔ اس نے گھر سے جس طرح کی لاتعلقی اختیار کرنا چاہی تھی وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہی اسباب اس کو وطن واپس لے آئیں گے۔ آپ اتنی ہی بات ان حضرات کو بتادیں۔

درجہ بدرجہ سب کو سلام و دعا۔

قلندر حسن اخریٰ محمدؐ عظیم برخیا۔

مرشد کریم حضور حسن اخریٰ محمدؐ عظیم برخیا قلندر باباولیاء ابدال حق خیریت سے ہیں اور آپ کے لئے دعا فرماتے ہیں۔
بہ قلم: خواجہ شمس الدین عظیمی
13-10-63

بخدمت جناب عبدالقیوم عظیمی صاحب
مولوی بازار۔ ڈھاکہ۔ (مشرقی پاکستان)

مکتوب گرامی: اسی طرح آپ کے ایک خط کا نمونہ جو آپ نے حُریت کراچی کے قاری کے جواب میں لکھوایا اور ۷ جولائی ۱۹۷۸ کو روحانی علاج کے کالم میں شایع ہوا تھا: خط کا متن پیش ہے۔

نوع انسانی کا طرز کلام جتنا محدود ہے اور اس کے اندر جتنی خامیاں ہیں، ہم ان پر غور نہیں کرتے۔ ممکن ہے ہماری نوع اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتی ہو یا اس طرف توجہ کرتی ہو تو اس طرح جیسے کوئی خلا میں جھانکتا ہے اور جھانکنے کو فضول سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔ مثال: ہم کبھی افسانوی زبان میں یا واقعاتی تذکروں میں کہتے ہیں کہ ہمارا گزر ایک بہت بڑے اور گھنے جنگل سے ہوا۔ اس جنگل میں سائے تھے اور تیز ہوا کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ تاریک راتوں میں جب ہوا رک جاتی تو جنگل بھیانک سناٹے اور موت کا نمونہ بن جاتا۔ آپ ان جملوں کو چند بار پڑھیئے اور غور کیجئے کہ بیان کرنے والے نے فی الواقع کوئی صحیح اور معین بات کہی ہے؟ یا قارئین کو صرف اندھیرے میں پھینک دیا ہے۔ بیان کرنے والے نے یہ بات بالکل نہیں بتائی کہ جنگل میں کون کون سے درخت تھے۔ ان کا قد و قامت، ان کا رنگ و روپ، ان کے پھول پتیاں کس وضع کی تھیں اور ان درختوں سے ملحق کون کون سے پرندے، کس قسم کے جانور اور ان کی شکل و صورت کیا تھی۔ زمین اور چھوٹے پودے اور زمین پر اگی ہوئی گھاس، زمین کا اتار چڑھاؤ، زمین پر بہنے والا پانی، نرم ریت اور سخت پتھریلے علاقوں کے نقش و نگار کیا تھے۔ اس جنگل میں کتنے آبشار، کتنے پہاڑ، کتنے ٹیلے اور کتنے ریگ زار تھے۔

قارئین کبھی یہ نہیں سوچتے کہ بات کس قدر بے سروپا کہی گئی ہے حالانکہ وہ عبارت پڑھنے کے بعد کچھ نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ جنگل کا ایک تصور ذہن میں بنا اور ذہن اس سے چمٹ کر سو گیا۔ اور صرف ایک سیکنڈ یا ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں جاگ اٹھا اس امید پر کہ آگے اور کیا پیش آیا، قصہ گو اور کیا کہے گا۔ قارئین اس مقام تک پہنچ کر مگن ہو جاتے ہیں اور افسانہ نویس یا مقرر کی تعریف کرنے لگتے ہیں۔ اس قسم کی بھول بھلیاں علم کے تمام میدانوں میں عام ہیں۔ انہیں بھول بھلیوں سے متعلق انسان نے کروڑ در کروڑ کتابیں لکھ ڈالیں، کھرب در کھرب تقریریں کر ڈالیں اور سنکھ در سنکھ روزمرہ گفتگوؤں کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اب ذرا سنتے جایئے، تاریخ انسانی کیا کہتی ہے؟ یہ وہ تاریخ ہے جو نوع انسانی کے تمام علوم کی نشاندہی کرتی ہے۔

ہزاروں سال پہلے کا دور:

ماہ پرستی اور ستارہ پرستی کے دور میں کہا گیا کہ زمین ٹھہری ہوئی ہے، سورج گردش کرتا ہے- یہ بہت پرانا دور تھا، ہزاروں سال پہلے کا دور- پھر ایک دور آیا- انجانی قوتوں سے ڈرا ہوا انسان کہنے لگا میری ساری گردشیں دیوتاؤں کی قوت سے سرزد ہوتی ہیں- اس دور کے انسان نے یہ بھی کہا کہ کہیں نہ کہیں روحوں کا مرکز ہے- اس ہی مرکز سے انسان کی قسمت وابستہ ہے، ستاروں کی قسمت وابستہ ہے، پہاڑوں، درختوں، دریاؤں اور جانوروں کی قسمتیں وابستہ ہیں- ہوائیں اور روشنیاں بھی اسی مرکز ارواح سے ملتی ہیں- رفتہ رفتہ ان روحوں کی شکل وصورت معین کی گئیں- دیوتاؤں کے مجسمے بنائے گئے- بت پرستی عام ہوتی چلی گئی۔ فیثا غورث اور تھیس کا زمانہ آیا تو انہوں نے کہا یہ ستارے کیا ہیں؟ مادہ کیا ہے؟ یہ کائنات کیا ہے؟ مادی ذرات کا مجموعہ ہے- اب انسان کچھ فلسفیانہ اور طبعی طرزوں پر باتیں کرنے لگا- ان کا خیال یہ تھا کہ آدمی کی آنکھوں سے روشنیاں طلوع ہو کر چیزوں کو دیکھتی اور پہچانتی ہیں- تمام نوع انسان میں لاکھوں باتیں کرنے والے حکماء، فلسفی، ہیئت داں، طبیعاتی ماہرین وغیرہ پیدا ہوئے اور کچھ نہ کچھ کہتے رہے- ان میں اختلاف رائے تھا کیوں؟

اس لئے کہ حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا- حقیقت صرف ایک ہو سکتی ہے- ہزاروں، لاکھوں نہیں ہو سکتیں- اگر یہ لوگ حقیقت سے واقف ہو جاتے تو اختلاف رائے ہر گز نہیں ہوتا-

سورج مرکز ہے، زمین مرکز نہیں...

اب سورج کی پرستش شروع ہو گئی- کوپر نیکس آفتاب پرست تھا- اس نے کہا سورج مرکز ہے- زمین مرکز نہیں ہے- پیشتر بھی یہ بات کہی گئی تھی لیکن کوپر نیکس نے زیادہ زور دے کر ہیئت کو نقشہ بدل کر پیش کیا- آئزک نیوٹن کا زمانہ آیا- اس نے کہا کشش ثقل اور میکانکیت فطرت کا اسلوب ہے- نیچر (Nature فطرت) میں گراریوں کے ذریعے عمل ہو رہا ہے- صدی گزرنے لگی تو اہل فن نے کہنا شروع کر دیا کہ فطرت کے تمام مظاہر کمانیوں اور گراریوں پر عمل پیرا نہیں ہیں- نیوٹن کے بعد دوسری صدی آئی تو اس کے وضع کردہ جذب وکشش اور مقناطیسیت بھی بحث طلب امور بن گئے۔ بائیس سو برس پہلے دیمقراطیس (Democritus) نے جو بات کہی تھی کہ مادہ کا آخری ذرہ جزو لا تجزیٰ ہے، وہ ٹوٹ نہیں سکتا- یہ بات پھر لوٹ آئی مگر امتداد زمانہ کے ہاتھوں یہ تھیوری (Theory، نظریہ) پامال ہو چکی تھی- سائنس دانوں نے کہا جوہری نظام قابل قبول ہے- مگر جوہری نظام کا آخری مرحلہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ جاننا ضروری ہے اور جوہر کو توڑنے کی جدوجہد شروع ہو گئی-

فرائڈ کا نظریہ:

نفسیات دانوں نے باصرہ، لامسہ اور سامعہ کے مہیجوں کا سہارا لینا شروع کر دیا- فرائڈ نے اپنے دور سے پہلے لوگوں کی کہی ہوئی باتوں پر تو سیعی تانا بانا تیار کیا- جو ڈارون کی ارتقائی زنجیروں سے ملا جلا پنجرہ بن گیا- اس پنجرہ میں اسلاف سے منتقل شدہ لبی ڈو داخل ہو گیا جس کے اندر نوع انسان کے گناہوں کی تمام حسرتیں مجتمع تھیں- اسے بھی روح کا ڈر ہوا تو اس نے کہا:

"یہ صرف لاشعور ہے"-

آئنسٹائن کے معاصر جب چند صدیوں کے معرکتہ الآراء اجتہاد پر تبصرہ کرنے لگے تو انہوں نے شعاعی مظاہر، مقناطیسی مظاہر اور حیاتی مظاہر کو الگ الگ کر دیا اب جوہر ٹوٹ چکا ہے اور آئنسٹائن کی وضع کردہ تھیوری زمان و مکان کے بارے میں پھیل چکی ہے۔ اس نے کہا کہ زمان و مکان کا الگ الگ تصور بالکل غلط ہے کیونکہ مکان میں ترچھاپن ہے۔ تشریح کی گئی کہ فطرت کا عمل جو کائنات میں جاری و ساری ہے، روانی میں عمودی نہیں بلکہ اس میں ترچھاپن ہے۔ یہاں جذب و کشش، نظام سیارگان اور روشنی کی رفتار سب کی سب مشکوک ہو گئی۔ یہ دور اضافیت اور مقداریت کے نام سے موسوم ہوا۔ ذرا سوچیئے روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ مان لی جائے تو مکان میں ترچھاپن اور اس کی پیمائش کس طرح ممکن ہے جب کہ ہم فاصلہ بالراست ناپتے ہیں یعنی عمودی لائن ڈال کر، نہ کہ نیم دائرہ بنا کر۔ آئنسٹائن اور آئنسٹائن جیسے اور لوگ، مابعد النفسیات اس کی حمایت نہیں کرتا۔

علم مابعد النفسیات:

علم مابعد النفسیات اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ہمارے طرز بیان میں قدم قدم پر اتنی خامیاں ہیں کہ ہم جوش میں سب کچھ کہتے چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں: ہم کہا کرتے ہیں کہ ماضی کے نقوش ہیں۔ ہماری زمین کھربوں سال پرانی ہے اور کائنات کی عمر ممکن ہے سنکھوں سال سے بھی زیادہ ہو۔ ان الفاظ کے معانی کیا نکلتے ہیں اور ذرا سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ الفاظ کا مطلب بہت واضح ہے یعنی سنکھوں سال کا زمانہ منجمد ہو کر مکان (Space) کی صورت بن گیا۔ جس کو ہم کائنات کہتے ہیں۔ جب تک زمانہ منجمد نہیں ہوا تھا اس وقت تک نہ شاہد تھا نہ مشہود۔ یہ کہنے والا بھی نہیں تھا کہ یہ کائنات ہے اور نہ کائنات تھی۔

یہ وہی زمانہ ہے جس کو نہ ہم چھو سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور نہ باہر لیکن زمان (Time) یا لازمان کی موجودگی سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔

سطور بالا سے یہ بات واشگاف ہو جاتی ہے کہ خواب ہو یا بیداری دونوں حالتوں میں ہم زمان کا محض تذکرہ کرتے ہیں۔ زمان حواس کی گرفت سے ماوراء ہے۔ آپ کا یہ سوال کہ خواب کے حواس میں زمانیت کی طرح مکانیت نظر انداز نہیں ہوتی، محض شعوری اور لاشعوری تعین کی درجہ بندی ہے۔ شعور اگر زمان کی طرف متوجہ ہے یعنی شعور کا یقین یہ ہے کہ اب ایک لمحہ، دوسرا لمحہ اور گھنٹے گزر رہے ہیں تو یہ تعین زمان کی گرفت سخت تر کر دے گا۔ لیکن اگر شعور زمان کے گزرنے یہ نہ گزرنے کی طرف توجہ دے کہ لمحے گھنٹے گزر رہے ہیں تو یہ تعین زمان کے گزرنے یا نہ گزرنے کی طرف توجہ دے تو لمحے، گھنٹے، دن اور ہفتے کی زمانیت ایک آن میں سمٹ جاتی ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ زمان کو رفتار کی بنا پر سمجھا جاتا ہے۔ فی الواقع ہم کسی بھی شے کو اس وقت تک نہیں دیکھ سکتے، نہ ہی چھو سکتے، نہ ہی محسوس کر سکتے جب تک زمانیت منجمد نہ ہو جائے۔ زمانیت کے انجماد کی رفتار سے مکانیت بھی لپٹتی اور سمٹتی رہتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم پچاس سال کی عمر میں ایک ایسی بات یاد کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ چار یا پانچ سال پیچھے ماضی میں پہنچتی ہے۔ ہمارے اوپر اس واقعے کی پوری کیفیات مرتب ہو جاتی ہیں۔ لمحوں، سیکنڈوں یا منٹوں کے لئے ہم بھول جاتے ہیں کہ ہماری عمر اس وقت پچاس سال ہے۔ اسی بات کو ہم نے زمانہ کا منجمد ہونا کہا ہے۔

مابعد النفسیات اور نفسیات

مابعد النفسیات اور نفسیات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نفسیات داں یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ انہیں معلوم ہے کہ شعور اور حواس کا مخزن اور فارمولا کیا ہے، حواس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے دو سال کا بچہ ماں باپ کے کہے ہوئے الفاظ دہرا دیتا ہے۔ مابعد النفسیات اور اس سے ملحقہ سب علوم اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ حواس اگر ہیں تو ان کی حقیقت کیا ہے۔ زمانیت مکانیت کی موجودگی اگر ہے تو اس کا شعور و حواس سے کیا تعلق ہے اور فی الواقع ان کا Source (ذریعہ) کیا ہے۔"

حکایات عظیمؒ

حضور قلندر باباولیاءؒ ایک خوش طبع، نفاست پسند اور باوضع انسان تھے۔ آپؒ کی طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ ازروئے لغت مزاح کے معنی "ہنسی، خوش طبعی، ٹھٹھا، ظرافت اور مذاق" کے ہیں۔

درج بالا معانی کو سامنے رکھا جائے تو آپؒ ہنستے تھے اس طرح کہ دہانہ قدرے کھل جاتا تھا۔ چہرہ پر شگفتگی چھا جاتی تھی اور حلق سے ہلکی سی آواز نکلتی تھی۔ کسی نے آپؒ کو ٹھٹھا (قہقہہ) مارتے نہیں سنا۔ آپؒ نے کسی کی ہنسی بھی نہیں اڑائی۔ بیشتر اوقات خاموش رہتے لیکن جب روحانی مصروفیات اجازت دیتیں تو گفتگو فرماتے۔ کسی کے زبانی سوال یا ناگفتہ الجھن کا تسلی بخش جواب عنایت فرماتے یا پھر اپنی طرف سے کسی بات کو بیان فرماتے۔

حضور باباصاحبؒ اپنے شاگردوں یا احباب کے ساتھ اپنی گفتگو میں بعض اوقات مختلف حکایات بھی بیان کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کئی حکایات کو خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب، سلسلہ عظیمیہ کے ارکان غلام رسول قادری العظیمی، پروفیسر فقیر محمدؐ شیخ، احمد جمال عظیمی اور دوسرے اصحاب نے قلمبند بھی کیا۔ ان میں سے دستیاب حکایات یہاں پیش کی جارہی ہیں۔ ان دلچسپ حکایات کے مطالعہ سے باباصاحبؒ کے نفیس ذوق ظرافت کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

چغل خور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بستی میں سخت قحط پڑا۔ ایک عرصہ کے بعد کچھ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس دعا کے لئے پہنچے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اللہ میاں سے پوچھ کے بتاؤں گا۔

چنانچہ جب وہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تو آپ نے گاؤں والوں کی درخواست پیش کر دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا...

اے موسیٰؑ اس بستی میں ایک چغل خور ہے

اس کی وجہ سے ہی بستی پر ادبار آیا ہے۔

موسیٰؑ گویا ہوئے...یا اللہ مجھے اس بندے کا نام بتایئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا...

اے موسیٰ..کیا تم مجھ سے غیبت کراؤ گے؟

جنت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ایک خاتون آئیں۔کافی ضعیف تھیں۔دعائے خیر کی استدعا کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..."جنت میں نوجوان عورتیں اور مرد ہی جائیں گے۔"

خاتون بہت ملول ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم متبسم ہوئے اور فرمایا کہ...

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔جنت میں سب لوگ جوان ہو جائیں گے۔"

حضرت جان جاناںؒ

یہ غالباً حضرت جان جاناںؒ کا واقعہ ہے۔ان کو تعالیٰ نے عرفان اس شرط پر عطا کیا کہ وہ فلاں عورت سے شادی کر کے نبھائیں۔حضرت جان جاناںؒ کی نفاست طبع کا یہ عالم کہ بادشاہ وقت نے پانی پی کر کٹورہ ٹیڑھا رکھ دیا تو انہوں نے بادشاہ کو ڈانٹ دیا کہ تم سے ایک کٹورہ تک تو سیدھا رکھا نہیں جاتا تم امور سلطنت کیونکر چلاتے ہو گے۔اور زوجہ محترمہ کا یہ حال کہ حضرت کو نہ صرف خاطر میں نہ لاتیں بلکہ بے نقط بھی سناتی تھیں۔ایک مرتبہ حضرت کے ذہن میں آیا کہ بیگم صاحبہ کو کوئی کرامت دکھائی جائے تو شاید راہ راست پر آجائیں۔

چنانچہ ایک روز جب بیگم صاحبہ صحن میں بیٹھی تھیں وہ باہر نکلے اور اڑتے ہوئے صحن کے اوپر سے گزر گئے۔تھوڑی دیر کے بعد جب گھر میں داخل ہوئے تو بیگم صاحبہ بولیں آج میں نے ایک ولی کو اڑتے ہوئے دیکھا۔ایک تم ہو کہ دعوے تو بہت کرتے ہو، آتا جاتا کچھ نہیں ہے۔

حضرت نے آہستہ سے کہا...میں ہی تو تھا وہ۔

بیگم صاحبہ نے سر پر ہاتھ مارا اور بولیں..ہائے، میں جب ہی تو کہوں کہ یہ ٹیڑھے ٹیڑھے کیوں اڑ رہے ہیں۔

ملک الموت

زمانہ گزرا کہ ایک آدم زاد اتنی عمر کو پہنچ گئے کہ ان کا دنیا میں کوئی نہیں رہا۔گزر بسر کے لئے جنگل سے لکڑیاں توڑ کر فروخت کرتے تھے۔ایک روز زیادہ لکڑیاں جمع کر کے گٹھر باندھ تو لیا لیکن اٹھاتے وقت ہاتھوں میں لرزہ آگیا۔خون پانی بن کر آنکھوں سے بہہ نکلا۔بڑی حسرت کے ساتھ آہ بھری اور بولے کہ مجھ سے تو ملک الموت بھی روٹھ گیا ہے۔اس کو بھی میرے حال پر رحم نہیں آتا۔میں

اب تک کیوں زندہ ہوں- میرے سب مر کھپ گئے- مجھے موت کیوں نہیں آجاتی- ابھی لحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک خوبصورت نوجوان سیدھی طرف آکھڑا ہوا- سلام کیا اور پوچھا بزرگوار میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں- بزرگ نے پوچھا تم کون ہو؟

نوجوان بولا میں ملک الموت ہوں- ابھی آپ نے یاد کیا تھا- سو حاضر ہو گیا ہوں خدمت بتائیں-

بزرگ فوراً بولے اس وقت تو خدمت یہ ہے کہ تم لکڑی کا یہ گٹھا اٹھا کر میرے سر پر رکھ دو-

ابلیس

روحانی علوم کی درسگاہ مرکزی مراقبہ ہال کراچی میں قلندر شعور اسکول کی کلاس میں لیکچر دیتے ہوئے سعید اور شقی روحوں پر ایک طالب علم کے سوال کے جواب میں روحانی استاد حضرت عظیمی صاحب نے کہا..." حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک روز مجھے ایک واقعہ سنایا-

ایک روز شیطان بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا-

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟

ابلیس نے دست بستہ عرض کیا... حضورؐ آپؐ کو اللہ نے عالمین کے لئے رحمت بنایا ہے- انہی عالمین کا ایک فرد میں بھی ہوں- آپؐ کی رحمت میرے لئے بھی ہونی چاہیئے- حضورؐ نے فرمایا..." کہو"

شیطان نے کہا.. بارگاہ رب العزت سے معافی دلوا دیجئے-

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ..." ٹھیک ہے لیکن تم اب یہ کرو کہ آدم علیہ السلام کی قبر پر چلے جاؤ اور صرف اتنا کہہ دو کہ میں آپ کی حاکمیت قبول کرتا ہوں-"

شیطان نے کہا... واہ صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں جس کی زندگی میں نہیں مانا اب مٹی کے ڈھیر پر جا کر اس کی حاکمیت تسلیم کر لوں -اور یہ کہہ کر ابلیس وہاں سے اٹھ آیا-

خانقاہ

کسی بستی میں ایک بڑی خانقاہ تھی- دسیوں دیگیں پکتیں اور سینکڑوں افراد لنگر کھاتے- قریب ہی ایک نوجوان رہتا تھا- والدین فوت ہو چکے تھے- روزگار ملتانہ تھا- کھانے کے بھی لالے پڑے ہوئے تھے- ایک روز اس کے دل میں آئی کہ چلو پیر صاحب ہی کے نیاز حاصل کر لیں- شاید قسمت پلٹ جائے- چنانچہ ایک روز وہ خانقاہ کے اندر داخل ہوا اور پیر صاحب کی محفل میں شریک ہو گیا- جب محفل برخاست ہوئی تو وہ بھی باہر آگیا- یہ سلسلہ کئی روز چلتا رہا- نوجوان محفل میں شریک ضرور ہوتا لیکن بغیر کسی سوال کے واپس آجاتا-

ایک روز وہ حسب معمول واپس ہو رہا تھا تو پیر صاحب نے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میاں صاحبزادے میں کئی روز سے تمہیں آتا جاتا دیکھ رہا ہوں- کیا بات ہے کہ تم کوئی سوال کئے بغیر ہی چلے جاتے ہو-

پرسش احوال پر اس کے آنسو نکل آئے- کافی تسلی کے بعد جب ذرا دم ٹھہرا تو اس نے احوال سنایا کہ جناب کے زیر سایہ رہتا ہوں لیکن تباہ حال ہوں- پیر صاحب کو بڑا ترس آیا اور نوجوان سے کہا کہ آج سے تم ہمارے مہمان ہو- کھانا پینا، کپڑا لتہ سب ہمارے ذمہ- جب تمہاری طبیعت بحال ہو تو ہمارے پاس آنا، ہم پھر کچھ کریں گے-

کچھ عرصے کی بے فکری اور کھانے پینے کی فراوانی سے تو نوجوان کا حلیہ ہی بدل گیا- پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضور حکم فرمائیں- پیر صاحب نے نوجوان کو اوپر سے نیچے تک دیکھا تو کہنے لگے ماشاءاللہ بھئی اب تم ایک کام کرو کہ میرے پاس ایک گدھا ہے اس کے اوپر سوار ہو کر تم بڑے پیر صاحب کی زیارت کر آؤ- اور اس کو زاد راہ دے کر روانہ کر دیا-

وہ نوجوان گدھے پر بیٹھ کر منزل پر منزل مارتا چلا جا رہا تھا کہ ایک جگہ گدھا بیمار ہو کر مر گیا- نوجوان بہت پریشان ہوا کہ پیدل بڑے پیر صاحب کے پاس کیسے پہنچوں گا اور یہ گدھا جو پیر صاحب نے دیا تھا اس کو سڑنے اور چیل کوؤں کو نوچنے کے لئے نہیں چھوڑا جا سکتا- بڑی بے حرمتی ہو گی- چنانچہ ایک گڑھا کھود کر گدھے کو دفن کر دیا-

اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے- اسی شش و پنج میں کئی دن گزر گئے- شاہراہ پر تو بیٹھا ہی تھا- جب ادھر سے کوئی قافلہ گزرتا کچھ مدد کر دیتا- اپنے پیر صاحب کے عطیہ کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا-

اسی شش و پنج میں ایک قافلہ ادھر سے گزرا تو اس نے تباہ حال نوجوان کی مدد کر دی- اب تو یہ سلسلہ چل پڑا اور اس کی آمدنی ہوتی رہی- آہستہ آہستہ اس نے گرمی، سردی اور برسات کے سخت موسموں سے بچنے کے لئے جھونپڑی ڈال لی- قریب ہی ایک گاؤں تھا- وہاں کے لوگوں نے پینے کے پانی کا انتظام کر دیا- یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور تین چار سال میں وہ جھونپڑی ایک بڑی خانقاہ میں تبدیل ہو گئی-

اب ادھر کی سنیئے، پیر صاحب کی پیری مندی پڑ گئی- آمدنی کم ہو گئی تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ بڑے پیر صاحب کی زیارت کو جا رہے ہیں- وہ سفر کرتے کرتے جب اس جگہ پہنچے جہاں نوجوان نے خانقاہ بنائی تھی تو پیر صاحب نے بھی وہیں پڑاؤ ڈال دیا-

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر کہنے لگے چلو بھائی مزار کے متولی کے نیاز حاصل کر لیں- ابھی وہ حجرہ خاص میں داخل ہی ہوئے تھے کہ مسند نشین ایک دم ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا- پیر صاحب بہت حیران ہوئے- پوچھا حضرت آپ مجھے کیوں گنہگار کر رہے ہیں- لیکن وہ نوجوان یوں ہی کھڑا رہا تو پیر صاحب نے پوچھا کہ کچھ تو بتایئے کہ ماجرا کیا ہے-

نوجوان گویا ہوا کہ حضور نے مجھے پہچانا نہیں- میں وہی شخص ہوں جسے آپ نے اپنا گدھا دے کر بڑے پیر صاحب کی زیارت کو بھیجا تھا
-

اچھا تو پھر کیا ہوا؟ پیر صاحب نے پوچھا-

ہوا یوں کہ آپ کا وہ گدھا بیمار ہو کر مر گیا- مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ آپ کے عطیہ کی بے حرمتی ہو، اسے بصد احترام دفن کر دیا اور اس کی قبر پر بیٹھ گیا تو اللہ نے یہ دن دکھایا-

پیر صاحب بہت خوش ہوئے، نوجوان کو گلے لگا کر خوب خوب پیار کیا اور کہا بیٹا تو میرا صحیح جانشین ہے- میں بھی اس گدھے کی ماں کی قبر پر خانقاہ بنا کر کام چلا رہا تھا۔

پیر بنا دیجئے

ایک بزرگ تھے - ان کا ایک مرید ان سے بار بار کہتا حضرت مجھے پیر بنا دیجئے - وہ عرصے تک ٹالتے رہے لیکن وہ پکا تھا کہ اس مطالبہ سے دست بردار نہیں ہوا - ایک روز جب وہ بزرگ کے پاس حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہے اور کپڑوں پر بھی خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں -

مرید نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ہوا - فرمانے لگے اب میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے - مجھ سے ایک قتل ہو گیا ہے اور میں نے اس کو فلاں جگہ دفن کر دیا ہے - مرید کہنے لگا آپ فکر نہ کریں - میں یہ بات کسی کو نہیں کہوں گا - لیکن ہوا اس کے بر خلاف -

اس نے بے شمار لوگوں سے کہا کہ پیر صاحب سے قتل ہو گیا ہے لیکن تم کسی کو بتانا نہیں - شدہ شدہ یہ خبر کوتوال کو ہو گئی - پولیس تفتیش کے لئے آئی جب قبر کو کھوداتو اس میں سے بکری کا پنجر ملا -

لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو پیر صاحب نے بتایا کہ یہ شخص پیر بننے کے لئے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا - اس کو پرکھنے کے لئے میں نے یہ کام کیا - اب آپ ہی بتائیں کہ اس سے اتنی سی بات ہضم نہ ہوئی، یہ اللہ کے رازوں کی کیا پردہ داری کرے گا -

تخریب پسند بیویاں

ایک بندر جنگل سے کسی انسانی آبادی میں نکل آیا - وہ کچھ عرصہ انسانوں میں ہی رہا اور انسانی بود و باش کو دیکھ کر واپس جنگل میں چلا گیا - برادری میں پہنچتے ہی سارے جنگل کے بندروں نے اسے ایک اونچے درخت پر بٹھایا اور کہا کہ انسانی آبادی کے بارے میں کچھ بتاؤ -

اس بندر نے اپنی روداد سناتے ہوئے کہا کہ شہر میں جہاں پر میں ٹھہرا ہوا تھا وہاں ایک انسان بندر رہتا تھا - اس کی بیوی اور بچے بھی تھے - انسان بندر صبح سویرے روزی کی تلاش میں نکلتا اور رات کو واپس آتا مگر وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوتا اس کی مادہ خوخو کرتی ہوئی اس کے پیچھے پڑ جاتی اور جھگڑتی رہتی -

صبح کو وہ انسان بندر پھر روزی کی تلاش میں چلا جاتا اور جو کچھ کھانے کو ملتا واپس لا کر اپنی مادہ کو دیتا مگر گھر لوٹتے ہی مادہ خوخو کر کے اس کے پیچھے پڑ جاتی -

یہ بات سن کر دوسرے بندر حیران رہ گئے اور سیاح بندر سے پوچھا کیا اس بندر کی مادہ نے اس کے گلے میں رسی ڈال رکھی تھی کہ وہ رات کو واپس آجاتا تھا - سیاح بندر نے کہا نہیں، اس کے گلے میں رسی نہیں تھی بس وہ پاگل خود ہی واپس آجاتا تھا -

اولاد کی محبت

ایک صوفی بزرگ طویل عرصہ بعد اپنے بیٹے سے ملے - بیٹا لڑکپن کی حدود عبور کر کے جوانی میں قدم رکھ چکا تھا - جوان بیٹے کو سامنے پا کر یکایک ان کے دل میں بیٹے کی محبت غالب آگئی اور دوڑ کر اسے سینے سے لگا لیا -

اسی وقت ندائے غیبی آئی "دعویٰ تو ہم سے اور یہ کیا؟" صوفی بزرگ کانپ گئے - چہرہ فق ہو گیا -

اللہ سے فریاد کی "اے اللہ میری مدد فرما - اے اللہ میری مدد فرما" -

بیٹے نے جھرجھری لی اور دوسرے ہی لمحے بے جان ہو کر زمین پر گر گیا-لوگوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ اس کی روح پرواز کر چکی ہے-

اولاد کی محبت تو فطری عمل ہے لیکن اولاد کی محبت اگر خدا کی محبت پر غالب آجائے تو اولاد فتنہ بن جاتی ہے-اولاد کی محبت اگر اس لئے ہے کہ اللہ نے مجھے اولاد کا تحفہ دیا ہے-اولاد میری خوشی کا سامان ہے-اللہ کی نعمت ہے اور میں اس نعمت کا امین ہوں تو یہی اولاد دین و دنیا کی بھلائی بن جاتی ہے-

حضرت عثمانؓ

سخاوت کے بارے میں ایک مجلس میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا... ایک شخص رسول اللہ صلّ اللہ علیہ وسلّم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا-اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلّ اللہ علیہ وسلّم مجھے شہد چاہیئے

نبی اکرم صلّ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا... عثمانؓ کے پاس چلے جاؤ-

جب یہ شخص حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہنچا تو وہاں بہت سارے اونٹ بیٹھے ہوئے تھے گیہوں کی بوریاں لادی جارہی تھیں-ایک بوری کا منہ کھل کر چند کلو گیہوں زمین پر گر گیا-حضرت عثمانؓ نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے اپنے ملازم سے باز پرس کی اور اس کو ڈانٹا ڈپٹا کہ یہ گیہوں زمین پر کیوں گرا ہے-

شخص مذکور یہ دیکھ کر واپس رسول اللہ صلّ اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا-

یارسول اللہ صلّ اللہ علیہ وسلّم شہد چاہیئے-

حضور صلّ اللہ علیہ وسلّم نے پھر یہی ارشاد فرمایا... عثمان کے پاس چلے جاؤ-

اس نے ساری روداد سنادی...

رسول اللہ صلّ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا... تم جاؤ تو سہی تم جاکر شہد مانگو تو...

یہ شخص دوبارہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا-اور ان کے ملازم سے شہد مانگا-ملازم نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اس آدمی کو شہد چاہیئے-

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اسے شہد دے دو-

ملازم نے برتن مانگا- شخص مذکور نے کہا کہ میرے پاس برتن نہیں ہے-ملازم نے پھر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ حضور اس کے پاس شہد لینے کے لئے برتن نہیں ہے-

حضرت عثمانؓ نے فرمایا... شہد کا کپا اٹھادو-(ایک کپے میں تقریباً ڈیڑھ کنستر شہد آتا ہے)

سائل نے کہا میں کمزور آدمی ہوں، اتنا زیادہ وزن نہیں اٹھا سکتا-

ملازم پھر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ ایک کپا اٹھانا سائل کے لئے ممکن نہیں ہے-

حضرت عثمانؓ کو ملازم کی بار بار مداخلت پسند نہیں آئی، ذرا تیز لہجے میں فرمایا... اونٹ پر لاد کر دے دو، اور سائل اونٹ اور شہد لے کر چلا گیا-

یہ واقعہ بیان کر کے حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا کہ مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ ہر مسلمان دولت مند بننا چاہتا ہے لیکن کوئی آدمی حضرت عثمانؓ کے طرز عمل کو اختیار کرنا نہیں چاہتا۔

سوداگر اور طوطا

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں ایک روز حضور قلندر باباؒ نے شیخ سعدی کی روایت سے مجھے ایک قصہ سنایا فرمایا...

"ایک تاجر تھا اس کے پاس ایک طوطا تھا جو انسانوں کی طرح باتیں کرتا تھا۔ تاجر کا دل اس کی باتوں سے خوش ہوتا تھا وہ طوطا اس کو بہت پیارا تھا۔ ایک روز وہ کاروبار کے سلسلے میں کہیں باہر جانے لگا تو اس نے طوطے سے پوچھا کہ میں کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر جا رہا ہوں واپسی میں تمہارے لئے کیا تحفہ لاؤں۔

طوطے نے کہا کہ اگر تمہارا گزر کسی جنگل میں سے ہو اور تمہیں وہاں طوطوں کا کوئی غول نظر آئے تو انہیں میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ تمہارا ایک ساتھی جو قفس میں بند زندگی کے دن گزار رہا ہے تمہیں سلام کہتا ہے۔

سوداگر سفر پر چلا گیا۔ اس کا گزر ایک باغ سے ہوا تو اس میں بہت سارے طوطے ٹیں ٹیں کرتے موجود تھے، طوطوں کا غول دیکھ کر اسے یاد آیا کہ طوطے کا پیغام پہنچانا ہے۔

سوداگر نے طوطوں کو مخاطب کر کے پنجرے میں قید طوطے کا پیغام دیا، پیغام کا سننا تھا کہ ایک طوطا پٹ سے زمین پر گرا اور مر گیا۔ تاجر کو اس بات کا بہت افسوس ہوا۔ واپسی پر اس نے سارا ماجرا طوطے کے گوش گزار کر دیا۔ اتنا سننا تھا کہ وہ طوطا بھی پنجرے میں گرا اور مر گیا۔ تاجر کو اس کا بہت ہی افسوس ہوا۔ اس نے پنجرے سے مردہ طوطا نکالا اور باہر پھینک دیا۔

آناً فاناً مردہ طوطے نے حرکت کی اور اڑ کر ایک اونچی شاخ پر جا بیٹھا۔ تاجر نے جب یہ دیکھا تو حیران ہوا اور طوطے سے پوچھا کہ بھئی یہ تم نے کیا حرکت کی ہے؟

طوطے نے جواب دیا کہ وہ طوطا جو پیغام سن کر گرا اور مر گیا اس نے مجھے پیغام بھیجا ہے... مر کر ہی آزادی حاصل کی جا سکتی ہے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا کہ... اس واقعہ میں یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ جب تک تم اپنی انا میں ابلیسیت کو مار نہیں دو گے تمہیں قید و بند کی زندگی سے آزادی نہیں ملے گی۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث مبارکہ مر جاؤ مرنے سے پہلے کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جب تک تمہیں اپنے نفس کا عرفان نصیب نہیں ہو گا، جب تک تم اپنی انا اپنی ذات کی نفی نہیں کرو گے زمان و مکان سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ بندہ جب اپنے شعوری علم کی نفی کر دیتا ہے تو اس پر لاشعوری دنیا کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اللہ دیکھ رہا ہے

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب بیان کرتے ہیں...

ایک مرتبہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا..."ایک پیر صاحب کے دو مرید تھے۔ پیر صاحب نے اپنے ایک مرید کو ایک مرغا اور چھری دی اور کہا اسے کسی ایسی جگہ لے جا کر ذبح کرو جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔

مرید چھری اور مرغا لے کر نکلا اور تھوڑی ہی دیر میں ذبح کر کے لے آیا- اب پیر صاحب نے دوسرے مرید کو ایک مرغا اور چھری دے کر یہی حکم دیا- مرید کو گئے ہوئے چوبیس گھنٹے ہو گئے-

آخر میں زندہ مرغ اور چھری کے ہمراہ واپس آ گیا اور عرض کیا حضور میں تو جہاں بھی گوشہ تنہائی میں گیا اور اس مرغ کے حلق پر چھری رکھی تو نظر آیا کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور آپ نے ایسی جگہ ذبح کرنے سے منع فرمایا تھا جہاں کوئی دیکھ رہا ہو-"

پیر صاحب

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب بیان کرتے ہیں...

حضور قلندر باباولیاءؒ نے مجھے ایک واقعہ سنایا تھا کہ... ایک پیر صاحب تھے ان کے ایک دوست تھے، جن کا انتقال ہو گیا- کچھ عرصہ بعد پیر صاحب کو اپنے دوست کے بچوں کا خیال آیا کہ چلو ان سے ملا جائے- تو وہ چھوٹے بیٹے کے پاس گئے- جب چھوٹے لڑکے سے ملاقات کی تو بہت گرم جوشی سے ملے اور اپنے گھر لے گئے-

ان کے گھر میں بہت تنگدستی اور عسرت تھی- خیر پیر صاحب نے وہاں قیام کیا اور رات کو ان سے پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو- تو چھوٹے لڑکے نے بتایا کہ والد صاحب نے بہت سمجھایا کہ پڑھ لکھ لو لیکن میں نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ برے لوگوں کی صحبت میں وقت گزارا- اب میں چڑی مار ہوں-

پیر صاحب بولے کہ اچھا صبح ہم تمہارے ساتھ چلیں گے- لڑکے نے کہا کہ حضور آپ میرے والد صاحب کے پیر صاحب ہیں- آپ کہاں جائیں گے- آپ یہاں قیام کریں- میں جلدی آ جاؤں گا لیکن پیر صاحب نہ مانے اور بولے کہ نہیں میں تو ضرور آپ کے ساتھ جاؤں گا-

صبح کو وہ پیر صاحب کو بھی ساتھ لے گئے- جال لگا دیا- بہت چڑیاں، طوطے اور پرندے آئے لیکن جب بھی لڑکا جال کھینچنے لگتا تو پیر صاحب بولتے نہیں رہنے دو- وہ جو دانہ تھا پرندے سب چگ گئے- شام کو خالی ہاتھ واپس آ گئے-

کچھ عرصہ یونہی چلتا رہا، جال لگایا جاتا لیکن پرندوں کو پکڑنے سے پہلے ہی روک دیا جاتا رہا- اتنے میں تمام رزق جو جمع تھا ختم ہو گیا- اب وہ قرض لے کر اپنی ضروریات پوری کرنے لگے- ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ لوگوں نے قرض دینا بند کر دیا- پیر صاحب سے عرض کیا انہوں نے اپنے پاس سے روپے دے دیئے اور کچھ عرصہ یونہی کام چلتا رہا- ایک دن جال لگائے بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ آ گیا- پیر صاحب نے کہا کہ فوراً جال کھینچ لو- جال کھینچ لیا- پرندہ پکڑ کر دیکھا تو وہ باز تھا-

پیر صاحب نے لڑکے کو سختی سے تاکید کی کہ باز کو شہر میں اچھے داموں فروخت کرنا- اس نے باز فروخت کر دیا جس سے حاصل ہونے والی رقم سے ان کے حالات اچھے ہو گئے- پھر پیر صاحب نے فرمایا کہ تیری قسمت یعنی لوح محفوظ میں پرندے پکڑنا لکھا تھا- چڑی بھی ایک پرندہ ہے اور باز بھی ایک پرندہ- دونوں میں کیا فرق بس تو باز ہی پکڑا کر- اس کے بعد بڑے لڑکے کے پاس پیر صاحب چلے گئے- وہ بھی بڑی گرم جوشی سے ملا، اپنے گھر لے گیا- اس سے حال احوال پوچھا اس نے کہا کہ حالات بڑے اچھے ہیں- پیر صاحب نے پوچھا آپ کیا کام کرتے ہیں، کہا کہ میں سرکاری اصطبل میں گھوڑوں کی خدمت پر مامور ہوں-

ایک رات انہوں نے لڑکے کو بلایا اور کہا بھئی آپ ملازمت چھوڑ دیں۔ لڑکے نے کہا جی پھر کیا کریں گے۔ پھر سوچا والد صاحب کے پیر صاحب ہیں اس لئے ادب کی خاطر آخر کار انہوں نے وہاں سے استعفیٰ دے دیا۔ لوگوں نے کہا بھئی خوب ترقی ہوئی ہے سرکاری ملازمت ہے آپ چھوڑ رہے ہیں۔

الغرض ایک دن پیر صاحب نے کہا دلہن کو بلاؤ اس کے زیورات لے کر کہا کہ انہیں بیچ کر اس سے اعلیٰ نسل کا گھوڑے کا بچہ خرید لاؤ۔ وہ خرید لایا۔

پیر صاحب نے کہا کہ اب اس کی خوب خدمت کرو۔ اس نے خوب کھلایا پلایا۔ گھوڑا اچھا خاصہ صحت مند اور جوان ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ اب اسے بازار لے جا کر اچھے داموں فروخت کرو۔ گھوڑا اچھے داموں فروخت ہو گیا۔ پیر صاحب نے کہا کہ اس رقم سے دوسرے دو یا تین گھوڑے آجائیں گے لے آؤ۔

اسی طرح ان سب کی خدمت کرو اور بیچو پھر پیر صاحب فرمانے لگے کہ تیرا رزق اگر گھوڑوں میں ہی تھا تو کیوں نہ گھوڑوں کا سوداگر بن، گھوڑوں کا ملازم ہی کیوں۔ اس طرح وہ گھوڑوں کا سوداگر بن گیا۔

تفسیر عظیمؒ

قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ لوح محفوظ پر موجود ہے۔ لوح محفوظ کائناتی تخلیق کے پروگرام کی بنیادی شکل ہے۔ قرآن مجید کے متعلق ایک اور ارشاد ربانی ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور کوئی بڑی سے بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اس میں بیان نہ کر دی گئی ہو۔ ان دونوں آیات کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن پاک کی بنیاد (Base) لوح محفوظ ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کائناتی تشکیل کے قوانین کا مجموعہ ہے اور اگر مادی دنیا میں جہاں مفہوم کی منتقلی کے لئے الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے، قدرت کے طرز عمل کو بیان کرنے کے لئے مختصر اور آسان ترین الفاظ استعمال کئے جائیں تو وہ قرآن پاک کی زبان ہے۔

قرآن پاک میں ہر قسم کے مضمون کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ کہیں آسمانوں کا ذکر ہے، کہیں زمین کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، کہیں تخلیقی مراحل پر روشنی ڈالی گئی ہے، کہیں وسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے، کہیں اجرام فلکی کی حیثیت بتائی گئی ہے۔ ان آفاقی تذکروں کے ساتھ ساتھ آدمی کی معاشی، معاشرتی اور تاریخی زندگی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ان اشارات کے پیچھے افہام و تفہیم کیا ہے اور یہ کن رازوں اور فارمولوں کو بیان کرتے ہیں اس بات کو سمجھنا اس وقت ممکن ہے جب آدمی کے اندر صاحب قرآن کی طرز فکر کام کر رہی ہو اور آدمی قرآن کو کلام الٰہی سمجھ کر اس پر تفکر کرے۔

قرآن پاک میں جگہ جگہ اس بات کا تذکرہ ہے کہ ہماری آیات کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جن میں تفکر کی صلاحیت موجزن ہے، جو صاحبان عقل ہیں، جو شعور رکھتے ہیں، جو راسخ فی العلم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تفکر، فہم

اور علم میں راسخ ہونے کی صلاحیت بخشی ہے، وہ قرآن پاک کے بیان کردہ تخلیقی فارمولوں سے وقف ہیں۔ تفکر، شعور، عقل یہ ساری اصطلاحات ایک مخصوص طرز ذہن اور طرز فکر کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

جب بندے کا ذہن ہر طرف سے ہٹ کر صرف اور صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ اللہ کے لئے جیتا اور مرتا ہے تو ایسے بندے کی راہنمائی کا فریضہ خود ذات باری تعالیٰ اپنے ذمہ لے لیتی ہے اور پھر ان پر معرفت خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جو لوگ ہمارے لئے جہد کرتے ہیں، ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔"

ایسے بندوں کی صفت بیان کی گئی ہے:

"ہم ان کو آفاق و انفس میں اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں گے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے (یعنی ان پر یہ بات منکشف ہو جائے گی) کہ قرآن حق ہے۔"

یعنی مشاہدہ ہی وہ ذریعہ ہے جس سے قرآن پاک کے بیان کردہ مضامین کی مکمل اور حقیقی معنویت سامنے آتی ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔"

ایسے قدسی نفس حضرات ہر زمانے میں موجود رہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نور بصیرت عطا ہوا۔ ماضی قریب میں حضرت سید محمدؐ عظیم برخیا المعروف حضور قلندر باباولیاءؒ بھی ایک ایسی ہی ہستی ہیں۔ جو لوگ حضرت باباصاحبؒ کی صحبت میں رہے ہیں وہ یہ بات جانتے ہیں کہ باباصاحبؒ عرفان خداوندی کی جن بلندیوں پر فائز تھے اور آپ کو تخلیق کے فارمولوں میں کس قدر دخل عطا کیا گیا تھا۔ باباصاحبؒ نے جو تحریریں چھوڑی ہیں، وہ خود صاحب تحریر کی عظمت کی دلیل ہیں۔ لوح و قلم، رباعیات اور تذکرہ تاج الدین بابا وہ تحریریں ہیں جو قارئین روحانی ڈائجسٹ کی نظروں سے گزر چکی ہیں اور محتاج تعارف نہیں۔

ان تحریروں کے علاوہ چند ارشادات ایسے ہیں جو باباصاحبؒ نے سائلین کے جواب میں لکھوائے اور ان میں قرآن پاک کی بعض آیات کے ترجمے اور مختصر تشریحات بیان کیں۔ ہم ذیل میں چند اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ قرآن محض ایک مسئلہ مسائل کی کتاب نہیں بلکہ یہ کائناتی فارمولوں کی دستاویز ہے اور یہ کہ حضور باباصاحبؒ کو قدرت نے اپنا کس قدر رازداں بنایا ہے۔

سورۃ فاتحہ اور سورۃ الحجر آیت ۸۷

الحجر 87 کا ترجمہ اور تشریح ایک سائل کو یوں لکھوائی۔

ترجمہ: "اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں (نور) عطا فرمائیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔"

سات انوار کا بیان حسب ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں جو تمام آسمانی صحیفوں کی تمہید ہے اور قرآن پاک کا بھی دیباچہ ہے، ارشاد فرمایا ہے...

1 - الحمدللہ رب العالمین -

وہی اللہ لائق حمد ہے جس کا نور کائنات کی پرورش کر رہا ہے۔ یہ پہلا نور ہے۔

2 - الرحمٰن الرحیم –

جس کا نور رحم و کرم بن کر محیط ہے۔ یہ دوسرا نور ہے۔

3 - ملک یوم الدین –

اس کا نور چھایا ہوا ہے ابتداء سے انتہا تک۔ یہ تیسرا نور ہے۔

4- ایاک نعبد و ایاک نستعین –

اس کا نور ہر بندے کا محافظ اور مددگار ہے۔ یہ چوتھا نور ہے۔

5- اھدنا الصراط المستقیم –

اس کا نور ہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ پانچواں نور ہے۔

6-صراط الذین انعمت علیھم –

اس کا نور ہی نور ہے۔ یہ چھٹا نور ہے۔

7-غیر المغضوب علیھم ولا الضالین –

اس کا نور ہی جلال بن کر کائنات کو تنبیہہ کرتا ہے۔ یہ ساتواں نور ہے۔

قرآن پاک کی زبان میں ساتوں انوار مل کر "سبع مثانی" کہلاتے ہیں اور ان ہی کی ملاوٹ کا نام روح ہے جو قدم قدم پر انسان کو مطلع کرتی ہے، ہر بات بتاتی اور ہر چیز فراہم کرتی ہے۔ اس ہی روح کا نام "ورائے محسوسیت" ہے۔

سورہ البقرہ، آیت ۱، ۲

سورہ البقرہ کی ابتدائی آیات کے راز یوں بیان کیے ہیں:

الم (1) ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (2)

ترجمہ: الم۔ اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں، ہدایت دیتی ہے۔ متقیوں کو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یقین رکھتے ہیں غیب پر۔ (سورۂ البقرہ)

یہاں غیب سے مراد وہ تمام حقائق ہیں جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں۔ وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد ذوق ہے۔ ذوق وہ عادت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا بلکہ صرف اس لئے کہ طبیعت کا تقاضہ پورا کرے۔

متقی سے وہ انسان مراد ہے جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بدگمانی کو راہ نہیں دیتا، وہ اللہ کے معاملے میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ وہ اللہ کو بالکل الگ سے پہچانتا ہے اور اللہ کے کاموں کو بالکل الگ سے جانتا ہے۔ صحیح طور پر پہچاننے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ذوق موجود ہے۔ درحقیقت وہی ذوق لائف اسٹریم (چشمۂ حیات) ہے۔ غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کے لئے غیب پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں لوح محفوظ کا یہی قانون بیان ہوا ہے۔

نوع انسانی اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اس قانون پر عمل پیرا ہے- یہ دن رات کے مشاہدات اور تجربات ہیں-جب تک ہم کسی چیز کی طرف یقین کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتے ہم اسے دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں-

اگر ہم کسی درخت کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو اس درخت کی ساخت، پتیاں، پھول، رنگ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے لیکن پہلے ہمیں قانون کی شرط پوری کرنا پڑتی ہے- یعنی پہلے ہم اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے درخت ہے-اس یقین کے اسباب کچھ ہی ہوں تاہم اپنے ادراک میں کسی درخت کو جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے ایک حقیقت ثابتہ تسلیم کرنے کے بعد اس درخت کے پھول، پتوں، ساخت اور رنگ وروپ کو دیکھ سکتے ہیں-

ترجمہ: اور کہا ہم نے اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں جہاں چاہو قیام کرو اور خوش وخرم جہاں سے جو چیز پسند ہو کھاؤ، البتہ اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظلم کے خصائل میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

آیت نمبر 36: لیکن ان کو شیطان نے گمراہ کر دیا اور جس آرام میں وہ تھے اس سے محروم کر دیا- ہم نے کہا، تم سب اسفل ہو جاؤ کیونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو- تمہیں ایک معین مدت تک زمین کو مستقر بنا کر کام چلانا ہو گا۔

ان دونوں آیتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جنت کے قیام میں وسائل آدم کے پابند تھے اور زمین پر آنے کے بعد وہ خود وسائل کے تابع ہو گئے-

حیث شئتما - جس جگہ چاہو (حیث بمعنی اسپیس Space)-ان دو لفظوں سے صاف ظاہر ہے کہ اسپیس کو آدم کا محکوم کر دیا گیا تھا- حیث یا اسپیس کائنات کی ہر چیز کو محیط ہے- چنانچہ اس وقت آدم کی یہ حیثیت تھی کہ مکان اس کے ارادے کے تابع تھا- آدم کی یہ DEFINATION نمایاں طور پر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان میں واضح کر دی ہے لیکن جب یہی آدم اسفل میں پہنچتا ہے تو اس کی پوزیشن بالکل متضاد ہو جاتی ہے، اس طرح کہ ہر اک اسپیس اس پر حاوی ہے- قدم قدم پر اس کو وسائل کی پابندیاں گھیرے ہوئے ہیں- یہاں تک کہ انسان.... کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا ہے-

حیث (SPACE) کی ایک مثال پر غور کیجئے- آپ اخبار پڑھتے ہیں- نظر چھپے ہوئے الفاظ پر رہتی ہے اور پڑھتے اور سمجھتے چلے جاتے ہیں- بیک وقت اخبار کو مس کرتے ہیں- مس کرنا ایک اسپیس ہے اور دیکھنا دوسری اسپیس ہے- ایک سائنسدان ان دونوں کو بالترتیب SPACEVISUAL اور TACTUAL SPACE کہتا ہے-

اخبار پڑھنے والے ہمیشہ اخبار پڑھتے ہیں لیکن انہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کن کن صلاحیتوں کو ملا کر ایک نتیجہ پیدا کرتے ہیں- حالانکہ TACTUAL SPACE اور VISUAL SPACE بالکل الگ الگ ہیں- محض ضرورتاً وہ ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو جاتی ہیں- یہاں تک کہ اخبار پڑھنے والا بے تکلف پڑھتا چلا جاتا ہے- اس مثال سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اخبار پڑھنے میں یہی دو اسپیس کام کرتی ہیں- ان کے ساتھ ساتھ اور بھی کتنی ہی اسپیسز (SPACES) شامل ہو کر عمل کرتی ہیں- اختصار کو مد نظر رکھ کر ان کا تذکرہ قلم انداز کر دیا گیا ہے-

نفسیاتی سائنس کے لاشمار تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ چیزیں جس طرح نظر آتی ہیں حقیقتاً وہ اس طرح نہیں ہیں- اگرچہ بادی النظر میں یہ بات حواس کے علم سے ماوراء ہے تاہم حواس کی شکست وریخت خود ہی انسانی ذہن کو ان حدود میں پہنچا دیتی ہے جن میں وہ حقائق کی جھلک کا ادراک کرنے لگتا ہے-

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ بڑی تفصیلات کے ساتھ ان حقائق کا تذکرہ کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ انسان تفکر (مراقبہ) کے ذریعے عمومی حواس کی سرحد پار کر کے ان روشنیوں سے جو ہمہ وقت فکر انسانی میں کارفرما ہیں نئے حواس کی تشکیل کر سکتا ہے- یہی حواس اسے زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد کرتے ہیں یہاں تک کہ انسان تجلی ذات کو پالیتا ہے-

سورہ الرعد آیت ۱ تا ۳

سورہ الرعد کی پہلی تین آیتوں کا مفہوم ملاحظہ ہو، ایسا مفہوم جو خود تشریح بھی ہے اور قدرت کے مربوط نظام کی تصویر بھی- بابا صاحبؒ لکھواتے ہیں:

المرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ ۗ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ (1) اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ (2) وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (3)

المرٰ- یہ کتاب کی آیات ہیں- اس کتاب میں جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے وہ سب مصدقہ ہے چاہے اکثریت اسے تسلیم نہ کرے- اس کا نازل کرنے والا وہ اللہ ہے جس نے سماوات کی تعمیر حق (EQUATION) پر کی ہے اور یہ بات تمہارے مشاہدے میں ہے-

یہ بھی نہیں کہ وہ خود اس تعمیر سے ماوراء ہے- صرف اس کا حکم ہے جو تعمیر کر رہا ہے چاند سورج بھی حکم ہی کے پابند ہیں- البتہ ان کو ہمیشگی نہیں ہے- ان سب کی مدتیں معین ہیں- ایک مناسبت سے ردوبدل رونما ہوتا رہتا ہے- اس طرح تم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہو کہ یہی ردوبدل تمہیں ایک نہ ایک دن اپنے رب کے سامنے لا کھڑا کرے گا- (تم سمجھتے ہو ردوبدل کس وضع کا ہے؟ اس کی طرز یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فارمولوں نے زمین کو پھیلاؤ عطا کر دیا ہے- محسوسیت کی طرزیں یا GRAVITATIONAL FORMATION کشش ثقل ہیں جن میں بہاؤ FLOW ہے - پھر ہم نے نتائج کو منفی NEGATIVE اور مثبت POSITIVE بنایا نیز ابعاد DIMENSIONS عطا کیں- چنانچہ اللہ تعالیٰ رات کے مظاہر سے دن کے مظاہر کو چھپاتا ہے- یہ سارے نشانات اور سراغ ان لوگوں کے لئے ہیں جو تفکر کرتے ہیں-

یہاں لفظی ترجمہ درج کیا جاتا ہے کہ مندرجہ بالا تشریح کی افادیت واضح ہو جائے-

المرٰ- یہ آیتیں ہیں ایک بڑی کتاب کی اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یہ حق ہے اور لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے- اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر اونچا کھڑا کر دیا چنانچہ تم ان کو دیکھ رہے ہو- پھر عرش پر قائم ہوا اور آفتاب اور ماہتاب کو کام پر لگا دیا- ہر ایک، ایک وقت معین تک اپنی راہ چلا جا رہا ہے- وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اور دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے پاس جانے کا یقین کر لو اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور

نہریں پیدا کیں اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسم کے پیدا کئے - رات سے دن کو چھپا دیتا ہے - ان امور میں تفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں-"

زمین اپنے باسیوں کے لئے وسائل کے خزانوں سے بھری ہوئی ہے - وسائل کی پیداوار اور تقسیم میں جو عوامل کام کرتے ہیں، قرآن میں ان کا کئی جگہ تذکرہ ہے - سورہ الحجر آیت 19 - 23 میں اللہ تعالیٰ نے وسائل کی تخلیق کے جو فارمولے بیان کئے ہیں، ان کا مفہوم قلندر باباولیاءؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ہم نے زمین کو TENSOR CALCULUS بنایا ہے یعنی غبارے کی طرح اس میں ہوا بھر دی ہے - ایسی ہوا جو محسوسیت کی حد سے باہر ہے اور اس کے اندر کشش ثقل پیدا کر دی ہے یعنی مختلف اور معین پریشر ڈال دیا ہے - چنانچہ اس ہی پریشر کی مناسبت سے ہم نے زمین کی حدود میں متعین اور مختلف روئیدگیاں پیدا کر دی ہیں (روئیدگیوں سے مراد نباتات، جمادات اور حیوانات ہیں)ساتھ ساتھ معین روئیدگیاں ایک دوسرے کے لئے معاش ہیں - اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ معاش تم نہیں دیتے ہو، ہم دیتے ہیں اس لئے کہ معاش کے ذرائع ہم نے پیدا کئے ہیں - ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں جن کی تقسیم کا طریقہ ہم ہی جانتے ہیں، جن کو تم بھی محسوس کر سکتے ہو - مثلاً ان ہواؤں کو جن میں لائف اسٹریم ہے یعنی ماء جو ہم آسمانوں سے نازل کرتے ہیں - یہ وہی ماء ہے جو تمہارے لئے حیات بنتا ہے - تمہارے پاس لائف اسٹریم یعنی ماء کا کوئی خزانہ نہیں - ہم اس لائف اسٹریم کو دے کر زندہ کر دیتے ہیں اور جب واپس لے لیتے ہیں تو آدمی مر جاتا ہے اور ہم ہی ہیں جو ان معاملات میں تمہاری سرپرستی کرتے ہیں، تمہارے کاموں کو پورا کرتے ہیں اور تمہاری چیزوں کو انجام تک پہنچا دیتے ہیں-

قرآن پاک کا ایک اسلوب بیان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف مظاہر کی قسمیں کھا کر ایسے ضابطوں کی طرف زور دے کر توجہ دلائی ہے جو مظاہر کی بنیادوں میں کارفرما ہیں - اس اسلوب بیان کا مختلف سورتوں کی ابتداء میں ہونا اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے - اور اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ان مظاہر کی حیثیت فی الواقع کیا ہے؟ اور یہ تخلیق کی تدوین میں کیا کردار انجام دیتے ہیں؟

سورہ نور، آیت ۳۵

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ

ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس نور کی مثال طاق کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہو اور وہ چراغ شیشے کی قندیل میں ہے - قندیل ایسی ہے جیسے ایک روشن ستارہ، اس میں مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے یعنی وہ زیتون ہے - نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف - اس کا تیل ایسا کہ ابھی سلگ اٹھے گا ابھی اس میں آگ نہ لگی ہو - نور پر نور ہے - اللہ راہ دیتا ہے نور کی جسے چاہے اور اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں پر - اور اللہ ہر شئے کا علم رکھتا ہے - (سورہ نور - آیت 35)

تمام موجودات ایک ہی اصل سے تخلیق ہوتی ہیں خواہ وہ موجودات بلندی کی ہوں یا پستی کی- ہم ساخت کی ترتیب کو حسب ذیل مثال سے واضح کر سکتے ہیں-

شیشے کا ایک بہت بڑا گلوب ہے، اس گلوب کے اندر دوسرا گلوب ہے- اس دوسرے گلوب کے اندر ایک تیسرا گلوب ہے- اس تیسرے گلوب میں حرکت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہ حرکت شکل وصورت، جسم ومادیت کے ذریعے ظہور میں آتی ہے-

پہلا گلوب تصوف کی زبان میں نہر تسوید یا تجلی کہلاتا ہے- یہ تجلی موجودات کے ہر ذرہ سے لمحہ بہ لمحہ گزرتی رہتی ہے تاکہ اس کی اصل سیر اب ہوتی رہے- دوسرا گلوب نہر تجرید یا نور کہلاتا ہے- یہ بھی تجلی کی طرح لمحہ بہ لمحہ کائنات کے ہر ذرہ سے گزرتا رہتا ہے-

تیسرا گلوب نہر تشہید یا روشنی کا ہے- اس کا کردار زندگی کو برقرار رکھتا ہے- چوتھا گلوب نسمہ کا ہے جو گیسوں کا مجموعہ ہے- اس ہی نسمہ کے ہجوم سے مادی شکل وصورت اور مظاہرات بنتے ہیں-

اللہ تعالیٰ کے یہ چاروں تسلط مسلسل اور مستقل ہیں- ان میں سے کوئی تسلط اگر منقطع ہو جائے تو کائنات فنا ہو جائے گی- وہ تسلط خالقیت کا ہو، مالکیت ہو یا عطائے زندگی کا ہو یا عطائے نسمہ کا-

نمبر-1- کائنات کا لاشعور، نہر تسوید-

نمبر-2- کائنات کا شعور، نہر تجرید-

نمبر-3- کائنات کا ارادہ، نہر تشہید-

نمبر-4- کائنات کی حرکت، نہر تظہیر ہے-

سورہ نمل آیت ۳۰

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ إِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ(۲۰)

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا رحمٰن اور رحیم ہے-

بسم اللہ کی تفسیر فرماتے ہیں:

لوح محفوظ کا قانون یہ ہے کہ جب کوئی فرد دوسرے فرد سے روشناس ہوتا ہے تو اپنی طبیعت میں اس کا اثر قبول کرتا ہے- اس طرح دو افراد میں ایک فرد اثر ڈالنے والا اور دوسرا فرد اثر قبول کرنے والا ہوتا ہے- اصطلاحاً ہم ان دونوں میں سے ایک کا نام حساس اور دوسرے کا نام محسوس رکھتے ہیں-

حساس محسوس کا اثر قبول کرتا ہے اور مغلوب کی حیثیت رکھتا ہے- مثلاً زید جب محمود کو دیکھتا ہے تو محمود کے متعلق اپنی معلومات کی بنا پر کوئی رائے قائم کرتا ہے- یہ رائے محمود کی صفت ہے جس کو بطور احساس زید اپنے اندر قبول کرتا ہے- یعنی انسان دوسرے انسان یا کسی چیز کی صفت سے مغلوب ہو کر اور اس چیز کی صفت کو قبول کر کے اپنی شکست اور محکومیت کا اعتراف کرتا ہے-

یہاں آکر انسان، حیوانات، نباتات، جمادات سب کے سب ایک ہی قطار میں کھڑے نظر آتے ہیں اور انسان کی افضلیت گم ہو کر رہ جاتی ہے- اب یہ سمجھنا ضروری ہو گیا کہ آخر انسان کی وہ کون سی حیثیت ہے جو اس کی افضلیت کو قائم رکھتی ہے اور اس حیثیت کو حاصل کرنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟...

انبیاء اس حیثیت کو حاصل کرنے کا اہتمام اس طرح کیا کرتے تھے کہ وہ جب کسی چیز کے متعلق سوچتے تو اس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہ راست قائم نہیں کرتے تھے - ہمیشہ ان کی طرز فکر یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہے - کسی چیز کا رشتہ ہم سے براہ راست نہیں ہے بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے -

رفتہ رفتہ ان کی یہ طرز فکر مستحکم ہو جاتی تھی اور ان کا ذہن ایسے رجحانات پیدا کر لیتا تھا کہ جب وہ کسی چیز کی طرف مخاطب ہوتے تھے تو اس چیز کی طرف خیال جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف خیال جاتا تھا - انہیں کسی چیز کی طرف توجہ دینے سے پیشتر یہ احساس عادتاً ہوتا تھا کہ یہ چیز ہم سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتی - اس چیز کا اور ہمارا واسطہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے -

جب ان کی طرز فکر یہ ہوتی تھی تو ان کے ذہن کی ہر حرکت میں اللہ تعالیٰ کا احساس ہوتا تھا - اللہ تعالیٰ ہی بحیثیت محسوس کے ان کا مخاطب اور مد نظر قرار پاتا تھا اور قانون کی رو سے اللہ تعالیٰ کی صفات ہی ان کا احساس بنتی تھیں - رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی صفات ان کے ذہن میں ایک مستقل مقام حاصل کر لیتی تھیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی صفات کا قائم مقام بن جاتا تھا - یہ مقام حاصل ہونے کے بعد ان کے ذہن کی ہر حرکت اللہ تعالیٰ کی صفات کی حرکت ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی کوئی حرکت قدرت اور حاکمیت کے وصف سے خالی نہیں ہوتی - چنانچہ ان کے ذہن کو یہ قدرت حاصل ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے ارادوں کے مطابق موجودات کے کسی ذرہ، کسی فرد اور کسی ہستی کو حرکت میں لا سکتے تھے -

بسم اللہ شریف کی باطنی تفسیر اس ہی بنیادی سبق پر مبنی ہے - اولیائے کرام میں اہل نظامت (اللہ کی ایڈمنسٹریشن کے کارندے) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی ذہن عطا کیا جاتا ہے اور قرب نوافل والے اولیائے کرام اپنی ریاضت اور مجاہدوں کے ذریعے اس ہی ذہن کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں -

سورۃ یسین آیت ۸۲

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (82)

"اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "کن" (ہو جا) پس وہ ہو جاتی ہے (فیکون)"...

"کن فیکون" پر ایک مختصر روشنی بابا صاحبؒ یوں ڈالتے ہیں -

1 - اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ چیز ہو چکی اور ماضی میں چلی گئی

2 - نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہو رہی ہے اور نامکمل ہے -

3 - اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز نافذ العمل ہے اور مکمل ہے یعنی مکمل صورت میں نافذ العمل ہے - وضاحت اس کی یہ ہوئی کہ وہ چیز لازمانیت میں مکمل ہو چکی اور زمانیت میں نافذ العمل ہے -

4 - صرف ایک سیکنڈ (وقفہ کا چھوٹے سے چھوٹا یونٹ) ہے جو حقیقی ہے اور اس ایک سیکنڈ کی تقسیم سے ازل تا ابد کا وجود صادر ہوا ہے یعنی وہ ایک حقیقی سیکنڈ تقسیم ہو کر وقت کے لامتناہی یونٹوں میں رونما ہو رہا ہے -

5 - اس ایک سیکنڈ کے تکوینی مراحل کا اظہار اس عمل پر ہے کہ اس کی تقسیم لامتناہی یونٹوں کی شکل و صورت اختیار کر لے - اس شکل و صورت کا نام مظاہر کائنات یا عالم ناسوت، جبروت اور لاہوت ہے -

سورۃ الشوریٰ، آیت ۵۱

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (51)

ترجمہ: کسی بشر کی طاقت نہیں کہ اللہ سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا حجاب کے پیچھے سے یا کوئی رسول بھیج دے تو وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے- بے شک وہ بلند مرتبہ حکمت والا ہے۔(سورۃ الزخرف-51)

..."وحی اسے کہتے ہیں کہ جو سامنے منظر ہو وہ ختم ہو جائے پردے کے پیچھے جو منظر ہو وہ سامنے آجائے- اسی آیت میں ہے کہ اسے آواز آتی ہے- فرشتہ کے ذریعہ یا رسول کے ذریعہ- اس کے معنی یہ ہیں کہ فرشتہ سامنے آتا ہے اور اللہ کی طرف سے بات کرتا ہے- حجاب کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شکل سامنے آتی ہے اور اس طرح بات کرتی ہے جیسے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ حجاب ہے-

یہاں جو کچھ مزید کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ہر فرد کو یہ توفیق ملی ہے- دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں پردے کے پیچھے ہیں پردے کے اوپر نہیں ہیں- جب تک پردہ اٹھتا نہیں ہے یہ تینوں طریقے بیدار نہیں ہوتے- یہ تینوں شکلیں اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب انسان پردہ کے پیچھے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے-

وحی کے بارے میں یہ نہ سمجھا جائے کہ وحی صرف انبیاء پر آتی ہے-

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ:

ہم نے مریمؑ کی طرف وحی بھیجی، ہم شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجتے ہیں- شہد کی مکھی نبی نہیں ہے-

یہاں یہ بات قابل بحث ہے کہ حضرت مریمؑ پر وحی نازل ہوتی تھی تو اس کے ساتھ پھل، پھول، انگور وغیرہ آتے تھے جنہیں کھا کر وہ اپنی زندگی گزارتی تھیں- اس کے معنی یہ ہوئے کہ عام وحی میں کھانے پینے کی چیزیں بھی شامل ہیں-

سورۃ طور آیت ۱ تا ۷

باباصاحبؒ نے سورہ طور کی ابتدائی سات آیات کا ترجمہ اور تشریح اس پیرائے میں بیان کی ہے:

وَالطُّورِ (1) وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ (2) فِي رَقٍّ مَنْشُورٍ (3) وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ (4) وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ (5) وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ (6) إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ (7)

"ترجمہ..."قسم ہے پہاڑ کی اور بین السطور کتاب کی جو وسیع تر ورق ہے، اور بیت المعمور کی، اور قدرت کی حد بندیوں کی، اور نزول کرتے سمندر کی کہ آپ کے رب کی وعید کو پورا ہونا ہے-"

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن پاک میں لیل ونہار کا تذکرہ اس طرح کیا ہے جس میں مظاہر قدرت کی طرف کھلا اشارہ پایا جاتا ہے- دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک الگ مظاہر کا مجموعہ ہے اور رات الگ مظاہر کا- ایسے مظاہر جو دن میں رونما ہوتے ہیں، رات میں رونما نہیں ہوتے اور ایسے مظاہر جو رات میں رونما ہوتے ہیں، دن میں رونما نہیں ہوتے- یہ وہی مظاہر ہیں جن سے قلبی واردات بنتی ہے اسی قلبی

واردات کا نام حواس ہے – دن کی روشنی میں انسان کے دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی طرزیں رات کی طرزوں سے بالکل الگ ہوتی ہیں – کئی ایسی چیزیں جو دن کے وقت بشاشی اور شگفتگی لاتی ہیں، رات میں خوف و دہشت پیدا کرتی ہیں – غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دن رات کس درجہ مختلف ہیں – مصنوعی روشنیوں کے ذریعے رات کو کتنا ہی منور بنالیا جائے، وہ دن کے مظاہر پیدا نہیں کر سکتی اور دن کو کتنا ہی خاموش اور پر سکون بنالیا جائے، وہ رات کے مظاہر پیدا نہیں کر سکتا – یہ سب قدرت کے ضابطے ہیں اور ایسے فارمولے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب مسطور فرمایا ہے – اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے والطور فرمایا ہے یعنی پہاڑ کی قسم کھائی ہے – یہ قسم عنوان ہے ان ہی مظاہر کی کتاب کا – اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے بارے میں قرآن کے اندر ہی وضاحت کر دی ہے کہ "تم دیکھتے ہو پہاڑ اور گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں – "ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ انسانی مشاہدہ کو رد کر دیتے ہیں اور حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں – گویا ان پہاڑوں کی جو حیثیت انسانی نگاہ میں ہے صحیح نہیں ہے – دراصل یہ مظاہر قدرت کے رازوں کا گہوارہ ہیں – ہیں تو یہ گردش میں اور تیز گردش میں اور ساتھ ہی ایسے پریشر کے بانی ہیں جس سے زمین کے مظاہر کی نوعیتیں ردوبدل ہوتی ہیں – آیت نمبر 1 میں اور 2 میں یہی بات بیان کی گئی ہے – پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب وسیع تر ورق کی حیثیت رکھتی ہے یہاں تک کہ یہ کتاب وسیع ترین آبادیاں اور بلند ترین آسمانی رفعتیں اسی کے اندر سما جاتی ہیں – صرف یہی نہیں کہ یہ کتاب اور وسیع تر ورق کو محیط ہے بلکہ نازل ہونے والے تمام مظاہر کے سمندر اسی سے وابستہ ہیں – یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ایک روز ان سب کا اتمام ہو جائے – جس طرح مظاہر کی ابتداء ہوئی، ان کی انتہا بھی ہے – پھر وہ لوگ جو تیرے رب کے نافرمان ہو گئے ان کے لئے عذاب کی بشارت ہے –

اوپر کی سطروں میں بیان کردہ قرانی آیات کی تشریح اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ قرآن پاک علوم و معارف کا خزینہ ہے اور اس میں وہ تمام فارمولے بیان کئے گئے ہیں جن کے ذریعے ہم ان طریقوں سے اس لئے واقف نہیں ہیں کہ ہم نے تفکر کی راہ کو چھوڑ دیا ہے اور خلوص پر مبنی جدوجہد کی بجائے تقلید اور جمود کا شکار ہو گئے ہیں –

قدرت نے قلندر بابا اولیاءؒ کو کائناتی فارمولوں اور اسرار الٰہی کا امین بنایا۔ ہم ذیل میں قلندر بابا اولیاء کی تحریر کردہ چند آیات قرآنی کی روحانی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔

سورۃ قمر آیت ۱۷

سورۃ قمر کی آیت ۱۷ کی تفسیر یوں فرمائی:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (22)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا ہے – ہے کوئی سمجھنے والا؟ (سورۃ القمر)

ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا تو ہے کوئی سمجھنے والا، اس میں کسی جگہ یہ شرط نہیں کہ مخاطب عربی جانتا ہو یا اس نے عربی پڑھی ہو – اس کے معنی بہت ہی سادہ ہیں کہ چاہے وہ کسی بھی ملک کا رہنے والا ہو، چاہے اس کی مادری زبان کوئی بھی ہو، چاہے اس نے عربی کا ایک لفظ بھی نہ سنا ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معنی ضمیر کے ذریعہ اس کے لئے صاف کر دیئے ہیں –

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذہن میں وہ باتیں ڈال دیتا ہے جو انسانیت کے مطابق ہیں – یہ اس کا باطن ہے – ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے کہ قرآن پاک عربی جاننے والوں کے لئے یا صرف مسلمانوں تک محدود ہے – اس لئے کہ بہت سارے ایسے مسلمان ملیں

گے جو عربی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے مگر ان کا دھیان اس ان دیکھی طاقت کی طرف جاتا ہے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں، جسے وہ مانتے ہیں، جسے وہ خدا کہتے ہیں، جسے وہ اپنا باطن سمجھتے ہیں یا جسے وہ اپنے ضمیر کی آواز کہتے ہیں یا الفاظ دیگر جسے وہ کبھی Self کہتے ہیں، جس سے وہ خود کو چھپا نہیں سکتے اور جسے وہ حاضر و ناظر کہتے ہیں۔

قدم بقدم اللہ تعالیٰ انہیں ان کے ضمیر کے ذریعے سمجھاتا ہے کہ یہ افعال انسانی ہیں یا غیر انسانی ہیں۔ اگر انسان وہ آواز نہیں سنتا اور اس کی پرواہ نہیں کرتا تو وہ شخص سجین میں اپنا گھر بناتا ہے۔ پہلے وہ ادنیٰ میں آیا یعنی عالم ناسوت میں آیا پھر زیادہ ادنیٰ میں چلا گیا یعنی سجین میں چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ سجین سے سب راستے سجین میں ہی کھلتے ہیں، علیین میں کھل نہیں سکتے۔

سورۃ مزمل آیت ۱ تا ۹

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (1) قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (2) نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا (3) أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (4) إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (5) إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَ أَقْوَمُ قِيلًا (6) إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (7) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (8) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (9)

ترجمہ: "اے کپڑوں میں لپٹنے والے، رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کسی قدر بڑھا دو اور قرآن خوب خوب صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو)، ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔ بے شک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کی خوب موافقت ہوتی ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اس ہی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں۔" (سورہ مزمل)

جب ہم آدمی کی پوری زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی کا نصف لاشعور کے اور نصف شعور کے زیر اثر ہے۔ پیدائش کے بعد انسانی عمر کا ایک حصہ قطعی غیر شعوری حالت میں گزرتا ہے۔

پھر ہم تمام زندگی میں نیند کا وقفہ شمار کریں تو وہ عمر کی ایک تہائی سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر غیر شعوری عمر اور نیند کے وقفے ایک جگہ جمع کئے جائیں تو پوری عمر کا نصف ہوں گے۔ یہ وہ نصف ہے جس کو انسان لاشعور کے زیر اثر بسر کرتا ہے۔ ایسا کوئی انسان پیدا نہیں ہوا جس نے قدرت کے اس قانون کو توڑ دیا ہو۔ چنانچہ ہم زندگی کے دو حصوں کو لاشعوری اور شعوری زندگی کے نام سے جانتے ہیں۔ یہی زندگی کی دو قسمیں ہیں۔

لاشعوری زندگی کا حصہ لازم غیر رب کی نفی کرتا ہے اور اس نفی کا حاصل اسے غیر ارادی طور پر جسمانی بیداری کی شکل میں ملتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص لاشعور کے زیر اثر زندگی کے وقفوں میں اضافہ کر دے تو اسے روحانی بیداری میسر آسکتی ہے۔ اس اصول کو قرآن پاک نے سورۂ مزمل میں بیان فرمایا ہے۔

متذکرہ بالا آیات کی رو سے جس طرح جسمانی توانائی کے لئے انسان غیر شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے کا پابند ہے، اس ہی طرح روحانی بیداری کے لئے شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنا ضروری ہے۔ سورۂ مزمل کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہی قانون

بیان فرمایاہے۔ جس طرح غیر شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے سے جسمانی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے اس ہی طرح شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے سے روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

جس چیز کو مذکورہ بالا عبارت میں لاشعور کہا گیا ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان میں "نفس" اور قرآن پاک کی زبان میں "حبل الورید" اس ہی کو تصوف کی زبان میں "انا" کہتے ہیں۔ جب غیر رب کی نفی کی جاتی ہے اور "انا" کا شعور باقی رہتا ہے تو یہی "انا" اپنے رب کی طرف صعود کرتی ہے۔ جب یہ "انا" صعود کر کے صفت الٰہیہ میں جذب ہو جاتی ہے تو صفت الٰہی کے ساتھ منسلک ہو کر حرکت کرتی ہے۔ "انا" کے صفت الٰہیہ میں جذب ہو جانے کی کئی منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ہے ایمان لانا۔"

سورۃ قدر

سورۃ قدر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (2) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ (3) تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ (4) سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (5)

ترجمہ: ہم نے یہ اتارا شب قدر میں اور تمہیں کیا ادراک کہ کیا ہے شب قدر۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔ امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک۔ (سورۂ قدر)

شب قدر وہ رات ہے جس کا ادراک عام شعور سے ستر ہزار گنا یا اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ ایک رات کو ایک ہزار مہینے سے ستر ہزار گنے (گنا) کی مناسبت ہے۔ اس ادراک سے انسان کائناتی روح کا، فرشتوں کا اور ان امور کا جو تخلیق کے راز ہیں مشاہدہ کرتا ہے۔

تصوف میں اس ادراک کو فتح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ فتح میں انسان ازل سے ابد تک معاملات کو بیداری کی حالت میں چل پھر کر دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ کائنات کے بعید ترین فاصلوں میں اجرام سماوی کو بنتا اور عمر طبعی کو پہنچ کر فنا ہوتے دیکھتا ہے۔

لاشمار کہکشانی نظام اس کی آنکھوں کے سامنے تخلیق پاتے ہیں۔ اور لاحساب دور زمانی گزار کر فنا ہوتے نظر آتے ہیں۔ فتح کا ایک سیکنڈ بعض اوقات ازل تا ابد کے وقفے کا محیط بن جاتا ہے۔ "...✦

سورۃ اخلاص

سورۃ اخلاص کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (1) اللَّهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (4)

ترجمہ: کہہ دو اللہ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اور نہ اسے کسی نے پیدا کیا اور نہ اس کا کوئی خاندان ہے۔ (سورہ اخلاص)

یہاں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان ہوئی ہیں۔

پہلی صفت وحدت یعنی وہ کثرت نہیں۔

دوسری صفت بے نیازی یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں۔

تیسری صفت یہ کہ وہ کسی کا باپ نہیں۔

چوتھی صفت یہ کہ وہ کسی کا بیٹا نہیں۔

پانچویں صفت یہ کہ اس کا کوئی خاندان نہیں۔

یہ تعریف خالق کی ہے اور خالق کی جو بھی تعریف ہوگی مخلوق کی تعریف کے برعکس ہوگی یا مخلوق کی جو بھی تعریف ہوگی خالق کی تعریف کے برعکس ہوگی۔ اگر ہم خالق کی تعریفاتی حدوں کو چھوڑ کر مخلوق کی تعریف بیان کریں تو اس طرح کہیں گے کہ خالق وحدت ہے تو مخلوق کثرت ہے، خالق بے نیاز ہے تو مخلوق محتاج ہے، خالق باپ نہیں رکھتا تو مخلوق باپ رکھتی ہے۔

خالق کا کوئی بیٹا نہیں لیکن مخلوق کا بیٹا ہوتا ہے، خالق کا کوئی خاندان نہیں لیکن مخلوق کا خاندان ہونا ضروری ہے۔ ثانی ہونا، ذی احتیاج ہونا، ذی اولاد ہونا، ذی والدین ہونا، ذی خاندان ہونا مخلوقیت کی قدریں ہیں یہ قدریں مکان یعنی مظہر Space پر مشتمل ہیں لیکن خالقیت کی قدریں ان قدروں کے برعکس ہیں۔

مخلوقیت کی قدروں میں ابتداء، انتہا، اشتباہ، عکس رنگ (روشنی) کی حد بندی اور ہر قسم کا تغیر ہوتا ہے اور مختلف نوعوں میں مختلف شکل و صورت مختلف آثار و احوال پائے جاتے ہیں۔

قلندر باباولیاءاور قرآن

خواب اور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

تعبیر عظیم رحمۃ اللہ علیہ

خواب ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے کشف و الہام کی ابتداء ہوتی ہے - حقائق اور غیب کا انکشاف خواب کی صلاحیت کے ذریعے واقع ہوتا ہے - حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے خواب کی تعبیر کے ذریعے جن رموز سے پردہ اٹھایا ہے سہیل احمد صاحب کی اس تحریر کے ذریعے قارئین کی نذر ہے - زمانہ قدیم سے انسان کے لئے خواب دیکھنا ایک معمہ بنا ہوا ہے - وہ سو جاتا ہے اور مادی دنیا سے اس کے حواس بے خبر ہو جاتے ہیں لیکن وہ پھر بھی خود کو اسی طرح چلتا پھرتا، باتیں کرتا اور وہ سارے کام کرتے دیکھتا ہے جو وہ بیداری میں جسم کے ساتھ کرتا ہے - طرح طرح کے مناظر اسے خواب میں دکھائی دیتے ہیں - عام طور پر انسان یہ کہہ کر خواب کو رد کر دیتا ہے کہ یہ تو محض میرے خیالات اور وہ باتیں ہیں جن سے میں بیداری میں گزرتا ہوں اور جو حافظے میں محفوظ ہو جاتی ہیں - یہی باتیں سوتے میں بھی یاد آتی رہتی ہیں...

لیکن انسان بہت سے خواب ایسے دیکھتا ہے جن کا تاثر بہت گہرا ہوتا ہے اور اس کے اندر قدرتی طور پر یہ تجسس بیدار ہو جاتا ہے کہ آخر ان تمام باتوں کا کیا مطلب ہے؟ یا پھر وہ کوئی نہ کوئی ایسا خواب دیکھتا ہے جو کچھ عرصے بعد بیداری میں من و عن پورا ہو جاتا ہے - اس موقع پر وہ چونکتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ خواب کی دنیا محض خیالات نہیں ہیں بلکہ اس کے اندر اسرار پنہاں ہیں -

حدیث نبوی صلّ اللہ علیہ وسلّم ہے کہ..."انبیاء کا ورثہ علم ہے"

انبیاء کرام کو علم لدنی حاصل ہوتا ہے - اللہ تعالیٰ انہیں خصوصی علوم عطا فرماتے ہیں - ان علوم میں سے ایک علم خواب کی تعبیر سے متعلق ہے -

حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ:"خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے -"

امام سلسلہ عظیمیہ حضرت محمّد عظیم برخیا قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ انبیاء کرام نے علوم لدنیہ کی تدوین فرمائی تو اس کے ابواب قائم کئے...

خواب اور خواب کی تعبیر کا علم ان علوم کا چھیالیسواں باب ہے - علم لدنی کے اس باب میں یہ بات تعلیم کی جاتی ہے کہ خواب کیا ہے اور انسان خواب میں کن واردات و کیفیات سے گزرتا ہے - نیز خواب کی صلاحیتوں اور قوتوں کا استعمال اسی باب کا حصہ ہے - علم روحانیت کی مطابق خواب ایک ایسی ایجنسی ہے جس کے ذریعے کشف و الہام کی ابتدا ہوتی ہے - حقائق کا کشف اور غیب کا انکشاف خواب کی صلاحیت کے ذریعے واقع ہوتا ہے - قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے -

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی میں بھی بہت سے واقعات خواب کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں - آپؐ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد صحابہ کرام سے ان کے خواب پوچھتے اور ان کی تعبیر عنایت فرماتے تھے -

انبیاء کرام علیہ السلام کے وارث اولیاء اللہ کو خواب کا علم انبیاء سے منتقل ہوتا ہے حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو نظامت کے فریضہ اور تکوین کی خدمت سپرد فرمائی اور آپؒ کے وجود باسعود کو لوگوں کی روحانی تشنگی دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔ قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں جو افراد حاضر رہے ہیں وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ آپؒ کی شخصیت خود ایک کرامت تھی۔ آپؒ کا ذہن قدرت کے فارمولوں میں گم تھا۔ آپؒ مختصر گفتگو کرتے لیکن جو بات بیان فرماتے اس میں الہام کا رنگ صاف جھلکتا تھا، اس لئے کہ آپؒ نے کشف و الہام اور معرفت کی ان گنت منازل طے کی تھیں۔ آپ حامل علم لدنی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے قلب کو علوم لدنیہ کا گنجینہ بنا دیا تھا۔ آپؒ اس کا اظہار پسند نہیں فرماتے تھے لیکن کبھی کبھی ایسے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہو جاتے تھے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آپؒ ان علوم کا اظہار فرما دیتے تھے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا کہ...

"خواب دیکھنا عالم رویاء کا ایک عکس ہے یا عالم رویاء کا ایک حصہ ہے۔ عالم رویاء پوری کائنات کا تحت الشعور ہے۔ عالم رویاء میں انسان کی انا جسم کے بغیر سفر کرتی ہے۔ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالم رویاء میں سفر کرنے کی خصوصی صلاحیت اور قوت عطا ہوتی ہے... اسی علم کے ذریعے یہ حضرات پوری کائنات میں سفر کرتے ہیں اور مرنے سے پہلے اور بعد کی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ روح کے علوم رویاء کی صلاحیت کی ذریعے اولیاء اللہ کے قلوب پر نازل ہوتے ہیں۔"

سن ساٹھ کی دہائی کے آخر میں آپ کے خانوادہ خواجہ شمس الدین عظیمی نے خواہش ظاہر فرمائی کہ اخبار میں کالم کے ذریعے لوگوں کو علم روحانیت کا پیغام پہنچایا جائے چنانچہ روحانی مضامین اور لوگوں کے مسائل کے حل پیش کر کے اس کی ابتداء کی گئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ لوگوں کے خواب اور ان کی تعبیر بھی انہی کالموں میں شائع کر کے روحانی علم کا فیض عام کیا گیا۔ اس وقت یہ علم حقیقی معنوں میں عوامی سطح پر سامنے آیا اور ایک ایسا ذریعہ پیدا ہوا جس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے... چنانچہ روزنامہ جنگ، جسارت، حریت اور مشرق کے ذریعے ہزاروں لوگوں کے خواب اور ان کی تعبیر پیش کی گئی۔ شروع شروع میں خود حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ازراہ رہنمائی خواب کی تعبیر لکھوائی... بعد ازاں یہ علم جناب خواجہ شمس الدین عظیمی کو ودیعت فرما کر یہ کام ان کے سپرد کر دیا چنانچہ مذکورہ بالا اخبارات کے علاوہ ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ میں ایک عرصے تک لوگوں کے خواب اور ان کی تعبیریں شائع ہوتی رہیں۔

قلندر بابا اولیاءؒ نے خواب کی تعبیروں کو جس خوبصورت، بلیغ اور واضح انداز میں لکھوایا یہ ان کا خاصہ تھا۔ آپؒ نے خواب کی تعبیروں کے ذریعے جس طرح لوگوں کے مسائل اور ان کے حل، لوگوں کے مستقبل کا انکشاف، امراض کی نشاندہی اور علاج کے لئے مشورے عنایت فرمائے وہ علم روحانیت کی تاریخ کا ایک نادر و منفرد باب ہے۔

ہر انسان عالم رویاء سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ اس تعلق کو ایک علم کی صورت میں نہیں سمجھ سکتا۔ علم لدنی کے حامل افراد اس تعلق کے فارمولوں کا مشاہدہ کرنے کی قوت رکھتے ہیں اور کسی شخص کو عالم رویاء سے کیا اطلاعات ملتی ہیں اس کا ٹھیک ٹھیک ادراک و شہود ایسے بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ خواب کی تعبیر کی صورت میں ان اطلاعات کی وضاحت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو کسی شخص کو خواب کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ بھی تعبیر خواب پر خصوصی دسترس رکھتے تھے۔ تعبیر خواب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ جب کبھی کوئی قاری تعبیر خواب کی علمی جزئیات کو سمجھنا چاہتا تو حضور قلندر بابا اولیاءؒ خواب اور تعبیر خواب کے بارے میں بہت سی باتیں اختصار سے بیان کر دیتے تھے۔

خواب یا عالم رویاء کے بارے میں قلندر بابا اولیاءؒ ارشاد فرماتے ہیں...

۔۔"نوع انسانی آفرینش سے آج تک بیداری اور خواب کے مظاہر کو الگ الگ کرنے کے لئے امتیازی خط نہیں کھینچ سکی- ذرا خواب کی علمی توجیہہ پر غور کیجیے... خیال، تصور، احساس اور تفکر ذہن کے نقوش ہیں.. یہی وہ نقوش ہیں جو اندرونی دنیا کہلاتے ہیں- ان ہی نقوش کی روشنی میں بیرونی دنیا کو پہچانا جاتا ہے- اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے کہ اندرونی اور بیرونی دنیا کے نقوش مل کر ایک ایسی دنیا بنتے ہیں جس کو ہم واقعاتی دنیا سمجھتے ہیں...

انسان عالم خواب میں چلتا پھرتا، کھاتا پیتا ہے- من و عن انہی کیفیات سے گزرتا ہے جن سے عالم بیداری میں گزرتا ہے- وہ جس چیز کو جسم کہتا ہے اس کی حرکت عالم خواب اور عالم بیداری دونوں میں مشترک ہے- عالم بیداری میں بار بار واپس آنے کا سراغ انسانی حافظے سے ملتا ہے لیکن انسانی حافظہ خود دور ابتلاء سے گزرتا رہتا ہے- یہ کبھی کمزور ہو جاتا ہے کبھی معمول پر آجاتا ہے...

حافظے کا ذرا سا تجزیہ کیجئے تو پس پردہ ایک ایجنسی ایسی ملے گی جو دیدہ و دانستہ حافظہ کی روئیداد میں فقط اس لئے کمی بیشی کرتی رہتی ہے کہ انسانی کردار کو نمایاں اور غیر معمولی بنا کر پیش کر سکے- یہیں سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ عالم بیداری سے متعلق انسانی حافظے کا بیان مستند نہیں ہو سکتا...

یہ صحیح ہے کہ انسانی حافظہ عالم خواب کی روئیداد بہت ہی کم محفوظ کرتا ہے تاہم حافظے کے اس طرز عمل سے عالم بیداری کی روئداد کو امتیاز حاصل نہیں ہوتا- حافظہ تنہا کبھی کام نہیں کرتا- اس کے ساتھ تراش خراش کرنے والی ایجنسی ضرور لگی رہتی ہے اور حافظے کی دلچسپی اس ہی روئداد سے وابستہ رہتی ہے جس میں تراش خراش کرنے والی ایجنسی کی کارپردازی زیادہ ہو... شاذ ہی ہوتا ہے کہ حافظہ عالم خواب کا تذکرہ کرے- وجہ ظاہر ہے کہ تراش خراش کرنے والی ایجنسی کی دلچسپی عالم خواب میں نہ ہونے کے برابر ہے- ایسا نہ ہوتا تو انسانی حافظہ عالم خواب کو رد کرنے کا عادی نہ ہوتا- اب سنجیدگی کا فتویٰ بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ عالم خواب زیادہ مستند ہے...

اس کا تجزیہ حافظے کے اسلوب کار کو سمجھنے سے بآسانی ہو جاتا ہے- حافظہ چند باتوں کو رد کرتا ہے اور چند باتوں کو دہراتا ہے- رد کی ہوئی باتیں بھول کے خانے میں جا پڑتی ہیں اور شعور ان سے بے خبر رہتا ہے- روزمرہ کی مثال ہمارے سامنے ہے- ہم اخبار پڑھتے ہیں، چند باتیں یاد رکھتے ہیں اور باقی بھول جاتے ہیں...

انسان کی آفرینش ہی سے حافظے کا یہ طرز عمل اس کے اطوار میں داخل رہا ہے- اسی لئے عالم خواب کی علمی تشکیل اور توجیہہ فکر انسانی نے اب تک نہیں کی ہے- کشف و الہام عالم خواب ہی سے شروع ہوتے ہیں۔

خواب روح کی زبان ہے۔۔۔

حضور بابا صاحبؒ کا اعجاز تھا کہ وہ خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ جہاں ضرورت ہوتی خواب کے علم کی جزئیات اور اس کی تشریحات بھی بیان فرما دیتے تھے - ان تشریحات و توجیہات سے علم تعبیر خواب کی وہ عظمت و وسعت سامنے آئی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک ایسا ہی خواب اور اس کی تعبیر ہم درج کرتے ہیں جس میں قلندر باباؒ نے اس بات کیا جمالاً وضاحت فرمائی ہے کہ شعور انسان کو خواب میں اطلاعات کیوں موصول ہوتی ہیں۔

بہتر اور کام یاب زندگی کی بشارت

کراچی سے رفعت جہاں صاحبہ نے اپنا خواب یوں لکھا ...

میں نے دیکھا کہ میں چار پانچ سال کی بچی ہوں اور اپنے اسکول کی چھت پر کھڑی ہوں - آسمان صاف شفاف ہے جیسے بارش کے بعد گرد و غبار دھل جانے کے بعد آسمان کا رنگ نکھر جاتا ہے - کسی طرف سے بادل کا ایک دبیز ٹکڑا آسمان پر آگیا اور اس بادل کے ٹکڑے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے.. یہ بادل کسی فلمی منظر کی طرح گزر گیا - اس کے پیچھے بادل کے بڑے بڑے ٹکڑے آئے - ان پر قرآن کریم کی مختلف آیات لکھی ہوئی ہیں - یہ بادل بھی ہوا کے دوش پر بہت دور چلے گئے پھر ایسا ہوا کہ دو بادل کے ٹکڑے نظر کے سامنے آکر ٹھہر گئے - ان دونوں کے درمیان ایک بزرگ صورت انسان کا چہرہ نمودار ہوا - یہ بزرگ مسکرا کر میری طرف دیکھ رہے ہیں" -

درخواست ہے کہ خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت فرمادیں کہ خواب کیوں نظر آتے ہیں -

جواب میں قلندر باباولیاؒء نے یوں تحریر فرمایا...

"...خواب کو اختصار میں سمجھنے کے لئے چند باتیں پیش نظر رکھنا ضروری ہیں -

1 - انسانی زندگی کے تمام کاموں کا دارومدار حواس پر ہے - یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا کہ حواس کیا ہیں اور کس طرح مرتب ہوتے ہیں تفصیل طلب ہے - صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہمارے تجربے میں حواس کا زندگی سے کیا تعلق ہے...

حواس کو زیادہ تر اسٹف Stuff بصارت سے ملتا ہے - اس اسٹف کی مقدار 95٪ یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے - باقی اسٹف جو تقریباً 4٪ ہے بقیہ چار حصوں کے ذریعے ملتا ہے - دراصل یہ اسٹف کوڈ Code یا استعارے کی صورت اختیار کرلیتا ہے...

ہم استعارے کو اپنی زندگی کی حدود میں اس کی ضروریات اور اس کے متعلقات کے دائرے میں سمجھتے اور بیان کرتے ہیں - انہی استعاروں کے اجتماعی نتیجے سے ہماری زندگی کی میکانیکی تحریکات اور اعمال و وظائف اعضاء بنتے ہیں...

ان اعمال و وظائف میں ایک ترتیب ہوتی ہے - ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے ذات انسانی میں ایک تفکر پایا جاتا ہے یہ تفکر جسے روح کہہ سکتے ہیں شعور سے ماوراء ہے چاہے اس کو لاشعور کہیئے، یہی تفکر شعور کو ترتیب دیتا ہے - ان میں زیادہ سے زیادہ استعارے محدود ضرورتوں اور محدود عقل، محدود اعمال و وظائف کے دائروں سے باہر ہوتے ہیں...

اب جو کم سے کم استعارے باقی رہے - ترتیب میں آئے اور شعور کا نام پاگئے ان کو بیداری کی زندگی کہا جاتا ہے اور کثیر المقدار استعارے خواب کے لامحدود ذخیروں میں منتقل ہو جاتے ہیں -

2 - کبھی کبھی ذات انسانی، انا، روح یا لاشعور کو ان لامحدود ذخیروں میں سے کسی جزو کی ضرورت پڑ جاتی ہے - اس کے دو اہم مندرجات ہوتے ہیں - ایک وہ جو بیداری کی زندگی سے متعلق مستقبل میں کام کرتے ہیں - دوسرے وہ جو شعور کے کسی تجربے کو یاد دلاتے ہیں تاکہ شعور اس کا فائدہ اٹھا سکے...

جب روح ان ذخیروں میں سے کسی جزو کو استعمال کرتی ہے تو اس جزو کا تمام اسٹف نہ شعور حافظہ میں رکھ سکتا ہے نہ سنبھال سکتا ہے بلکہ خال خال حافظہ میں رہ جاتا ہے - اسی کو شعور خواب کا نام دیتا ہے...

اس تشریح کی روشنی میں خواب کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے... جو استعارے بچپن میں بصورت عقائد فہم میں نہیں سما سکتے، اب وہ خواب میں اس لئے دہرائے گئے ہیں کہ شعور ان کو تشریح اور تفصیل کے ساتھ سمجھے - ساتھ ہی اعتماد اور یقین کی پختگی حاصل کرے۔۔ ایک بزرگ کا چہرہ اس امر کا تمثل ہے کہ ابھی شعور میں یہ چیزیں ناپختہ ہیں - ذہن ڈگمگاتا ہے - اور یقین کی وہ قوت طبیعت کو حاصل نہیں ہے جو مستقبل کے محرکات اور اعمال و وظائف بنتے ہیں - طبیعت نے انتباہ کیا ہے کہ اس قوت کا حاصل کرنا زندگی کے لائحہ عمل میں استحکام پیدا کرنے کے لئے اور فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے...

روح نے یہ بتایا کہ بہتر اور کامیاب زندگی اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ یقین کی قوت سے کام لیا جاتا ہے - یہ قوت ہی منزل تک پہنچا سکتی ہے - دوسرا خواب بھی اسی خواب کا اعادہ ہے - استعارے معکوس ہیں۔

اولاد کی خوش خبری ...

کراچی کے شاہد صاحب نے اپنا خواب یوں لکھا... میں نے دیکھا کہ میں اپنی بیوی کے پاس بیٹھا ہوں کچھ فاصلے پر ایک عورت بیٹھی توے پر گھی پگھلا رہی ہے - میں اس عورت کے پاس گیا اور ڈرتے ڈرتے گلاب کا پھول اسے پیش کیا - عورت نے مسکرا کے اسے قبول کیا اور میں نے گلاب کا پھول توے پر موجود گھی میں ڈال دیا -

حضور قلندر باباولیاءؒ نے بذریعہ تعبیر اولاد کی بشارت ان الفاظ میں دی -

"...دونوں عورتوں کے چہرے بیوی ہی کے دو چہرے ہیں - کسی دوسری عورت کا چہرہ نہیں ہے - گلاب کی پیشکش پر اظہار خوشی اولاد نرینہ کی خوش خبری ہے ✦..." -

امتحان میں کامیابی کی نوید...

شہباز خان نے اپنا خواب ان الفاظ میں بیان کیا...

میں اردو اور معاشرتی علوم کا پرچہ حل کر رہا ہوں - اردو کے پرچے میں دو گھنٹے لگ جاتے ہیں پھر جلدی جلدی دوسرا پرچہ حل کرتا ہوں - میرے بعد دو اور لڑکوں نے استاد صاحب کو حل شدہ پرچے دیئے...

میں کلاس میں بیٹھا ہوں کہ میرا دوست گاجریں لایا ہے - یہ گاجریں وہ استاد صاحب کو دینا چاہتا ہے لیکن میں اسے منع کر دیتا ہوں اور خود ایک صاف ستھری گاجر استاد کو دینا چاہتا ہوں لیکن وہ انکار کر دیتے ہیں" -

باباصاحبؒ نے تعبیر خواب میں یہ خوشخبری عنایت فرمائی ...

۔۔"آئندہ ہونے والے امتحان میں ایک پرچے کے نمبر زیادہ، ایک پرچے کے نمبر کم اور باقی مضامین میں نمبر اچھے حاصل ہوں گے - مجموعی طور پر ڈویژن مل جائے گی۔"۔۔

غلط طرز عمل کی نشاندہی:

بہت سے خوابوں کی تعبیر میں قلندر بابا اولیاؒء نے سائلین کے غلط طرز عمل کی نشاندہی فرمادی جن سے ان کی فکر و عمل کو نقصان پہنچ رہا تھا اور جن سے نجات حاصل کرنا بہتر زندگی اور اچھے مستقبل کے لئے ضروری تھا- ایسے چند خواب اور بابا صاحب کی زبان الہام بیان سے ان کی تعبیر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں-

دہکتے کوئلے اور مرغی کا ذبح کرنا:۔

شمیم صاحبہ نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے لکھا...

میری امی نہر کے کنارے ایک درخت کے نیچے کھڑی ہیں- ایک آدمی گزرتے ہوئے کہتا ہے.. شاباش تم اس آدمی کی (میرے والد کی طرف اشارہ کرکے) بیوی ہو-

دوسرا خواب یہ ہے کہ ... کوئلے دھک رہے ہیں ان کوئلوں پر ایک مرغی آکر گرتی ہے اور جل جاتی ہے- امی نوکر کو آواز دیتی ہیں کہ جلدی سے چھری لاؤ تاکہ مرغی ذبح کرلیں-

باباصاحبؒ تعبیر کے ضمن میں فرماتے ہیں...

امی جان کے بے جا پیار نے خصائل و عادات پر بہت برا اثر ڈالا ہے- درخت کا سایہ، اماں ابا کی صورتیں، ایک آدمی کا نعرہ تحسین بلند کرنا یہ سب خاکے ہیں اچھے خصائل کو ردی سمجھنے کے-

دوسرا خواب پہلے خواب کا انتباہی رخ ہے- یہ رخ خبردار کررہا ہے کہ موجودہ روش فوراً ترک کردی جائے ورنہ مستقبل تاریک ہونے کا اندیشہ ہے- دہکتی آگ میں مرغی کا جلنا نتیجہ کی نشاندہی کرتا ہے- "چھری لاؤ" شرط کی تصویر ہے کہ یہ روش ترک نہ کی گئی تو "چھری مرغی ذبح" سارا بندوبست لاحاصل ہوجائے گا-

خواب میں قرآن پاک:-

بیگم منظور حسین رسول نے اپنا خواب تحریر کیا...

دیکھتی ہوں کہ زبردست سیلاب آیا ہوا ہے اور ایک مسجد سیلاب کے پانی میں ڈوب گئی ہے- پانی میں بے شمار قرآن پاک تیر رہے ہیں- پانی میں بہت سے نوجوان کھڑے ہیں- میں کنارے پر کھڑی ہوکر کہتی ہوں کہ ایک صاف اور خشک قرآن پاک جو سب سے اچھا ہو مجھے لادو- ایک جوان میرے ہاتھ پر قرآن پاک لاکر رکھ دیتا ہے- میں اس سے پھر کہتی ہوں کہ ایک رحل بھی لادو- پھر کچھ سوچ کر کہتی ہوں کہ ایک اور قرآن مجید لاکر دو- وہ کہتا ہے کہ اب قرآن پاک قیمتاً ملے گا، یہ سن کر مجھے مایوسی ہوتی ہے-

باباصاحبؒ نے تعبیر یہ فرمائی...

مسجد کا سیلاب میں ڈوبنا، قرآن پاک کے نسخوں کا پانی میں تیرنا، ایک نسخے کا حصول، دوسرے نسخے کے حصول میں ناکامی، ان اوراد و وظائف کے خاکے ہیں جو پڑھے گئے ہیں- ان کا اپنی بہتری کے لئے پڑھنا تو ٹھیک ہے لیکن دوسروں کی برائی کے لئے پڑھنا ہرگز مناسب نہیں-

دو منہ والا سانپ

میاں اقبال سندھو نے لکھا...

ایک عورت نے مجھ سے کہا دیکھو میں گھر سے اٹھ کر نماز کے لئے آگئی ہوں مگر تم ابھی تک نہیں اٹھے یا تم نماز نہیں پڑھو گے ؟ انہوں نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے پوچھا، تم کہاں رہتے ہو؟ میں نے اپنا کمرہ بتایا تو وہ کمرے میں گئیں پھر وہاں سے باہر آکر وضو کیا اور فجر کی دو رکعت نماز مسجد میں ادا کی پھر میرے سرہانے بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگیں۔

دیکھا کہ ایک دوست جوگی کی ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور اسی کے ذریعے دو منہ والا سانپ لٹکا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اپنی قوت اور صلاحیتوں کی بہت ڈینگ مارتے ہو اگر مرد ہو تو اس سانپ کو مار کر دکھاؤ۔

حضور قلندر باباولیاؒء نے سائل کے بعض غلط رجحانات کی یوں نشاندہی فرمائی...

تعبیر: 1 - عورت اور نماز، خوشی اور نیکی کے رجحانات ہیں - طبعیت مائل تو ہوتی ہے مگر آرام طلبی مانع آجاتی ہے - یہ روش ترک کر دینی چاہیئے۔

2- آپ کوئی کام برابر کر رہے ہیں - یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ یہ کام بہت بڑے اجر کا مستحق ہے اور بہت بڑی نیکی ہے - یاد رکھیئے یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں کیا جارہا ہے اس کے پس پردہ آپ کی کوئی غرض دوڑ رہی ہے - نہ یہ نیکی ہے اور نہ اس کا کوئی اجر ہے۔

انڈونیشیا جانے کا حکم

ایم طاہر صاحب نے اپنا خواب ان الفاظ میں بیان کیا...

محکمہ کی طرف سے خط موصول ہوا کہ آپ کو بہت زیادہ فعال اور متحرک ہونے کی وجہ سے ایگریکلچر میں دو سالہ کورس کے لئے انڈونیشیا بھیجا جارہا ہے - صبح اٹھ کر حیران ہوا کہ یہ حکم کیسا تھا کیوں کہ ایگریکلچر سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

باباصاحب نے خواب کے معانی کو یوں واشگاف فرمایا...

لاشعور نے بتایا ہے کہ معاشی ترقی محنت اور تندہی کے ساتھ کام کرنے سے ہی مل سکتی ہے - ایگریکلچر اور انڈونیشیا تندہی اور مسلسل تندہی کے نقش ہیں جن کا تصور ذہن میں موجود نہیں ہے - محض سینیارٹی حصول ترقی کے لئے کافی نہیں ہے۔

تصوف، صوفیانہ ادب اور سید محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ

طب عظیم رحمۃ اللہ علیہ

مشہور کہاوت ہے "صحت ہزار نعمت ہے"۔ بیماری یا کمزوری جہاں صحت کو نقصان پہنچاتی ہے وہیں بیمار شخص بہتر ذہنی مرکزیت کے ساتھ دنیا میں بکھری اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مشاہدہ بھی نہیں کر سکتا ہے اور مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار رہتا ہے۔

حبس ریاح...

حبس ریاح کے مرض میں باباصاحبؒ بتاتے ہیں کہ کھانا خوب پیٹ بھر کر کھانا چاہئے۔
نسخہ کے طور پر اجوائن ایک چھٹانک اور کالا نمک تین چھٹانک کوٹ چھان کر سفوف بنا کر رکھ لیں ہر کھانے کے بعد یہ سفوف ایک ماشہ کھالیں۔

پیروں سے بدبو...

ایک صاحب اپنے ایک نوجوان لڑکے کو لے کر باباصاحبؒ کی خدمت میں آئے اور بتایا کہ میرا یہ بیٹا تھوڑی دیر بھی جوتیاں پہن لیتا ہے تو اس کے پیروں سے بہت بری بدبو آنے لگتی ہے اس بدبو سے سب پریشان رہتے ہیں۔ قلندر باباؒ نے انہیں کہا کہ بچے کا معدہ غلیظ رہنے لگا ہے علاج کے طور پر:
آپ اسے گوشت بالکل ترک کروادیں، پتوں والی ترکاریاں زیادہ کھلائیں، نہار منہ تازہ پانی دیں اور خیال رکھیں کہ بچے کو قبض نہ ہونے پائے۔ میٹھا اور نمک بھی غذا میں کم کر دیں، چربی دار اور روغنی غذاؤں کو استعمال مت کرائیں بلکہ سرسوں کا خالص تیل غذا میں استعمال کیجئے۔
وہ صاحب شکریہ ادا کر کے واپس چلے گئے کچھ دنوں بعد آئے تو ان سے بچے کا حال دریافت کیا عرض کرنے لگے کہ حضور اللہ کا کرم ہو گیا ہے اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔

بڑا سر...

ایک دفعہ ایک عورت اپنے چھوٹے سے بچے کے ساتھ آئیں بچے کا سر کافی بڑا تھا اور اس کے بال اڑے ہوئے تھے وہ خاتون باباصاحبؒ کو بتانے لگیں کہ بچے کا سر بہت بڑا ہے اور ہلتا رہتا ہے جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کی گردن پر ایک آبلہ تھا۔ باباصاحبؒ نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ:
سورج مکھی کے بیج پانی میں جوش دے کر چائے کی طرح دم دیں اور چینی ملا کر بچے کو صبح شام پلائیے۔

معذوری...

باباصاحبؒ کی خدمت میں ایک بار ایک ایسامریض لایا گیاجس کا کچھ عرصہ پہلے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ڈاکٹروں نے آپریشن کر کے کمر میں سلاخ ڈال دی تھی آپریشن کے بعد وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیااور اس کی آنکھیں بھی ضائع ہو گئیں۔باباصاحبؒ نے یہ علاج تجویز کیا...

جامن کے سرکہ میں پیاز چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ڈال دیں تین دن تک دھوپ میں رکھیں۔اس کے بعد اٹھالیں۔تینوں وقت روٹی کے ساتھ مریض کو کھلائیں اور اگر جامن کا سرکہ دستیاب نہ ہو تو جامن کی کونپلیں لے کر پیاز کے ساتھ پیس لیں اور روزانہ تینوں وقت کھانے کے ساتھ دیں۔پیاز اور جامن کی کونپلیں ہم وزن ہوں۔

پیٹ بڑھنا...

ادھیڑ عمر کے ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ ایک سال پہلے اچانک غیر معمولی طور پر میرا پیٹ بڑھنا شروع ہو گیااور مستقل بڑھتا رہا اب گوگڑ نکل گئی ہے اور پیٹ بڑھ کر مٹکے کی طرح سخت ہو گیا ہے۔باباصاحبؒ نے کہا:

بھئی ناف نلوں کی خرابی ہے گلقند دو تولہ سادے پانی سے کھالیا کرو۔

آنکھوں کے سامنے خون...

ایک بچے کی آنکھوں کے سامنے خون تیرتا ہوا نظر آتا۔جب اسے باباصاحبؒ کے پاس لایا گیاتو آپؒ نے بتایا کہ دماغ کے ریشوں میں پانی بھر چکا ہے اس کی وجہ سے ایسا نظر آتا ہے۔بچے کی والدہ کو بتایا کہ:

دکھنی مرچ ایک چھٹانک اور چینی ایک چھٹانک لے کر صاف ہاون دستے میں باریک سفوف بنالیں اور 6ماشہ تازہ پانی سے روزانہ سونے سے پہلے بیس روز تک کھلائیں۔

استسقاء...

استسقاء کی مریضہ باباصاحبؒ کے پاس دعا کرانے آئیں تو آپ نے انہیں جلد صحت کے لیے بتایا کہ:

السی کا سفوف بتایا کہ حلوہ بنا کر یا سادہ کھائیں

چھوٹا قد اور کب...

ایک لڑکے کا کب نکلا ہوا تھااور قد چھوٹا رہ گیا تھا اپنے ایک دوست کے ہمراہ قلندر باباؒ کی خدمت میں حاضر ہوااور کہنے لگا حضرت بہت علاج کرا لیا ہے لیکن قد نہیں بڑھتا،احساس کمتری کا شکار ہو گیا ہوں۔باباصاحبؒ نے علاج تجویز کرتے ہوئے اس لڑکے کو ہدایت کی کہ:

ورزش کرو اور گھیکوار کا حلوہ کھاؤ۔

ایڑی کا درد

ایک بوڑھی اماں کی ایڑی میں شدید درد رہنے لگا جو کسی صورت ختم نہیں ہو رہا تھا- ان کا بیٹا بابا صاحبؒ کے پاس آیا اور ایڑی کے درد کے بارے میں بتایا تو آپ نے بچہ سے کہا کہ:

اماں کے ایڑی کے اوپر پٹھوں پر سرسوں کے گرم تیل کے کپڑے سے ٹکور کرتے رہیں-

ذیابیطس

باباصاحبؒ نے ذیابیطس یعنی شوگر کی ایک مریضہ کو نیم کا تیل اس ترکیب سے تجویز کیا تھا-

پہلے ہفتہ: نیم کا تیل 10-10 قطرے صبح، دوپہر، شام-

دوسرے ہفتہ: نیم کا تیل 10-10 قطرے صبح، شام -

تیسرے ہفتہ صرف صبح کے وقت اور

چوتھے ہفتہ: صرف شام کے وقت پھر اس طریقہ کار کو الٹ کر دہرائیں-

ذیابیطس کے ایک بزرگ مریض کو شوگر کنٹرول کرنے کا نسخہ باباصاحبؒ نے بتایا تھا جس سے ایک ہفتہ میں ہی شوگر آنا بند ہو گئی تھی-

وہ نسخہ یہ ہے-

تخم حیات (اسے اردو میں پنیر، پنجابی میں پنیر ڈوڈی، سندھی میں خم زیرہ اور فارسی میں پنیر با کہتے ہیں- ذائقہ میں تلخ، کڑوی اور بو میں بساندھ ہوتی ہے- گول گول بیج ہوتے ہیں) 12 بیج رات کو بھگو دیں صبح نتھار کر پانی پی لیں- ایک ہفتہ تک علاج جاری رکھیں-

سوئیاں نکلنا

ایک خاتون کو ایسا محسوس ہوتا جیسے جسم سے سوئیاں نکل رہی ہیں اپنے خاوند کے ساتھ باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں-

قلندر باباؒ تھوڑی دیر غور کرتے رہے پھر فرمانے لگے یہ مرض دماغ کے مخصوص خلیہ بند ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ:

شیشے پر سرخ رنگ کا فریم کر کے لٹکا کر دن بھر میں بار بار دیکھئے-

بغل میں گلٹیاں

ایک صاحب باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بغل دکھانے لگے- ان کی بغل میں عجیب گلٹیاں تھیں جن سے چائے کے رنگ کا پانی رس رہا تھا- قلندر باباؒ نے ان سے فرمایا کہ:

گیرو کا سفوف بنا کر اس میں قدرے شکر ملا لیں اور آدھا آدھا ماشہ اس میں سے صبح نہار منہ ناشتہ سے ایک گھنٹہ پہلے اور رات کو سونے سے پہلے پانی کے ساتھ چند ہفتے کھائیں -

چشمہ چھڑانے کے لئے...

ایک خاتون اپنی بچی کو لے کر حضور قلندر باباؒ کے پاس آئیں اور بچی کے طرف اشارہ کرکے بتایا کہ یہ دسویں جماعت میں ہے لیکن نامعلوم کیوں اس کی نظر کمزور ہوتی جارہی ہے حالانکہ پہلے بالکل ٹھیک تھی۔ڈاکٹروں کو دکھایا تو انہوں نے چشمہ لگوایا لیکن کچھ دنوں بعد چشمے سے بھی دھندلا نظر آنے لگا اور چشمہ بدلوانا پڑا۔ بہت پریشانی ہوگئی ہے دن بہ دن نظر گر رہی ہے۔ باباصاحبؒ نے انہیں تاکید کی اور کہا کہ:

مہندی ایک چھٹانک دہی کے پانی میں حل کرلیں تھوڑا سا سرسوں کا تیل ملا کر تلووں میں لگائیں، ہفتہ میں ایک مرتبہ۔ تین چار ہفتے تک یہ عمل کریں۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ بچی کی نظر بہت جلدی بحال ہوگئی اور چشمہ بھی اتر گیا۔

پاگل پن

پاگل پن کا ایک مریض حضور قلندر باباولیاءؒ کی خدمت میں لایا گیا جس کی حالت بہت خراب تھی، تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہی دماغی حالت بگڑ جاتی تھی۔

باباصاحبؒ نے مریض کو دیکھا اور فرمایا کہ:

جس کمرے میں مریض رہتا ہے اور سوتا ہے اس کمرے کا رنگ ہرا کردیں، ہرے رنگ کے پردے لگوادیں چھت میں بھی ہرا رنگ ہونا چاہئے۔نمک کم سے کم مقدار میں استعمال کرائیں۔

اختلاج قلب

اختلاج قلب کے ایک مریض کو بہت آسان نسخہ باباصاحبؒ نے بتایا تھا جس سے وہ تندرست ہوگیا تھا۔

باباصاحبؒ نے فرمایا کہ:

سفید چنبیلی کے چار پھول صبح نہار منہ ہتھیلی پر رکھ کر سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے سے ملیں اور مصری ملا کر کھالیں چالیس روز تک استعمال کریں۔

پیروں کے پٹھے اور پنڈلیوں کا بے کار ہونا...

ایک مرتبہ شام کے وقت ایک صاحب اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ تانگے میں آئے اور باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ چار سال ہوگئے پیروں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، ایسا لگتا ہے منجمد ہوگئے ہیں ہر وقت سن رہتے ہیں، بہت جگہ علاج کروالیا ہے۔ کہیں آنا جانا تو دور کی بات ہے بول و براز تک کی محتاجی ہوگئی ہے۔باباصاحبؒ نے انہیں تسلی دی اور علاج بتایا کہ

آپ کالے تلوں کا تیل اپنے کسی معتبر آدمی کے سامنے نکلوایئے اور یہ تیل آدھ سیر لے کر اس پر... کل شیئ یرجع الی اصلہٖ ... گیارہ ہزار مرتبہ پڑھ کر دم کریں اور یہ تیل کسی بوتل میں کارک لگا کر محفوظ کرلیں۔

پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک نشست میں جتنی بار پڑھ سکیں (کم از کم ایک ہزار بار پڑھنا ضروری ہے) پڑھ کر کارک کھول کر بوتل میں پھونک ماردیں اور کارک بند کردیں۔اس طرح گیارہ ہزار کی تعداد پوری کرلیں اس کے بعد یہ تیل روزانہ تین ماشہ روٹی پر چپڑ کر کھائیں اور تین تین ماشہ روزانہ ہلکے ہاتھ سے دونوں گھٹنوں پر مالش کریں۔

دو ہفتوں بعد وہ صاحب آئے تو لاٹھی کے سہارے چلنے لگے تھے۔ باباصاحبؒ کا بہت ممنونیت سے شکریہ ادا کرنے لگے کہ سالوں کی محتاجی ختم ہوگئی۔ باباصاحبؒ نے انہیں مکمل صحت یابی تک اسی علاج کا مشورہ دیا اور وہ صاحب کچھ عرصے بعد بغیر کسی سہارے کے چلنا شروع ہوگئے۔

لالچ سے پیدا ہونے والے امراض...

حضور باباصاحبؒ کے پاس ایک عورت جس کے پیٹ میں رسولی تھی، اپنے جوان بیٹے کے سلسلے میں حاضر ہوئیں اور بتانے لگیں کہ بیٹے کی دو سال قبل شادی ہوئی ہے۔ پہلے وہ کپڑے کی دکان چلاتا تھا اور پیسے مجھے لاکر دیتا۔اب امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرنے لگا ہے اس کی آمدنی بھی بڑھ گئی ہے لیکن مجھے اب بھی لگے بندھے پیسے دیتا ہے اور باقی روپے اپنے اور اپنی بیوی کے اکاؤنٹ میں جمع کرادیتا ہے۔ میں بیمار رہتی ہوں پیٹ میں رسولی ہے، بلڈ پریشر بھی رہتا ہے اور عجیب عجیب وسوسے آتے ہیں۔ آپ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ میرا بیٹا میرے تابع فرمان ہوجائے اور سب پیسے مجھے ہی لاکر دے۔

باباصاحبؒ نے انہیں بہت پیار سے سمجھایا اور بتایا کہ

آپ کا بیٹا اب بھی فرمانبردار ہے۔ پیٹ کی رسولی، بلڈ پریشر اور ذہنی انتشار وغیرہ یہ سب لالچ کے پیدا کردہ امراض ہیں۔ بیٹے کی طرف سے مطمئن رہیں۔ آپ شہد لگی روٹی کھائیں انشاءاللہ جلد ہی تندرست بھی ہوجائیں گی اور پرسکون بھی۔

لیکوریا کا علاج...

لیکوریا کی ایک پرانی مریضہ کے لئے جو بہت کمزور ہوگئی تھی اور علاج سے فائدہ نہیں ہورہا تھا۔ باباصاحبؒ نے اسے جو علاج تجویز کیا کہ:

انڈوں کے چھلکے اتنے جلائیں کہ وہ سرخ ہوجائیں۔کھرل میں ڈال کر باریک پیس لیں۔ایک ایک ماشہ صبح دوپہر شام تازہ پانی سے استعمال کریں۔

نزلہ، کانوں میں پیپ آنا...

دو نوجوان ایک مرتبہ باباصاحبؒ کے پاس آئے جب انہیں باباصاحبؒ سے ملوایا گیا تو باباصاحبؒ کے پاس دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر ایک لڑکا عرض کرنے لگا حضرت میرا دوست کافی سالوں سے بیمار ہے۔ قلندر باباؒ نے دوسرے لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ کہنے لگا حضور کانوں سے پیپ آتی ہے اور مستقل نزلہ رہتا ہے۔ باباصاحبؒ نے اسے تسلی دی فرمایا کہ:

بیٹا آپ ٹھیک ہو جائیں گے، ایسا کریں سونف صاف کر کے دو حصہ کر لیجئے- ایک حصّہ بھون لیں اور ایک حصہ کچا رکھئے- دونوں کو ملا لیجئے- کھانا کھانے کے بعد اس میں سے تین ماشہ کھالیا کریں اور ٹھنڈا پانی پینا بالکل ترک کر دیں-

کچھ ہفتوں بعد اس لڑکے کا دوست ایک خط لے کر آیا، بتایا کہ میرا دوست مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) چلا گیا ہے اس کا خط آیا ہے- خط میں اس نے باباصاحبؒ کو سلام لکھا اور بتایا کہ اب وہ تندرست ہے-

بال سیاہ کرنا...

باباصاحبؒ کے پاس جہاں خلقت مسائل کے حل کے لئے آتی وہاں ایسے اشخاص بھی آتے جو کسی علمی نکتے میں اٹکے ہوتے اور اسے سلجھانے کے لئے بات چیت کرتے اور مطمئن ہو کر جاتے تھے- اسی طرح کے ایک صاحب آئے ہوئے تھے- تھیوسوفی پر بات چیت ہو رہی تھی ایک سوال بیان کرنے کے بعد مزاحاً کہنے لگے حضور آدھے بال تو سفید ہو گئے ہیں ذہن اس مسئلے میں ایسا الجھا ہے کہ لگتا ہے اسی میں بقیہ بھی سفید ہو جائیں گے- باباصاحبؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا.. بھئی ہم آپ کو بال سیاہ کرنے کا نسخہ بتا دیں گے-

ان صاحب نے یہ سنا تو اشتیاق ظاہر کرنے لگے اور اصرار کرنے لگے- باباصاحبؒ نے بتایا کہ آپ السی، رائی اور میتھی کے بیج ہم وزن لے کر کوٹ چھان کر سفوف بنوالیں اور کھانا کھانے کے آدھے گھنٹے کے بعد ایک ماشہ کھالیا کریں، چھ ماہ تک استعمال کریں بال سیاہ ہو جائیں گے-

ان صاحب نے یہ نسخہ استعمال کیا تو بال سیاہ ہونے لگے-

ان کے ایک دوست نے جن کے بال بھی سفید ہو رہے تھے معلوم کیا اور سیدھے باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے- عرض کرنے لگے کہ حضرت آپ نے ایک نسخہ بال سیاہ کرنے کا بتایا ہے جس سے میرے دوست کے بال سیاہ ہو گئے ہیں، وہ نسخہ میں بھی استعمال کرنا چاہتا ہوں مشورہ کے لئے حاضر ہوا ہوں- باباصاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ آپ کے لئے یہ نسخہ زیادہ بہتر رہے گا، اور نسخہ تجویز فرمایا جس کے استعمال سے چند ماہ میں ان صاحب کے سفید بال بھی سیاہ ہو گئے-

ہلیلہ سیاہ کوٹ کر سفوف بنوالیں اور ایک ماشہ رات کو سوتے وقت دودھ، چائے یا پانی کے ہمراہ کھائیں چھ ماہ تک استعمال کریں-

بلڈ پریشر...

مئی کی شدید گرمیوں میں دروازے پر دستک ہوئی- دروازہ کھولا تو ایک صاحب باہر کھڑے تھے- جن کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور سانس پھولی ہوئی تھی- انہیں فوراً اندر لا کر بٹھایا- جب کچھ اوسان بحال ہوئے تو پانی پلایا اور آنے کی وجہ دریافت کی تو بتانے لگے کہ میں مقامی کالج میں کیمسٹری کا پروفیسر ہوں اور بیمار ہوں- چاہتا ہوں کوئی اچھا مشورہ لے لوں- پروفیسر صاحب کو باباصاحبؒ سے ملوایا گیا تو تو انہوں نے عرض کیا:

ایک مرتبہ مجھے دل کا دورہ پڑ چکا ہے اور مستقل بلڈ پریشر رہتا ہے- چل پھر لیتا ہوں یا پڑھانے کے بعد بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے اور کھانا نہ کھاؤں تو بلڈ پریشر لو ہو جاتا ہے- گھٹن اور گرمی میں سانس اکھڑنے لگتی ہے اور دل پھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے- ایلوپیتھی علاج کروا رہا ہوں مگر مستقل فائدہ نہیں ہو رہا- علاج اتنا مہنگا ہے کہ سب پیسے خرچ ہو جاتے ہیں بہت پریشان ہوں-

باباصاحبؒ نے پروفیسر صاحب کو جو علاج تجویز کیا وہ بہت ہی سادہ تھا، علاج کے طور پر بتایا کہ تربوز کے تازہ بیج روزانہ صبح کو تین تولہ کھائیں۔

سلسلہ طریقت

باب دہم

سلسلہ عظیمیہ کا قیام

خواجہ شمس الدین عظیمی

سلسلہ عظیمیہ کے اغراض و مقاصد

لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کیلئے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے ہیں۔ خالق حقیقی سے تعلق قائم کرنا اور آدم زاد کو اس سے متعارف کرانا ان کا مشن ہوتا ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ابدال حق حضور قلندر باباولیاءؒ کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ.....

انسان کو محض روٹی کپڑے کے حصول اور آسائش و زیبائش ہی کیلئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس کی زندگی کا اولین مقصد یہ ہے کہ وہ خود کو پہچانے، اپنے اس رحمت اللعالمین محسن صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبی اور باطنی تعارف حاصل کرے جن کے جود و کرم اور رحمت سے ہم ایک خوش نصیب قوم ہیں اور جن کی تعلیمات سے انحراف کے نتیجے میں ہم دنیا کی بدنصیب اور بدترین قوم بن چکے ہیں۔ سلسلۂ عظیمیہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر دین کی خدمت کرنا۔

۲۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کر کے آپؐ کے روحانی مشن کو فروغ دینا۔

۳۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا۔

۴۔ علم دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روحانی اور سائنسی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دینا۔

۵۔ لوگوں کے اندر ایسی طرزِ فکر پیدا کرنا جس کے ذریعے وہ روح اور اپنے اندر روحانی صلاحیتوں سے باخبر ہو جائیں۔

۶۔ تمام نوعِ انسانی کو اپنی برادری سمجھنا۔ بلا تفریق مذہب و ملت ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور حتی المقدور ان کے ساتھ ہمدردی کرنا۔

سلسلہ عظیمیہ کے قواعد وضوابط:

سلسلۂ عظیمیہ کے تمام دوستوں کو حسب ذیل احکامات پر پابند رہنا ضروری ہے:

۱۔ ہر حال اور ہر قال میں اپنا روحانی تشخص برقرار رکھیں۔

۲۔ چھوٹے اور بڑے کا امتیاز کیے بغیر سلام میں پہل کریں۔

۳۔ اللہ کی مخلوق کو دوست رکھیں۔

۴۔ سلسلے میں رہ کر آپس میں اختلاف سے گریز کریں۔

۵۔ شیخ کی ہر بات پر بلا چوں وچرا عمل کریں۔

۶۔ کسی بھی سلسلے کے مقابلے میں اپنے سلسلے کو برتر ثابت نہ کریں اس لئے کہ تمام راستے اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

۷۔ سلسلہ میں جو شخص گند پھیلانے یا منافقت کا سبب بنے، اسے سلسلے سے خارج کر دینا چاہیئے۔

۸۔ ذکر وفکر کی جو تعلیم اور ہدایت دی جائیں ان پر پابندی سے عمل کریں۔ مراقبہ میں کوتاہی نہ کریں۔

۹۔ قرآن پاک کی تلاوت کریں، معنی ومفہوم پر غور کریں۔

۱۰۔ صلوٰۃ (نماز) میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط قائم کریں۔

۱۱۔ کسی دوسرے سلسلے کے طالبِ علم یا سالک کو سلسلۂ عظیمیہ میں طالب کی حیثیت سے قبول کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۔ جو شخص پہلے سے کسی سلسلہ میں بیعت ہو اسے سلسلۂ عظیمیہ میں بیعت نہ کریں۔ یہ قانون ہے کہ ایک شخص دو جگہ بیعت نہیں ہو سکتا۔

۱۳۔ سلسلۂ عظیمیہ سے بیعت حاصل کرنے کے بعد نہ تو بیعت توڑی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی فرد اپنی مرضی سے فرار حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے بیعت کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ جو شخص سلسلہ میں داخل ہونا چاہتا ہے اس سے کہا جائے کہ پہلے خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر لی جائے کہ ہم اس لائق ہیں بھی یا نہیں۔

۱۴۔ سلسلۂ عظیمیہ کے ذمہ دار حضرات پر لازم ہے کہ وہ کسی کو اپنا مرید نہ کہیں، ''دوست'' کے لقب سے یاد کریں۔

۱۵۔ سلسلہ کا کوئی صاحب مجاز مجلس میں گدی نشین ہو کر نہ بیٹھے۔ نشست وبرخاست عوام کی طرح ہو۔

۱۶۔ نوعِ انسان میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناطے خالقِ کائنات کے تخلیقی راز ونیاز ہیں۔ آپس میں بھائی بہن ہیں..... نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو۔ جس کے اندر اللہ کے اوصاف کا عکس نمایاں ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے۔ کسی کو اُس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔

۱۷۔ شک کو دل میں جگہ نہ دیں۔ جس فرد کے دل میں شک جاگزیں ہو، وہ عارف کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ آدم زاد کو اپنی روح سے دور کر دیتا ہے۔ روحانی قدروں سے دوری، آدمی کے اوپر علم و آگہی اور عرفان کے دروازے بند کر دیتی ہے۔

۱۸۔ مصور ایک تصویر بناتا ہے پہلے وہ خود اس تصویر کے نقش و نگار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مصور اپنی بنائی ہوئی تصویر سے اگر خود مطمئن نہ ہو تو دوسرے کیوں کر متاثر ہوں گے۔ ناصرف یہ کہ دوسرے لوگ متاثر نہیں ہوں گے بلکہ تصویر کے خدوخال مذاق کا ہدف بن جائیں گے اور اس طرح خود مصور بے چینی، اضطراب و اضمحلال کے عالم میں چلا جائے گا۔ ایسے کام کریں آپ خود مطمئن ہوں، آپ کا ضمیر مردہ نہ ہو جائے اور یہی وہ راز ہے جس کے ذریعے آپ کی ذات دوسروں کیلئے رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

۱۹۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ کاروبارِ حیات میں مذہبی قدروں، اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا احترام کرتے ہوئے پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے۔ نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے۔ اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ بے شک اللہ قادر مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے، حالات پر اس کی گرفت ہے۔ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے حالات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ معاش کے حصول میں معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی قدروں کا پورا پورا احترام کرنا ہر شخص کے اوپر فرض ہے۔

۲۰۔ تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا۔ اس لیے کہ جھکنے میں عظمت پوشیدہ ہے۔

۲۱۔ تمہیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقف معاف کر دو۔ اس لئے کہ انتقام بجائے خود ایک صعوبت ہے۔ انتقام کا جذبہ اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔

۲۲۔ غصہ کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہو کر اپنی انرجی (Energy) ضائع کر دیتے ہیں۔ یعنی اسکے اندر قوت حیات ضائع ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے لئے کسی قسم کے بھی نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جو لوگ غصہ پر قابو حاصل کر لیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔"

یاد رکھیے..... ! شمع پہلے خود جلتی ہے اور جب وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ آگ کی نذر کر کہ خود کو فنا کر دیتی ہے تو اس ایثار پر پروانے شمع پر جاں نثار ہو جاتے ہیں۔

سلسلہ عظیمیہ تمام نوع انسانی کو

"متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔" (آلِ عمران۔ آیت 103)

کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

آیئے! عہد کریں کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر پوری انسانیت کے لئے ہم ایک مثال قائم کریں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو گھر گھر پہنچا کر ہر فرد کو اس کے اندر بہتے ہوئے علم و آگہی کے سمندر سے روشناس کرائیں گے اور خود بھی اپنی روحانی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہوں گے۔

آمین یارب العالمین!